فہرست

عنوان

اعتراضات کی فہرست

دردِ دل

میں آج ۲۶ جمادی الاخری ۱۴۲۲ھ بمطابق ۵ ستمبر ۲۰۰۱ء یوم السبت (سنیچر) سہ پہر تین بجے چکی نمبر ۴، سیل نمبر ۳، اڈیالہ جیل راولپنڈی میں بیٹھ کر پوری امت مسلمہ کے علماء، خطباء، مدرسین، مبلغین اور مشائخ کو دردِ دل سے اعتراف کے ساتھ دعوت فکر دیتا ہوں کہ آپ کے سارے مشاغل دین ہیں اور یقیناً دین ہیں لیکن اگر دین کا غلبہ اور دینداروں کی عزت، مال و جان و ایمان کا تحفظ، شعائر اللہ کی تعظیم، حدود اللہ کا اجراء اور خلافت کا احیاء اور بقا چاہتے ہو تو اپنے آپ کو ان خدمات دینیہ کے ساتھ ساتھ جہاد کیلئے پیش کر دو۔ ورنہ خود بھی مٹ جاؤ گے اور پوری امت مسلمہ اور اسلام کے مٹنے کا جرم بھی اپنی گردن پر لے کر اس عدالت میں حاضر ہو گے جس کا اعلان ہے :إن بطش ربك لشديد

(محمد الیاس گھمن)

ارشاد گرامی

حضرت اقدس مفتی رشید احمد لدھیانوی دامت برکاتہم العالیہ نے ارشاد فرمایا اللہ تعالی سب مسلمان کو بالخصوص علماء فرمائے اور ترک جہاد پر دنیوی واخروی عذاب سے بچنے کی فکر عطا فرمائیں غفلت کی صورت میں بے التفاتی کا وبال اور عذاب بھی ایسے علماء ومشائخ پر ہو گا۔

وَلَيَحْمِلُنَّ أَثْقَالَهُمْ وَأَثْقَالًا مَعَ أَثْقَالِهِمْ وَلَيُسْأَلُنَّ يَوْمَ الْقِيَامَةِ عَمَّا كَانُوا يَفْتَرُونَ(سورۃ العنکبوت)

اور یہ یقینا اپنے بوجھ کے ساتھ دوسروں کے بوجھ بھی اٹھائیں گے اور بروز قیامت اپنی من گھڑت باتوں کے بارہ میں ضرور سوال کئے جائیں گے۔

(جواہر الرشید ج۱، صفحہ ۷۱)

حدیث خواب

امارت اسلامی افغانستان پر امریکہ کے حملہ سے تقریباً ایک سال قبل جس وقت بندہ سینٹر جیل بہاولپور میں قید تھا، ایک خواب دیکھا۔ جس کی تعبیر کے لئے امام اہل سنت والجماعت، شیخ الحدیث والتفسیر، حضرت مولانا محمد سرفراز خان صفدر دامت برکاتہم سے رجوع کیا۔ حضرت دامت برکاتہم نے اس خواب کی جو تعبیر ارشاد فرمائی حضرت دامت برکاتہم ہی کے الفاظ سے بعض احباب کے مشورہ سے امت مسلمہ کے لئے بطور بشارت عظمیٰ کے نقل کر رہا ہوں۔

شیخ القرآن والحدیث استاذ محترم حضرت اقدس مولانا محمد سرفراز خان صفدر صاحب دامت برکاتہم العالیہ۔

اللہ تعالیٰ آپ کو صحت کاملہ عاجلہ مستمرہ عطا فرمائے اور ہم جیسے نالائقوں کو آپ کی ذات عالی سے زیادہ سے زیادہ نفع پہنچائے آمین۔ استاد محترم گذشتہ سال بہاولپور جیل میں یکے بعد دیگرے تھوڑے عرصہ کے وقفہ کے ساتھ دو خواب دیکھے ان کی تعبیر معلوم کرنے کی غرض سے یہ عرضہ ارسال کر رہا ہوں۔

ا۔ میں نے دیکھا کہ دن کے وقت خواب میں دجال کو دیکھا اور پھر گرنیڈ سے اس پر حملہ آور ہوا مگر وہ میرے گرنیڈ کے حملہ سے بچ گیا اور میرا پھینکا ہوا گرنیڈ زمین کے اندر اس سوراخ میں گر گیا جو بھینس کو باندھنے کے لئے لگا ہوا کھونٹا اکھڑنے کے بعد بن جاتا ہے اور پھر کیا دیکھتا ہوں کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ آگے بڑھ کر اس گریڈ کو نکالنے لگتے ہیں تو ساتھ کھڑے ہوئے حضرت سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان کو روک دیتے ہیں اور بڑے پلاس کے ذریعے نکالتے ہیں اور میں فوراً زمین کے بل لیٹ جاتا ہوں اور ان کے نکالتے ہی گرنیڈ پھٹ جاتا ہے اور میرے دل میں لگتا ہے جس سے میں فوراً شہید ہو جاتا ہوں۔

الجواب ہو المصوب: اس خواب کی تعبیر بظاہر افغانستان کے حالات ہیں جس میں امریکہ دجال ناکام ہو گا اور کچھ مجاہد شہید ہوں گے اور پھر انشاء اللہ تعالیٰ طالبان غالب ہوں گے۔

واللہ تعالیٰ اعلم۔

ابو زاہد محمد سرفراز

تقریظ

فضیلۃ الشیخ، شیخ المشائخ مولانا ملک عبد الحفیظ مکی دامت برکاتہم

مکہ مکرمہ، سعودی عرب

خلیفہ مجاز مخدوم العلماء شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا کاندھلوی نور اللہ مرقدہ

بسم الله الرحمن الرحيم

الحمد لله وحده والصلاة والسلام على من لا نبي بعده وعلى آله اصحابه اجمعين

امابعد: کہ محب مکرم محترم حضرت مولانام الیاس گھمن صاحب نے اپنی کتاب "جہاد فی سبیل اللہ اور اعتراضات کا علمی جائزہ" کے مسودات عنایت فرمائے کہ یہ سیاہ کار اس پر اپنی تقریر لکھ دے۔ اس میں بہت سے اکابر علماء و مشائخ کی تقریظات بھی تھیں۔ ان اکابر کی تقریظات کے بعد اس سیاہ کار کی تقریر کی ان کو تو ضرورت نہیں رہ جاتی تھی مگر ان کے تعلق و محبت نیز اس تقریظ کے لکھنے میں اپنی سعادت سمجھتے ہوئے یہ چند سطریں استبراکاً لکھیں ہیں کہ جہاد و قتال قرآن مجید کی سینکڑوں آیات اور ہزاروں احادیث مبارکہ سے ثابت ہے جس کی بناء پر تمام علماء اسلام سلفاو خلفانے اس کے منکر کو کافر خارج از دائرہ اسلام قرار دیا ہے۔

قادیانیوں کے کفر کی وجوہ میں مستقل ایک وجہ کفر ان کا انکار جہاد بھی ہے۔ جس کو تمام علمائے کرام نے اپنی جگہ نقل فرمایا ہے۔

اور دیگر عبادات کی طرح جہاد کے لئے بھی آداب و شروط ہیں، جو ان کا اہتمام نہیں کرے گا ظاہر ہے وہ اللہ کے ہاں مقبول بھی نہیں ہو گا۔

کفر کی قوتوں اور طاغوتی طاقتوں نے ہمیشہ جہاد کے انکار یا اس کو بدنام کرنے کی کوشش کی ہے جس کی ہمیشہ مختلف انداز سے علمائے اسلام نے تردید کی ہے اور علمی دلائل سے اس کی حقانیت وافادیت ثابت کی ہے۔

اللہ تعالیٰ حضرت مولانا محمد الیاس گھمن کو اپنی شایان شان جزائے خیر عطا فرمائے کہ انہوں نے نہایت دلنشین اور مستند و محقق انداز سے جہاد فی سبیل اللہ کی حقیقت اس کی ضرورت وافادیت ثابت کی ہے اور اس پر عموماً غیروں اور بعض اپنوں کی طرف سے جو اعتراض کئے جاتے ہیں ان کے تسلی بخش جوابات مرحمت فرمائے ہیں۔

اللہ تعالیٰ ان کی اس سعی جمیل کو اپنے فضل و کرم سے شرف قبولیت سے سرفراز فرما کر اپنی مخلوق کو اس سے

مستفید فرمادیں۔ آمین

وصلی الله تعالی علی خیر خلقه وسید رسله وخاتم انبیائه سیدنا و مولانامحمد وعلی آله وأصحابه وازواجه و أتباعه اجمعین وبارک وسلما تسلیما کثیرا کثرا

کتبہ الفقیر الی رحمت ربہ الکریم

عبدالحفیظ المکی

بروز جمعہ / ۴ شعبان ۱۴۲۶ھ

تقریظ

فضیلۃ الشیخ حضرت مولانا سلیم اللہ خان دامت برکاتہم

مہتمم جامعہ فاروقیہ کراچی وصدر وفاق المدارس العربیہ پاکستان

بسم اللہ الرحمن الرحیم

جہاد کے موضوع پر اردو زبان میں کافی کتابیں لکھی گئی ہیں، ہر مؤلف کا اپنا اسلوب و انداز ہوتا ہے اور ہر ایک کے سامنے موضوع کے مختلف پہلو ہوتے ہیں، جنہیں وہ اجاگر کرنا چاہتا ہے۔

زیر تبصرہ کتاب میں مولانا محمد الیاس گھمن صاحب نے جہاد پر وارد ہونے والے جدید وقدیم اعتراضات و شبہات کا حل پیش کیا ہے۔ انہوں نے قرآن وحدیث اور تاریخی شواہد کی روشنی میں تسلی بخش جوابات دیئے ہیں ان کی تحریر میں انفرادیت اور جاذبیت بھی ہے جس کی وجہ سے قاری کی دلچسپی آخر تک برقرار رہتی ہے۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ اس کتاب کو خلق خدا کے لئے نافع اور مقبول بنائے۔ آمین

سلیم اللہ خان

۱۴۲۶/۶/۶ھ

۲۰۰۵/۷/۱۴ء

تقریظ

مرشد المجاہدین حضرت مولانا ڈاکٹر شیر علی شاہ دامت برکاتہم

شیخ الحدیث بدر العلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک،

الحمد للہ وکفی وسلام علی عبادہ الذین اصطفی اما بعد

لاہور کے بعض فضلاء کے ہاتھوں مجھے میرے ایک واجب الاحترام محبوب محترم مولانا محمد الیاس گھمن صاحب مد ظلہ کا مکتوب گرامی ملا۔ جس میں حضرت مولانا موصوف نے مجھے مایہ ناز بیش بہا تالیف "جہاد فی سبیل اللہ اور اعتراضات کا علمی جائزہ پر چند تقریظی کلمات لکھنے کی فرمائش کی ہے۔ میں کئی دنوں سے صاحب فراش ہوں۔

مطالعہ اور لکھنے سے قاصر ہوں مگر محترم مولانا موصوف ہمارے سابقہ جہاد افغانستان کاروان جہاد کے ان درخشندہ تابندہ سر بکف کمانڈروں میں سر فہرست ہیں جنہوں نے ژاور، باڑی، تورغر خوست گردیز وغیرہ کے شدید معرکوں میں نمایاں حصہ لیا۔ میرے لوح قلب پر اب تک ان قدسی صفات شیر دل شباب وشیوخ کے منور چہرے ثبت مضمر ہیں خصوصاً حرکت کے ایک معمر بوڑھے مجاہد کی باتیں یاد آرہی ہیں جب روسی طیاروں کا ایک جھنڈ بمباری میں مصروف ہو جاتا تو وہ بڑے ذوق و شوق سے نعرہ بلند کرتا کہ مولانا عماری موسیقی اب شروع ہو گئی ہے میں نے ایک قصیدہ میں کہا تھا۔

آتا ہے یاد مجھ کو گزرا ہوا زمانہ ژاور کی وادیوں میں حرکت کا آشیانہ

ہر سمت روح پرور ایمان کی فضائیں چاروں طرف سے سنتے اسلام کا ترانہ

ان غازیوں کا منظر یارب کہاں سے لاؤں چہروں پر نورِ تقوی اسلاف کا نشانہ

محترم محمد الیاس گھمن صاحب کے ساتھ ان جہادی روابط کے پیش نظر اس زریں کتاب کے مطالعہ سے مختلف وقفوں میں استفادہ کی سعادتیں نصیب ہوئیں، ماشاء اللہ لا حول ولا قوۃ الا باللہ محترم مولانا موصوف نے قید وبند کے تنگ و تاریک ماحول میں ایک عظیم الشان وقیع جہادی خدمت کو سرانجام دے کر فقیہ الامت علامہ سرخسی کی یاد تازہ فرمائی ہے انہوں نے چاہ سیاہ کے ظلموں میں مبسوط جیسی زخیم کتاب تصنیف فرمائی ہے جو ۳۰ جلدوں پر مشتمل ہے۔ چاندنی راتوں میں شاگرد آدھی رات کے وقت آکر کنویں کے ارد گرد بیٹھ جاتے اور علامہ سرخسی گہرے کنویں سے املاء فرماتے۔

ماشاء اللہ آج بھی اس گئے گزرے دور میں ایسے لوگ بھی موجود ہیں جو زنداں کے تلخ لمحات میں بھی قلمی جہاد کو ادا کرتے ہیں۔

جہاد پر تو عبد اللہ بن مبارکؒ کے زمانہ سے آج تک ہزاروں کی تعداد میں کتابیں لکھی گئی ہیں مگر ہمارے مولانا محمد الیاس گھمن صاحب کی کتاب بھی ایک نئے دلکش موثر انداز میں لکھی گئی ہے جس کو پڑھنے سے دل و دماغ میں عجیب کیف و سرور اور وجد و انبساط موجزن ہوتا ہے۔

ہر گل را رنگ و بوئے دیگر است

یہ کتاب اسی پریشان کن فضا میں لکھی گئی ہے جب کہ چاروں طرف ظلم و ستم وحشت و بربریت، فتن محن کی شدید تاریکیوں میں تمام عالم اسلام میں مایوسی ہی مایوسی نظر آ رہی ہے۔ اچھے اچھے نڈر خطباء جو جہادی موضوع پر ولولہ انگیز تقریروں سے سامعین کی زبانوں سے بے اختیار الجہاد الجہاد اور القتال القتال کے نعرے نکلواتے تھے آج وہ کلمہ جہاد کے تلفظ سے گھبرا رہے ہیں۔ بعض مجاہد طلباء اپنے اساتذہ کرام کی خدمت میں حاضر ہو کر متاسفانہ انداز میں شکوہ کرتے ہیں کہ حضرت! ہم کون سے گناہ کبیرہ کے مرتکب ہیں کہ اب آپ حضرات پہلے کی طرح ملاقات سے مشرف نہیں فرماتے اور ہم سے ڈر کر " لا مساس " فرمانے لگتے ہیں۔ ایسے ناگفتہ بہ حالات میں جہادی موضوع پر مولانا محمد الیاس گھمن صاحب کی تصنیف بھی جاندار تصنیفات کی اشد ضرورت ہے۔ جن سے مردہ قلوب اور مایوس ارواح میں جہاد کا جوش و فروش پیدا ہوتا ہے۔ دعا ہے کہ رب العالمین اس عظیم الشان علمی، دینی، جہادی کاوش کو شرف پذیرائی عطا فرمائے اور اس انمول علمی تحفہ سے عوام و خواص کو استفادہ کی توفیق عطا فرمائے۔

آمین آمین لا ارضی بواحدۃ — حتی اضم الیہا الف آمینا

شیر علی شاہ عفا اللہ عنہ

خادم طلباء بدر العلوم الحقانیہ اکوڑہ خٹک

۱۷/ جمادی الاولی ۱۴۲۶

تقریظ

رئیس المناظرین حضرت مولانا عبد الستار صاحب تونسوی دامت برکاتہم

بسم اللہ الرحمن الرحیم

محترم حضرت مولانا محمد الیاس گھمن صاحب نے جہاد فی سبیل اللہ اور اعتراضات کا علمی جائزہ کے موضوع پر محققانہ طرز پر جو کتاب تحریر فرمائی وہ میرے خیال میں اپنی نظیر آپ ہے جس کے پڑھنے سے مسلمانوں کو جہاد فی سبیل اللہ کے بارہ میں بے پناہ فائدہ ہو گا اس موضوع پر یہ کتاب اپنی نظیر آپ ہے۔ اللہ تعالیٰ حضرت مولانا کی محنت کو منظور اور مقبول فرما کر اجر عظیم عطا کرے۔

آمین ثم آمین

(محمد عبد الستار تونسوی)

(۱۳ / جمادی الاولیٰ ۱۴۲۶ھ

تقریظ

حضرت مولانا مفتی حمید اللہ جان صاحب دامت برکاتہم

رئیس دارالافتاء جامعہ اشرفی لاہور

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم

آئین جوانمرداں حق گوئی وبیباکی

اللہ کے شیروں کو آتی نہیں روباہی

قتال فی سبیل اللہ کے بارہ میں قرآن مجید کی سینکڑوں آیتیں، کتب احادیث میں ہزاروں حدیثیں اور رسول اکرم کی صد سالہ مدنی زندگی میں ایسے واضح قطعی دلائل ہیں کہ جن کا انکار کرنا روز روشن میں سورج کے وجود سے انکار کرنے کے مترادف ہے اور کفر کو ارادی یا غیر ارادی طور پر تقویت دینا ہے۔ مولانا الیاس گھمن صاحب نے "جہاد فی سبیل اللہ اور اعتراضات کا علمی جائزہ" کے نام سے ایک ایسے دور میں کتاب مرتب کی جس دور میں ایک طرف سے دنیائے کفر کی انتہائی بربریت و تشدد کی وجہ سے اس موضوع پر قلم اٹھانا مشکل ہے جب کہ دوسری طرف کچھ لوگ اپنوں کے لبادہ میں جہاد کے راستہ میں مختلف صورتوں میں علمی اور سیاسی اشکالات کے ذریعہ سے رکاوٹ بن رہے ہیں۔ مولانا موصوف نے دودھاری قلمی تلوار سے جہاد کر کے دونوں پہلوؤں کا بہترین مدلل او مفصل جائزہ لیا ہے اللہ کریم اس کو قبول فرما کر امت مسلمہ کے لیے مشعل راہ بنادے۔

آمین ثم آمین

حمید اللہ جان

خادم الحدیث والافتاء جامعہ اشرفیہ لاہور

مورخہ ۱۲/۷/ ۱۴۲۵ھ

تقریظ

حضرت مولانا فضل محمد یوسف زئی دامت برکاتہم

استاذ الحدیث جامعۃ العلوم الاسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن کراچی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ وحدہ والصلوۃ والسلام علی من لا نبی بعدہ

(۱)عہد نبوت، دور صحابہ اور قرون اولی پر اگر تاریخی اعتبار سے نظر دوڑائی جائے تو یہ حقیقت صاف نظر آتی ہے کہ اسلام جہاد مقدس کے ذریعے سے دنیا میں پھیلا ہے اور مساجد و مدارس اور علماء کے ذریعہ سے بر قرار رہا ہے۔

(۲)جب سے مسلمانوں سے جہاد نکل گیا ہے اسلام کا پھیلنا موقوف ہو گیا ہے اور جس خطہ سے مدارس و مساجد اور علماء ختم ہو گئے ہیں وہاں سے آہستہ آہستہ دین بھی رخصت ہو گیا ہے، اندلس کی تاریخ مسلمانوں کے سامنے ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جس طرح اسلام کو قیامت تک غیر منسوخ دین قرار دیا ہے اسی طرح جہاد کو بھی غیر منسوخ قرار دیا ہے۔

(۳) جہاد مسلمانوں کی مقدسات اور مسلمانوں کی عظمتوں اور ان کی عبادتوں کیلئے حافظ اور دفاعی لائن ہے، دنیا کے کفار اسے توڑنا چاہتے ہیں، اگر خدانخواستہ یہ لائن مکمل طور پر ٹوٹ گئی تو مسلمان اپنی عظمتوں پر باقی نہیں رہ سکیں گے بلکہ ان کی اسلامی شناخت تک مٹ جائے گی۔

(۴) جہاد اور دہشت گردی میں فرق ہے، جو لوگ جہاد کو دہشت گردی سمجھتے ہیں وہ یا کافر ہیں یا منافق ہیں، حقیقت تو یہ ہے کہ جہاد دہشت گردی، بدامنی اور فساد کو ختم کرتا ہے اور کم درجہ کے انسان کو اعلی مقام عطا کرتا ہے مسلمانوں کی تاریخ اس پر گواہ ہے۔

(۵)نزول قرآن کے وقت جن لوگوں نے جہاد میں سستی کی یا جہاد پر شبہات و اعتراضات کئے کلمہ پڑھنے کے باوجود اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو منافق قرار دیا ہے۔ کھرے اور کھوٹے مسلمان کے پرکھنے کیلئے جہاد ایک کسوٹی ہے۔

(۶) قرآن وحدیث اور مسلمانوں کی جہادی تاریخ نے جہاد کو مسلمانوں کے سامنے آفتاب نصف النہار کی طرح روشن اور ممتاز کر کے رکھ دیا ہے اس حقیقت میں کسی شک وشبہ کی گنجائش نہیں ہے لیکن جہاد میں چونکہ جان کی بازی لگانی پڑتی ہے بڑی بڑی قربانیاں دینی پڑتی ہیں اس لئے بعض بزدل یا بدخواہ مسلمان جہاد سے چھپنے کی

کوشش کرتے ہیں اور " خود بدلتے نہیں قرآن بدل دیتے ہیں" کے قاعدے کے مطابق جہاد پر طرح طرح کے شبہات وارد کرتے ہیں، اگر ان کے دل میں جہاد کا جذبہ موجزن ہوتا تو وہ بجائے شبہ کرنے کے ہر شبہ کا جواب دیتے لیکن ان سے ایسا نہ ہو سکا بلکہ اسلام کے ایک مقدس فریضہ میں شکوک وشبہات پیدا کرنے لگے اس لئے اس بات کی اشد ضرورت تھی کہ کوئی بندہ خدا میدان میں آتا اور بلاخوف "لومۃ لائم"، ڈٹ کر اس عظیم فریضہ کا دفاع کرتا، الحمد للہ اس عظیم کام کی خدمت کا سہرا اللہ تعالیٰ نے مولانا الیاس گھمن صاحب مدظلہ العالی کے سر باندھا جو اس میدان کے شہسوار بھی ہیں اور اس کے ہر شعبہ کے واقف کار بھی ہیں، انہوں نے "جہاد فی سبیل اللہ اور اعتراضات کا علمی جائزہ" کے نام سے انتہائی یکسوئی اور فارغ اوقات میں ایک مجموعہ تیار کیا اور امت مسلمہ کے سامنے پیش کیا، ماشاء اللہ واضح اور سلیس عبارت میں سے قلم اور مدلل انداز سے انہوں نے اس موضوع کا حق ادا کر دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کتاب کو قبولیت عامہ وخاصہ سے سرفراز فرمائے اور مؤلف کے لئے سرمایہ آخرت بنائے۔ آمین یارب العالمین

فضل محمد بن نور یوسف زئی

استاذ جامعۃ العلوم الاسلامیہ بنوری ٹاؤن کراچی پاکستان

۱۹ شوال ۱۴۲۵ھ مطابق یکم دسمبر ۲۰۰۴ء

روحانی نسبت کا اعجاز

(مفتی ابولبابہ شاہ منصور)

(خلافت اسلامیہ کا قیام مسلمانوں کی ان اجتماعی ذمہ داریوں میں سے ہے جو اتنی اہم ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالی عنہم اجمعین کی مقدس جماعت نے جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد آپ کی تجہیز و تکفین سے پہلے یہ مسئلہ طے کرنا ضروری سمجھا اور خلافت کا قیام چونکہ آج تک جہاد سے ہی ہوا ہے اور آئندہ بھی جہاد ہی سے ہو گا حتیٰ کہ خوش نصیب مجاہدین کی جماعت حضرت عیسی علیہ السلام اور حضرت مہدی کے ساتھ جہاد کر کے طاغوتی نظام کا خاتمہ اور خالص شرعی نظام خلافت کے قیام کا کارنامہ انجام دے گی، اس لئے کوئی مانے یا نہ مانے حتیٰ کہ ہمارے مغرب زدہ مسلمان بھائی تسلیم کریں یا نہ کریں لیکن کتاب وسنت عقل نقل اور تجربہ و تاریخ سے جو حقیقت ثابت ہوتی ہے وہ یہی ہے کہ جہاد ہی وہ مبارک عبادت ہے جو ستم رسیدہ اور حرماں نصیب مسلمانوں پر تاریخ کا جو بدترین زوال آیا ہوا ہے اس نے جہاں اور ستم ڈھائے، وہیں یہ غضب بھی ہوا کہ مسلمانوں کے رہنماوں نے غلامی سے نجات کے لئے طرح طرح کے نسخے ایجاد کرنے اور آزمانے شروع کر دیے۔ ہمارے دانشور کیوں پیچھے رہتے انہوں نے افلاطونی منطق، سقراطی اشکالات، بقراطی اندیشوں اور خیر خواہانہ مشوروں سے ایسی گرد اڑائی اور نظریہ جہاد کے گرد دھند کی ایسی دبیز چادر تانی کے الامان والحفیظ !اہمیت وفضیلت اور ضرورت تو جانے دیکھئے !اس مقدس عبادت کی مشروعیت ہی دھندلا کر رہ گئی۔

افغان جہاد کے بلند ہمت اور خوش نصیب شرکاء نے اس کملائے ہوئے پودے کو اپنے خون سے سینچا اور پھر طالبان کی بے مثال جدوجہد نے غفلت اور غلط فہمی کے ان دبیز پردوں کو چاک کیا جو اپنوں کی سادگی اور غیروں کی چالاکی سے اس مبارک و مقدس فریضے کے گرد تن گئے تھے لیکن اس امر کی ضرورت اپنی جگہ باقی تھی کہ میدان عمل میں قربانیاں پیش کرنے کے ساتھ ساتھ علمی و تحقیقی کام کے ذریعے ان کانٹوں کو نکالنے اور ان زہریلی کھمبیوں کو صاف کرنے کا کام کیا جائے، جو شہداء کے مبارک خون سے سیراب کئے جانے والے شجرہ طیبہ کے گرد اگ آئی ہیں۔ ہم سب کو.... اس کتاب کے ناشرین و قارئین کو ... کاروان عزیمت اور قافلہ جدوجہد کے سب شرکاء کو اس بات پر مسرت ہونی چاہیے کہ ہمارے رفیق مولانا محمد الیاس گھمن صاحب نے اس دیرینہ ضرورت کو بطریق احسن پورا کیا اور موضوع کو نبھانے کی کوشش ایسی خوبی سے کی ہے کہ بے ساختہ داد دینے کو جی چاہتا ہے۔

یہ عاجز بندہ کسی کتاب پر کچھ لکھنے سے بوجوہ ہمیشہ گریزاں رہا ہے۔ جناب مولانا مسعود اظہر صاحب کی کتابوں کے بعد یہ دوسری کتاب ہے جس کے لئے یہ اصول توڑا گیا ہے۔ پہلی کتاب خلافت سے متعلق تھی، یہ کتاب لاہور کے ایک نوجوان فاضل نے لکھی ہے۔ بوقت تحریر بندہ کو ان کا نام یاد نہیں آرہا۔ دوسری آپ کے ہاتھوں میں ہے۔ دونوں میں قدر مشترک خوبی ظاہر ہے۔ ایک تو یہ موضوع ہی ایسا ہے کہ اس پر کچھ لکھنے سے انکار "فرار من الزحف" کے زمرے میں داخل ہوتا محسوس ہوتا ہے۔ دوسرے مصنف کی گونا گوں قربانیوں، مشن سے سچی لگن تصوف وجہاد کا امتزاج اور بے ریا عجز وانکساری اور اخلاق ومروت ایسی ہے کہ ان کو ٹالنا بس میں نہ تھا۔ تیسرے جب بندہ نے کتاب کو دیکھا تو ایسی حیرت انگیز مسرت دل ودماغ پر چھاتی چلی گئی کہ بے ساختہ تعمیل کرنے پر مجبور ہوتا چلا گیا۔ مصنف نے نہ صرف یہ کہ ایک غیر مخدوم موضوع کو اپنایا اور وقت کے تقاضے کو سمجھ کر نبھایا اور انداز بھی ادیبانہ رکھا بلکہ ساتھ ساتھ یہ خوبی بھی ان کی تحریر میں ہے کہ اشکالات کا جواب دیتے وقت مناظرانہ رنگ اختیار کرنے کی بجائے مشفقانہ اور خیر خواہانہ انداز میں بات کو سمجھانے کی کوشش کی ہے۔ کہیں کہیں طنز ہے مگر اتنے لطیف پیرائے میں کہ مخاطب بھڑکنے کی بجائے لطف میں آئے گا اور ضد میں آنے کی بجائے اپنے ذہن کی گرہیں کھلتی محسوس کرے گا۔ نشتر زنی میں مسیحائی کی یہ تاثیر مصنف موصوف کی اس روحانی نسبت کا اعجاز ہے جو انہیں اللہ والوں سے حاصل ہے۔ کتاب کے شروع میں جہاد فی سبیل اللہ کے لفظ کو اس کا حقیقی معنی لوٹانے کی کوشش اور آخر میں "دعا" نامی نظم بھی بڑے خاصے کی چیز ہے۔

قید کے زمانے میں ہمارے اکابر نے جو تالیفی خدمات انجام دیں مشاہدہ ہے کہ ان کو اللہ تعالیٰ نے خصوصی قبولیت سے نوازا۔ مؤلف کے ہاتھوں جیل کی بیرکوں میں اس اچھوتے اور پیچیدہ موضوع کے لئے مناسب علمی سرمایہ نہ ہونے کے باوجود (حوالوں میں جلد وصفحات نہ ہونے کی وجہ بھی بظاہر یہی ہے) اتنا اچھا مجموعہ تیار ہو جانا لگتا ہے کہ اخلاص، قربانی اور مشن سے سچی اور بے لوث لگن کی برکت ہے۔ اللہ تعالیٰ اس برکت سے اس کتاب کے ہر قاری کو حصہ عطا فرمائے اور اس کتاب کو تحریکِ جہاد واحیائے خلافت کی ان کوششوں کا مبارک ومقبول حصہ بنائے جو غزوہ ہند اور غزوہ فلسطین کے غازیوں کا لشکر تیار کرنے میں کام آئیں گی۔

والسلام

ابولبابہ شاہ منصور

۲۱/شوال ۱۴۲۵ھ

تقریظ

شیخ القرآن، استاذ العلماء مولانا محمد اسلم شیخوپوری دامت برکاتہم

برادرم مولانا محمد الیاس گھمن زید مجدہ کو باری تعالیٰ نے گوناں گوں صفات اور کمالات سے نوازا ہے، وہ صاحبِ استعداد عالم ہیں، ماہر مدرس ہیں، شعلہ بیان خطیب ہیں، جذبات پرور شاعر ہیں، سماجی اور رفاہی کارکن ہیں، باوفا دوست اور خدمت گار شاگرد ہیں، تن من دھن کی بازی لگا دینے کا جذبہ رکھنے والے مجاہد ہیں، عارف باللہ حضرت مولانا حکیم محمد اختر صاحب دامت برکاتہم کے خلیفہ مجاز ہیں قلم و قرطاس کو خطیبانہ رنگ میں رنگنے والے مصنف ہیں لیکن ان سب پر مستزاد یہ کہ وہ دردمند دل کے مالک ہیں۔

درد دل کی دولت ہی تو ہے جس سے آج امت مفلس اور تہی دست ہوتی جارہی ہے، دولت و ثروت کی بہتات ہے، وسائل و اسباب کی فراوانی ہے، فراٹے بھرتی گاڑیوں، بلند و بالا عمارتوں، نت نئی مصنوعات تیار کرتی فیکٹریوں اور کارخانوں کی کمی نہیں اور نہ ہی ان چیزوں کا فقدان امت کے زوال کا سبب ہے، اصل سبب درد دل کا، نہ ہونا ہے۔ الفاظ کی جگالی کرنے والے شاعر ہزاروں کے مجمع کو لوٹ پوٹ کر دینے والے خطیب، اپنے اسلوب کے سحر میں جکڑنے والے قلمکار، ظاہر و باطن کے تضاد میں مبتلا لیڈران عظام بے شمار ہیں، ایک ڈھونڈو تو ہزار ملتے ہیں مگر ظاہر ہے اس فوج ظفر موج سے چائے کی پیالیوں، سامان خورد و نوش سے سجے دستر خوانوں، ہوٹلوں اور کلبوں، دفتروں اور جلسہ گاہوں میں تو انقلاب آسکتا ہے مگر امت میں کوئی انقلاب نہیں آسکتا۔

اس انقلاب کے لئے تو ان سرپھروں کی ضرورت ہے، جن کا درِدِل ان کے لئے جہاد کے موضوع پر اچھوتے انداز میں لکھی گئی اس وقیع کتاب پر تقریظ لکھنے کا حکم ایسے شخص کو دیا ہے جسے آگ برساتے آسمان اور گولیوں سے سنسناتی فضاء میں عملی طور پر حصہ لینے کا بھی موقع نہیں ملا۔ ناچیز نے مختصر وقت میں سرسری انداز میں کتاب کو دیکھا ہے، یہ کتاب اس قابل ہے کہ اسے صرف مجاہد ہی نہیں مجاور بھی پڑھیں اور بار بار پڑھیں تا کہ ان کے شبہات کا ازالہ ہو جائے، اور انہیں جہاد کے بارے میں شرح صدر نصیب ہو جائے۔

محتاج دعا: محمد اسلم شیخوپوری

تقریظ

حضرت مولانا ابن الحسن عباسی دامت برکاتہم

استاذ الحدیث و نگران شعبہ تصنیف و تالیف جامعہ فاروقیہ کراچی

مدیر ماہنامہ وفاق المدارس

جیسا کہ نام سے ظاہر ہے یہ کتاب جہاد اور اس کے بارے میں کئے جانے والے اعتراضات اور پیدا ہو جانے والے شبہات سے متعلق مرتب کی گئی ہے اور ایک ایسے عالم دین نے مرتب فرمائی ہے جو عملی جہاد کے محاذوں پر لہو گرما اور جذبوں کو پروان چڑھا چکے ہیں اور اس کا مرتب میری طرح صرف گفتار کا نہیں، بلکہ کردار کا غازی ہے۔

جہاد اور جارحیت، جہاد اور دہشت گردی کو دین دشمن قوتوں نے ایسا نتھی کر دیا ہے کہ دونوں کے درمیان کئی لوگوں کیلئے فرق کرنا مشکل ہو گیا ہے، حالانکہ دہشت گردی اور جارحیت سراسر فساد ہے جب کہ جہاد فاسد مادے کو ختم کرنے کیلئے اصلاح کائنات کا نسخہ ہے اس کتاب میں دونوں کے درمیان اس فرق کو بڑی خوش اسلوبی کے ساتھ بیان کیا گیا ہے، اس میں فاضل مولانا نے جہاد پر غیروں کی طرف سے کئے جانے والے اعتراضات کے جوابات بھی دیئے ہیں اور ان شکوک و شبہات کا بھی تسلی بخش حل بیان کیا گیا ہے جو جہاد کے حوالے سے دل میں کھٹک سکتے ہیں۔

اس موضوع پر اس سے پہلے بھی عربی اردو میں کام ہو چکا ہے اور بعض رسائل اور کتابیں طبع ہو چکی ہیں تاہم زیر نظر کتاب میں آج کے دور کے چند جدید اعتراضات و شبہات کے بھی بڑے تفصیلی جوابات آ گئے ہیں۔

ابن الحسن عباسی

۲۵ شوال ۱۴۲۵ھ

تقریظ

حضرت مولانا عبد الحمید دامت برکاتہم

شیخ الحدیث وناظم تعلیمات جامعہ بنوریہ سائٹ کراچی

جب سے انگریز نے ہندوستان میں اپنے ناپاک قدم رکھے تو بڑی ہوشیاری سے اسلام پر حملے کرنے لگے اسلامی احکام پر عقلی اعتراضات کر کے لوگوں کے خصوصا مسلمانوں کے ذہنوں میں انتشار پیدا کرنے لگے ان اعتراضات کے متعلق مسلمانوں میں دو گروہ بنے۔ پہلا وہ گروہ جو ان اعتراضات سے متاثر ہو کر اسلامی احکامات میں تاویل کرنے لگے اور آیات قرآنیہ واحادیث نبویہ کی تفسیر وتشریح انگریزوں کے مطابق کرنے میں لگے رہے۔ جن کا سرغنہ سر سید احمد خان تھا۔ دوسرا گروہ ان علماء کا تھا جو ان اعتراضات کے جوابات علمی انداز میں دے رہے تھے اور اسلامی احکامات پر آنچ نہ آنے دی اس سلسلہ میں سرخیل علماء دیوبند حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمہ اللہ سر فہرست رہے، مولانا عبید اللہ سندھی مرحوم فرماتے تھے، کہ مولانا قاسم نانوتوی رحمہ اللہ نے جو علمی وعقلی دلائل وجوابات (اسلامی احکامات کے سلسلہ میں) دیئے ہیں وہ ہمیں آئندہ ایک سو سال تک فائدہ دیتے رہیں گے۔

ان اسلامی احکام میں جہاد کا مسئلہ آج کل سر فہرست ہے جس میں اچھے خاصے پڑھے لکھے لوگوں کے قدم لغزش میں ہیں اور پھسل رہے ہیں۔

خود بدلتے نہیں قرآں کو بدل دیتے ہیں

میرے استاد محترم اور پیر و مرشد امام المعقولات والمنقولات حضرت مولانا عبد الکریم قریشی صاحب مرحوم آف بیر شریف (متوفی ۱۴۱۹ھ) اس سلسلہ میں بڑے حساس رہے اور مسلسل جہاد کی حقیقت واضح کرتے رہے۔ میرے حضرت نے جہاد کے موضوع پر دو کتابیں بھی لکھیں جو شائع شدہ ہیں اور ہمارے لئے مشعل راہ ہیں۔

میرے برادر محترم مولانا محمد الیاس گھمن صاحب کو اللہ پاک جزائے خیر عنایت فرمائے کہ اس موضوع کی نزاکت کو محسوس کرتے ہوئے قلم اٹھایا اور "جہاد فی سبیل اللہ اور اعتراضات کا علمی جائزہ" کے عنوان سے ایک تفصیلی کتاب منظر عام پر لے آئے۔

جس سے عام لوگوں کو فائدہ ہو گا ہی لیکن علماء کرام بھی مستفید ہو گئے۔ ہم اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں دست بدعا ہیں کہ اس کتاب کو قبولیت عامہ سے نوازے اور دشمن اسلام کے منصوبوں پر پانی پھیرے (آمین ثم آمین)

عبدالحمید

۲۰ شوال ۱۴۲۵ھ

جامعہ بنور ویب سائٹ کراچی

تقریظ

حضرت مولانا مفتی عتیق الرحمن صاحب شہیدؒ

استاذ الحدیث جامعہ بنوریہ سائٹ کراچی

الحمد لله رب الشهدا والمقاتلين و الصلوة والسلام على امام الأنبياء والمجاهدين و على آله الطيبين الطاهرين وازواجه امهات المؤمنين واصحابه اجمعين وعلى كل من حذاحذوهم الى يوم الدين و بعد :

جہاد اسلام کی قوت اور بقاء کا ضامن ہے۔ اس سے اسلام کی شان و شوکت کا اظہار ہوتا ہے اور دشمنان اسلام مرعوب ہو کر، اسلام دشمن حرکتوں سے دستبردار ہو جاتے ہیں۔ اس لئے ہر دور کا باطل مختلف انداز سے جہاد کو بدنام کرنے اور اس سے مسلمانوں کی وابستگی ختم کرنے کے ایجنڈے پر کام کرتا رہا ہے۔ ماضی قریب میں قادیانیت کا شجرہ خبیث اسی مقصد کے لئے کاشت کیا گیا تھا اور مرزا قادیانی نے جھوٹی نبوت کا سہارا لیکر صاف اعلان کر دیا تھا کہ

چھوڑ دو اے دوستو! جہاد کا خیال

کہ دین میں حرام ہے اب جنگ اور قتال

مگر جھوٹی نبوت اس کی سب سے بڑی کمزوری ثابت ہوئی، اور وہ اسلامی معاشرے میں اپنے نظریات کو رواج دینے میں بری طرح ناکام رہا۔ علماء کی لازوال جدوجہد نے جہاد دشمن تحریک قادیانیت کے تار پود بکھیر کر رکھ دیئے اور فریضہ ء جہاد کا انکار ہی قادیانیت کے تابوت میں آخری کیل ثابت ہوا۔

باطل نے پھر پینترہ بدلا اور مسلمانوں کی صفوں میں ایک نئی مخلوق پیدا کی۔ جنہیں دانشور، روشن خیال اور اعتدال پسند جیسے خوبصورت القاب سے متعارف کرایا۔ یہ لوگ دانشور کم اور دانش فروش زیادہ ثابت ہوئے۔ دماغ کے بجائے پیٹ کے راستے سے سوچنے کے مریض نکلے اور ذاتی اغراض اور مالی مفادات کے غلام بن کر اپنے علم و دانش چند ڈالروں کے عوض گروی رکھنے کے لئے تیار ہو گئے۔ یہ لوگ کوئی وقیع علمی اعتراض تو نہ کر سکے مگر شکوک و شبہات کے غبار سے جہاد کے روشن چہرے کو دھندلانے اور سادہ لوح مسلمانوں کو مزدوج ذہنیت (double mindedness) کا شکار کرنے کی سعی لاحاصل میں لگے ہوئے ہیں۔ تمام ذرائع ابلاغ پر، اسلام دشمن عناصر کی آشیرباد سے انھیں دسترس حاصل ہے، جس کی وجہ سے گھروں میں پردہ نشین خواتین تک بھی ان کی رسائی ہے۔ اور ان کے افکار و نظریات سادہ لوح عوام کو متاثر کر رہے تھے۔ اب بڑا المیہ یہ

ہے کہ منبر و محراب سے بھی اس کی بازگشت سنائی دینے لگی ہے اور کچھ جبہ و دستار کے حاملین بھی یہ کہتے ہوئے سنے جا رہے ہیں کہ موجودہ حالات میں دفاع اسلام کے مسلح کوششیں، خودکشی کے مترادف ہیں اور خودکش حملے اسلامی معاشرے میں افراتفری پھیلا رہے ہیں اور زنا اور شراب کے رسیا نام نہاد مسلم حکمرانوں کی اجازت کے بغیر دشمنانِ اسلام کے خلاف کسی قسم کی کاروائی جائز نہیں ہے۔ اس وقت اس جہاد کا عمل موقوف کر دینا چاہیئے۔ مگر وہ لوگ یہ بتانے کے لیے تیار نہیں ہیں کہ امت مسلمہ کو اس نازک وقت میں کیا کرنا چاہیئے۔ اس وقت اس بات کی اشد ضرورت ہے کے علماء ربانین قدم آگے بڑھا کر امت اسلامیہ کی رہنمائی کریں۔ باطل پرست لوگوں کے شکوک و شبہات کے غبارے سے ہوا نکال کر جہاد کی سچی اور حقیقی تصویر دنیا کے سامنے پیش کریں۔

مولانا محمد الیاس گھمن صاحب ایک مجاہد فی سبیل اللہ اور غازی کی شہرت رکھتے ہیں۔ وہ مختلف محاذوں پر دادِ شجاعت دے چکے ہیں اور کلمہ حق کہنے کی پاداش میں قید و بند کی صعوبتیں برداشت کرتے ہوئے پابندِ سلاسل بھی رہ چکے ہیں۔

انھوں نے جہاد کے موضوع پر اٹھائے جانے والے بعض شکوک و شبہات پر اپنے انداز میں اچھے جوابات قلمبند کئے ہیں اور "گدی اور حلقوم" کے غلاموں کی مناسب سرزنش کی ہے۔ امید ہے کہ بہت سے بھٹکے ہوئے دانشوروں کے لئے یہ کتاب روشنی کا مینار اور اغراض و مفادات کے بندھنوں میں جکڑے ہوئے لوگوں کے لیئے آزادی کا پیغام اور سادہ لوح مسلمانوں کے لئے ایک رہبر و رہنما ثابت ہو گی۔ اللہ تعالیٰ اسے قبولیت سے نوازیں اور مصنف موصوف کیلئے صدقہ جاریہ اور باقیات صالحات میں سے بنائیں۔

فقط والسلام

(مفتی) عتیق الرحمن

۲۴ شوال ۱۴۲۵ھ، دسمبر ۲۰۰۴ء بروز منگل

تقریظ

مولانا مفتی محمد ادریس دامت برکاتہم (استاذ الحدیث دارالعلوم، رنگون، برما)

خلیفہ مجاز عارف باللہ حضرت اقدس مولانا شاہ حکیم اختر دامت برکاتہم

الحمد لله وكفى وسلام معلى عباده الذين اصطفى اما بعد۔

۱۴۲۵ھ رمضان المبارک کے اخیر عشرہ میں بندہ کو اپنے شیخ عارف باللہ حضرت اقدس مولانا شاہ حکیم اختر دامت برکاتہم کی خانقاہ میں گزارنے کا شرف حاصل ہوا۔ اسی دوران ایک مرد مجاہد، جید عالم مولانا محمد الیاس گھمن صاحب دامت برکاتہم سے ملاقات کا موقع ملا۔ موصوف حضرت والا کے خلیفہ بھی ہیں۔ موصوف ایسی شخصیت ہیں کہ ان کو دیکھ کر صحابہ کی یاد تازہ ہو جاتی ہے۔ بڑے متفکر ہیں۔ خصوصا مظلوم امت مسلمہ کے لئے شب و روز فکر رکھنے والے ہیں۔ انہوں نے "جہاد فی سبیل اللہ اور اعتراضات کا علمی جائزہ" کے نام سے ایک کتاب تصنیف کی ہے۔ اس کا مسودہ بندہ کو دکھا کر بندہ کی طرف سے بطور تقریظ چند کلمات لکھنے کی فرمائش کی ہے۔ بندہ کو اس مسودہ کو دیکھ کر بڑی حیرت ہوئی کہ اس میں جہاد کے متعلق ایسے نقلی اور عقلی دلائل اور اعتراضات کے جوابات پیش کئے ہوئے ہیں جو کہ بندہ کے خیال میں بھی کبھی نہیں گزرے۔

آج جہاد فی سبیل اللہ کے صحیح مفہوم کو نہ سمجھنے کی وجہ سے غلط جگہوں پر محمول کر کے اس امر عظیم سے اکثر الناس محروم ہو رہے ہیں۔ اس سے زیادہ افسوس کی بات یہ ہے کہ بعض لوگ ہر قسم کے اعتراضات پیش کر کے اپنے جان و مال سے اللہ کے راستے میں نکل کر دشمنان اسلام سے مقابلہ کر کے جہاد فی سبیل اللہ کے صحیح مفہوم کو ادا کرنے والوں کو بھی برا بھلا کہہ رہے ہیں۔ والی اللہ المشتکیٰ

یہی لوگ" من مات ولم يغز ولم يحدث به نفسيه مات على شعبة من قاق'' کے مصداق ہیں۔ لہٰذا جہاد کے مسئلہ کو سمجھنا اس طرح ضروری ہے جس طرح ایمان کو سمجھنا ضروری ہے، کیونکہ فقہانے لکھا ہے کہ جو جہاد کا انکار کرے وہ کافر ہو جاتا ہے، ایک ادنیٰ سنت کے مذاق اڑانے والے کا ایمان سلامت نہیں رہتا تو جہاد (جو کلام اللہ میں نص قطعی سے ثابت ہے) کا انکار کرنے والے کا ایمان کیسے سلامت رہے گا۔

بندہ دعا گو ہے کہ اللہ تعالیٰ کتاب ہذا کے ذریعے پوری دنیا کے مسلمانوں کو جہاد کے مفہوم کو صحیح سمجھنے کا موقع عطا فرما کر اس نعمت عظمیٰ میں اپنے جان و مال خرچ کرنے کا شرف بخشیں۔ نیز موصوف کی کاوش قبول فرما کر فلاح دارین کا سبب بنادیں۔

محمد ادریس کان اللہ لہ — استاذ الحدیث دارالعلوم، رگون، برما

انتساب

راہ حق میں لڑنے والے ان مجاہدین کے نام جو خرمن کفار پر بجلیاں گرا رہے ہیں اور راہ حق میں لڑتے ہوئے گرفتار ہونے والے ان اسلام کے شیروں کے نام جو دنیا کی کسی بھی جیل میں اللہ تعالیٰ کی مدد کے منتظر ہیں اور راہ حق کے غازیوں اور ان مجاہدات کے نام جو صدیوں بعد خنساو خولہ کی یادیں تازہ کر رہیں ہیں اور راہ حق میں لڑتے ہوئے جام شہادت نوش کرنے والی شہیدات اور ان شہیدوں کے نام جو اپنا آج اسلام کے کل پر قربان کر گئے۔

محمد الیاس گھمن

چند گزارشات

اس کتاب کو تحریر کرنے کا مقصد صرف یہ ہے کہ جہاد فی سبیل اللہ پر ہونے والے اعتراضات کے مثبت اور معقول جوابات دے کر جہاد فی سبیل اللہ کو اصلی اور حقیقی صورت میں امت مسلمہ کے سامنے پیش کر دیا جائے اور کفر کی چالوں کو بے نقاب کر دیا جائے تا کہ ہمارے سادہ لوح مسلمان اور نئی نسل ان اعتراضات اور شبہات کی وجہ سے تردد میں مبتلا ہو کر کسی غلط فہمی کا شکار نہ ہو۔

اس کتاب کو تعصب اور ضد کی عینک اتار کر استفادہ وافادہ کی نیت سے پڑھا جائے گا تو انشاء اللہ یقینا نفع محسوس ہو گا۔ وگرنہ ہٹ دھری کا علاج تو میرے پاس نہیں ہے سوائے دعا کے اور اس میں انشاء اللہ کوتاہی نہ کروں گا۔

اعتذار

اس کتاب سے کسی خاص فرد یا جماعت کا رد کرنا مقصود نہیں بلکہ مجموعی اعتراضات کا رد مقصود ہے مگر پھر بھی اگر میری اس کتاب سے کسی صاحب کے دل یا کسی جماعت کے افراد کو ٹھیس پہنچے تو اگر چہ معذرت کی ضرورت نہیں تاہم میں پھر بھی پیشگی معذرت خواہ ہوں۔

اختصار

میں نے اول تا آخر پوری کوشش کی ہے کہ کسی بھی اعتراض کی عبارت یا جواب کی تفصیل زیادہ طویل نہ ہو تا کہ قارئین اور خصوصا میرے بھائیوں اور محسنین مجاہدین کا قیمتی وقت ضائع نہ ہو بلکہ اصل

بات کو سمجھیں اور چند ایک دلائل سے راہنمائی لیں اور مزید دلائل اس پر خود قائم فرمائیں یا میدان جہاد میں سرگرم عمل علمائے کرام سے رجوع فرمائیں اور اپنے اصل اور علمی کام میں لگ جائیں۔

اس اختصار کے پیش نظر اس کتاب میں جہاد کے فضائل و مسائل اور ترک جہاد پر وعیدیں ذکر نہیں کی گئیں۔ کیونکہ جہاد کے فضائل و مسائل کے موضوع پر بہت سی کتب الحمدللہ موجود ہیں اگرچہ ضمناً بہت سے مقامات پر فضائل یا مسائل بھی آگئے ہیں مگر وہ کتاب کی تحریر کے مقصد میں شامل نہیں ہیں۔

اعتراف

اسلام کی خاطر جیل میں قیدی ہونے کی وجہ سے مجھے اس کتاب کی تحریر کے وقت جو کتابیں مطلوب تھیں میسر نہ ہو سکیں اور جیلوں کے حالات ایسے ہیں کہ زیادہ وقت تک انتظار نہیں کیا جاسکتا کیونکہ ہر وقت یہ خدشہ ہوتا ہے کہ کسی بھی وقت تلاشی کے نام پر سب کچھ ضبط کر لیا جائے گا۔ اس لئے گزارش ہے کہ بوقت تحریر مجھے تفسیر عثمانی، تفسیرات احمدیہ، معارف القرآن، موضح القرآن، کنز العمال، الجامع الصغیر زاد الطالبین، مشکوۃ شریف مختصر القدوری، اصول الشاشی اور منشور القرآن کے علاوہ کوئی اور کتاب نہ مل سکی البتہ قرآن شریف سے جگہ جگہ راہنمائی لیتا رہا اور میں نے اپنے اکابرین میں سے جن کی کتب اور رسائل سے استفادہ کیا اگرچہ ان میں سے بعض کی مقدار چند سطریں ہی کیوں نہ ہوں سب کے نام تحریر کر رہا ہوں

حضرت اقدس مفتی رشید احمد لدھیانوی صاحب دامت برکاتہم

استاذ محترم مفتی عبدالرحیم صاحب دامت برکاتہم

استان محترم مولانا محمد اسلم شیخوپوری صاحب دامت برکاتہم

استان محترم مولانا زاہد الراشدی صاحب دامت برکاتہم

مفتی محمد رفیع عثمانی صاحب دامت برکاتہم

مفتی معصوم افغانی صاحب دامت برکاتہم

مفتی محمد ابراہیم صادق آبادی صاحب دامت برکاتہم

مفتی ابوالریحان کاشمیری صاحب دامت برکاتہم

مولانا فضل محمد یوسف زئی صاحب دامت برکاتہم

صوفی محمد اقبال رحمہ اللہ تعالی مدینہ منورہ سعودی عرب

شیخ التفسیر والحدیث مولانا محمد ادریس کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ

شیخ التفسیر والدین مولانا عبد الکریم قریشی رحمۃ اللہ علیہ

اس کے علاوہ میں نے اپنے قدیم اور پرانے (خصوصاً طالب علمی کے زمانہ کے) مطالعہ کے دوران جو کچھ میرے ذہن میں محفوظ تھا اس پر اعتماد کیا ہے۔

وللہ الحمد والشکر

التماس

اس لئے میری گزارش ہے کہ اس کتاب سے جو بھی اچھی اور مفید بات معلوم ہو اس کو میرے اکابر کی طرف منسوب کیا جائے اور جو بات ہے کار وبے معنی یا غلط معلوم ہو اس کی نسبت میری ذات کی طرف کی جائے اور اس کتاب سے جس شخص کو معمولی سا بھی نفع ہو وہ حضرات اکابر کیلئے اور میرے لئے دعائے خیر کرے اور جس شخص کو معمولی سا بھی کسی بات سے صدمہ ہو وہ مجھے ہی موردالزام ٹھہرائے مگر میری معذرت کی بناپر مجھے قابل عفو جانتے ہوئے در گزر کرے تو بندہ اس کا ممنون ہو گا۔

انتظار

لہٰذا کوئی بھی صاحب میری اس کتاب میں کوئی غلطی دیکھیں تو مجھے ضرور مطلع فرمائیں بندہ صرف اپنی غلطی کا اعتراف ہی نہیں کرے گا بلکہ اپنی غلطی پر ندامت اور توبہ کے اظہار کے ساتھ آئندہ کے ایڈیشن میں انشاء اللہ موصوف کے نام کے ساتھ اصل اور صحیح مسئلہ درج بھی کرے گا انشاء اللہ۔ مگر اس سلسلہ میں عرض ہے کہ بات دلیل کے ساتھ ہو اور ایسے صاحب اصلاح وصاحب خیر کیلئے بندہ انشاء اللہ شکریہ ادا کرنے کے ساتھ ساتھ تازیست دعائے خیر بھی کرے گا۔

اظہار تشکر

میں سب سے پہلے تو اپنے مالک حقیقی اللہ کریم کا شکر ادا کرتا ہوں کہ جس نے محض اپنے فضل وکرم سے مجھے جہاد فی سبیل اللہ کے موضوع پر قلمی میدان میں کچھ تحریر کرنے کی توفیق عطاء فرمائی۔

وما توفيقي إلا بالله العلي العظيم

اور اس کے بعد حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من لم يشكر الناس لم يشكر اللة "جو انسانوں کا شکر ادا نہیں کرتا وہ حق تعالیٰ کا شکر بھی ادا نہیں کرتا (ترمذی) کے تحت اپنے ان تمام دوستوں

اور خیر خواہوں کا انتہائی مشکور ہوں جنہوں نے میرے ساتھ اس کتاب کے بارے میں تعاون کیا یا میری جیل کی زندگی میں مجھے ہر طرح سے سہولت پہنچانے کی معمولی سی بھی کوشش کی۔
جزاهم الله تعالى أ ن الجزاء في الدنيا والاخرة

"دعا"

اللہ تعالیٰ اس کتاب کو قبولیت خاصہ وعامہ عطا
فرمائے، دینی نفع کا ذریعہ بنائے اور میرے لئے،
والدین مرحومین، میرے بھائیوں، بچوں، اہل
خانہ مشائخ عظام، اساتذہ کرام اور میرے تمام
دوست احباب کیلئے ذخیرہ آخرت بنائے۔
آمین یارب العلمين

مقدمہ

شریعت نے انسانیت کی فلاح اور کامیابی کیلئے زندگی کے ہر شعبے سے متعلق احکامات دیئے ہیں اور وہ احکام بھی اس قدر واضح اور شفاف ہیں کہ اس میں مزید کسی وضاحت اور توضیح تفسیر کی ضرورت نہیں یہ الگ بات ہے کہ بسااوقات بعض کم علموں کو پرانے احکامات نئے حالات کے مطابق نظر نہیں آتے تو وہ بجائے اپنی کم علمی اور کم فہمی اور بد عقلی کا اعتراف کرنے کے شریعت مطہرہ پر اعتراضات کرتے ہیں ایک ایک بالشت زبان نکال کر بے چارے ہلکان ہو رہے ہوتے ہیں۔

تو ہر دور کے علماء کرام نقل و عقل سے ان اعتراضات کی بیخ کنی فرماتے ہوئے اس خدمت کو بھی بصد حسن وخوبی سرانجام دیتے ہوئے نظر آتے ہیں اور اپنے وسیع و عمیق علم کی نظر میں خوب سے خوب تر راہنمائی فرماتے ہیں اور اپنے ذمہ واجب الاداء فریضے کو ادا فرماتے ہیں صحیح معنوں میں العلماء ورثۃ الأنبیاء کے مصداق ٹھہرتے ہیں۔فجزاھم اللہ الحسین الجزاء

شریعت مطہرہ نے ہر عبادت کا الگ نام اور الگ حکم مقرر فرمایاہے عبادات کیا معاملات تک کے الگ الگ نام رکھے ہیں اور ان میں کسی بھی قسم کا اجمال اور ابہام نہیں رکھا بلکہ ہر عبادت کو الگ نام دے کر دوسری عبادت سے اور ہر معاملہ کو الگ نام دے کر دوسرے معاملہ سے الگ کر دیا اور خلط ملط کے دروازے بند کرتے ہوئے امۃ محمدیۃ علی صاحبھا الصلوۃ والسلام پر بہت بڑا احسان کر دیا۔

لہذا یہ ضروری ہے کہ جس عبادت کو حق تعالیٰ شانہ نے جو نام دیا ہے وہ نام اسی عبادت کیلئے استعمال ہو۔ آیئے اب چند عبادات کو اسی اصول کے پیش نظر دیکھتے ہیں۔

مگر اس گفتگو کو شروع کرنے سے پہلے گزارش ہے کہ آپ ضد، تعصب تعنت اور تشدد کی عینک اتار کر میرے مؤقف کو پڑھیں اور ایک ایک لفظ پر توجہ دیں گے تو انشاءاللہ میری بات کو سمجھنے میں مدد ملے گی اور میرا مقصد بھی صرف یہ ہے کہ ہمارے سادہ لوح مسلمان بھائی نام نہاد مفکرین اسلام کے بے تکے اور بے جا پروپیگنڈہ سے متاثر ہو کر حقائق سے دور نکل جائیں۔

یہ حضرت انسان کی کس قدر خوش بختی اور سعادت مندی ہے کہ شریعت مطہرہ نے قرآن وسنت میں تمام عبادات کے نام مسائل،احکام، فضائل ومناقب اور ترک عمل کی صورت میں تحذیرات وتھدیدات اور وعیدوں کو بھی بڑی وضاحت کے ساتھ بیان فرمایاہے۔

مثلاً:

صلوۃ:

صلوۃ یعنی نماز ایک ایسی عبادت کا نام ہے جس کیلئے بدن، کپڑوں اور جگہ کا پاک ہونا قبلہ رو ہونا شرط ہے اور جس میں تکبیر تحریمہ، قیام، رکوع، سجود اور تشہد بھی ہے اور قرآن وسنت میں جو فضائل نماز کیلئے آئے ہیں وہ بھی اسی نماز کیلئے ہیں جس کے اندر یہ ساری چیزیں پائی جائیں۔

صوم:

یعنی روز ایک ایسی عبادت کا نام ہے جس میں صبح صادق سے لے کر غروب آفتاب تک روزے کی نیت کے ساتھ کھانے پینے اور بیوی سے ہمبستر ہونے سے رکنا ہے اور روزے پر جو فضائل بیان ہوئے ہیں وہ بھی سب اسی روزے کیلئے ہیں۔

حج:

ایک ایسی عبادت کا نام ہے جس میں احرام تلبیہ طواف کعبہ، وقوف عرفہ، وقوف مزدلف، رمی جمار حلق وقصر اور سعی بین الصفاء والمروہ ہے اسی پر حج کے فضائل وارد ہوئے ہیں۔

جہاد فی سبیل اللہ :

ایک ایسی عبادت ہے جس میں بدن کی ورزش، تیر، تلوار، نیزہ، زرہیں، خود، گھوڑے اور موجودہ زمانے کے اعتبار سے جس میں گن، پسٹل، گرنیڈ، ٹینک، توپیں، جنگی جہاز اور بارود وغیرہ سب کچھ شامل ہے۔ جس میں مسلمان کافروں کو قتل کرتے ہیں تو غازی کہلاتے ہیں، کافروں کے ہاتھوں قتل ہوتے ہیں تو شہید کہلاتے ہیں، کافروں کے مال کو چھینتے ہیں تو بطو غنیمت کے پاکیزہ رزق سمجھ کر کھاتے ہیں اور نعمت خداوندی سمجھ کر استعمال کرتے ہیں، مردوں کو زندہ پڑتے ہیں تو غلام بناتے ہیں اور عورتوں کو زندہ پکڑتے ہیں تو باندیاں بنا کر بغیر نکاح ان سے لذت جماع حاصل کرتے ہیں اور یہ سب اللہ تعالیٰ کی طرف سے مسلمانوں کیلئے انعامات ہیں۔

اسی طرح شریعت مطہرہ نے ان عبادات میں (جو کہ دین اسلام کی روح ہیں اوران کے بغیر مذہب کا تصور بھی بے حقیقت اور بے معنی سی چیز بن جاتی ہے) بعض عبادات کو بعض دوسری عبادات پر فضیلت دی ہے اگر چہ فی نفسہ ہر عبادت کو اپنے اپنے مقام اور محل، اپنے اپنے وقت اور موقع پر ادا کرنا ہی اصل فضیلت کی چیز اور حصول کمال کا ذریعہ ہے۔

مگر یہ بات تو بڑی بدیہی اور واضح ہے کہ کسی بھی عبادت کے اجر و ثواب میں کمی بیشی کا عمومی معیار تو اس عبادت میں مشقت اور عدم مشقت ہی ہے۔ لیکن جس تدریسی عبادت میں مشقت اور تکلیف زیادہ ہو گی اسی کے بقدر اس کا اجر و ثواب بھی بڑھتا چلا جائے گا اور دنیا میں سب سے قیمتی چیز مادیات میں نفس انسانی یعنی حضرت انسان کی جان اور پھر اس کے بعد مال ہے جس سے یہ بات بخوبی معلوم ہو سکتی ہے کہ جس عمل میں جان و مال کی قربانی ہو گی وہ عمل بھی باقی تمام اعمال سے فضیلت میں بڑھ کر ہو گا اور اس کا مقام اور مرتبہ بھی دوسرے اعمالِ شریعت سے کہیں زیادہ ہو گا۔

اب آیئے دیکھیں کہ وہ کونسا عمل ہے جس میں نفس انسانی اور مال خرچ ہوتا ہے؟ تو ہمیں یہ عمل جہاد ہی نظر آتا ہے جس میں کہیں تو جان کی ضرورت زیادہ اور کہیں مال کی ضرورت زیادہ ہوتی ہے یعنی موقع کے مناسب یا یوں کہہ لیں کہ انسانی طبعیتوں کے موافق کسی کے نزدیک جان مال سے قیمتی اور کسی کے ہاں مال جان سے زیادہ قیمتی کوئی تو جان لٹاتا ہے مال کی خاطر اور کوئی مال لاتا ہے جان کی خاطر۔ اسی بنا پر قرآن کریم نے بھی جہاد فی سبیل اللہ کو بیان فرماتے ہوئے کہیں تو جان کو مقدم فرمایا اور کہیں مال کو مقدم فرمایا ہے۔ جہاد فی سبیل اللہ میں چونکہ قیمتی ترین دونوں چیزیں یعنی جان و مال خرچ ہوتی ہیں تو شریعت مطہرہ نے اس مبارک عمل کو "ذروۃالسنام الدین" یعنی دین اسلام کی کوہان قرار دیا۔ یعنی جس طرح اونٹ کے پورے جسم میں کوہان کو باقی تمام اعضاء پر فوقیت ہوتی ہے بلندی میں اسی طرح جہاد کو شریعت کے تمام اعمال میں بلند مقام و مرتبہ حاصل ہے۔

اور جہاد فی سبیل اللہ میں ایک دن یا ایک رات بلکہ ایک صبح یا ایک شام کو دنیا و مافیہا سے بہتر فرمایا "لغدوۃ اوروحة فی سبیل اللہ خیرمن الدنیا ومافیھا" ایک دن، رات کے پہرے کو مہینہ کے دن کے روزوں اور رات کے قیام سے افضل قرار دیا۔ رباط یوم ولیلة فی سبیل اللہ خیرمن صیام شھرو قیامه-اس مبارک عمل میں جاگنے والی آنکھ کو اللہ کے خوف سے رونے والی آنکھ کے مساوی قرار دے کر اس پر جہنم کے حرام ہونے کا پروانہ جاری کیا گیا۔ "عینان لا تمسھما النار عین بکت من خشیة اللہ و عین باتت تحرس في سبیل اللہ،، اس مبارک عمل میں چلنے والے ایک تیر تین تین آدمیوں کیلئے جنت کی بشارت سنائی گئی ہے۔ "إن اللہ یدخل بالسھم الواحد ثلاثة نفرفی الجنة "تیر کو خیر کی نیت سے بنانے والا اور تیر کو چلانے والا اور تیر کو درست کرنے والا "صانعه یحتسب في صنعته الخیر والرامی به ومنبله" اس

مبارک عمل میں حرکت کرنے والی تلواروں کے سایہ میں سجی ہوئی جنت دکھائی گی"واعلموا أن الجنة تحت ظلال السیوف"

اس مبارک عمل میں ایک منٹ شرکت کرنے والے کو جنت الاٹ کر دی جاتی ہے۔"من قاتل في سبیل الله فواق ناقة وجبت له الجنة" میدان جنگ کے قیام کو گھر کی ساٹھ سالہ بے ریا عبادت سے افضل قرار دیا گیا۔"ولمقام أحدکم في الصف خیرمن صلوة ستین سنة"اس مبارک عمل میں بہنے والے خون سے روز قیامت مشک کی خوشبو کی نوید سنائی گئی۔"ما من أحد یکلم الاجاء یوم القیامة کھیئتہ لونه لون الدم وریحه ریح المسک "

اس مبارک عمل میں چلنے والی تلوار جہاں دنیا کو کفر سے صاف کرتی ہے وہاں تلوار چلانے والے کو بھی تمام گناہوں سے پاک وصاف کر دیتی ہے۔" السیف محاء لذنوب، صرف گناہوں سے پاک ہی نہیں کرتی بلکہ قاتل مسلمان اور مقتول کافر کو الگ کر دیتی ہے اور ایسا الگ کرتی ہے کہ یہ دونوں آخرت میں بھی کبھی جمع نہ ہوں گے۔ کافر تو قتل ہو کر جہنم میں جلے گا اور مسلمان قتل کر کے جنت کا مستحق ٹھرے گا۔"لا یجتمع الکافرو قاتلہ في النار ابدا "

بلکہ اگر مسلمان خود کافر کے ہاتھ سے قتل ہو جائے تو سبحان اللہ پھر بھی کامیابی اور کیسی کامیابی کہ خون کا پہلا قطرہ گرنے سے تمام گناہوں کی معافی کا اعلان۔"یغفرلہ فی اول دفعة من دمہ"روح نکلنے سے پہلے جنت کے محل کی زیارت"ویرٰی مقعده من الجنة " قبر کے عذاب سے نجات" ویجارمن عذاب القبر "حشر کی ہولناکیوں سے برات"ویأمن من الفرع الأکبر" ،خوبصورت ایمان کا لباس"ویحلی حلة الإیمان" حورعینا یعنی گوری گوری اور موٹی آنکھوں والی حور سے شادی۔"یزوج من الحور العین"خود تو جنت میں جائے گا ہی وتو اس کا مقدر ہے، اپنے رشتہ داروں میں سے ایسے ۷۰ فاسق فاجر گناہ گاروں کیلئے جنت کی سفارش اور شفاعت کر سکے گا جن پر جہنم واجب ہو چکی ہو گی اور شفاعت کبھی قبول۔" ویشفع في سبعین انسانا من اقاربه"

خلاصہ کلام :

سنئے۔ امام ابن تیمیہ علیہ الرحمہ کے قلم سے"جهاد الکفار من أعظم الأعمال بل هوا فضل ما تطوع به الانسان " کفار سے جہاد کرنا عظیم ترین اعمال میں سے ہے بلکہ فرائض کے ماسوا انسان جو اعمال کرتا ہے ان میں یہ سب سے افضل ہے۔(مجموع فتاوی شیخ الاسلام احمد ابن تیمیہ ۱۱/۱۹۷)

ان فضائل کے علاوہ اس مبارک عمل کو ایمان اور نفاق کا معیار قرار دیا۔"ولیعلم المؤمنین ولیعلم الذین انافقوا (الایة) اور ایسے شخص کو موت سے قبل دردناک مصیبت کی وعید سنائی گئی ہے جو نہ تو یہ مبارک عمل کرے اور نہ ہی اس عمل میں شریک غازي اسلام کے گھر کا خیال رکھے اور نہ ہی غازی اسلام کی معاونت کرے۔"من لم يغزاويجهز غازيا أويخلف غازيا في أهله بخير اصابه الله بقارعة قبل يوم القيامة"

جو شخص اس مبارک عمل میں نہ شریک ہوا اور شرکت کا ارادہ کے بغیر ہی مر جائے اس کی موت کو منافقت کی موت قرار دیا گیا۔

"من مات ولم يغز ولم يحدث به نفسه مات على شعبة من نفاق"

اور جو جہاد کے زخم یا جہاد کے کسی عمل میں شرکت کے بغیر دنیائے فانی سے رخصت ہو گیا اس کے بارے میں اعلان کیا گیا کہ روز محشر دربار عالی میں یوں حاضر ہو گا کہ اس کے بدن پر ایک عیب ہو گا یا اس کے دین میں نقص ہو گا۔

من لقى الله بغير اثر من جهاد لقى الله وفيه ثلمة

آمدم بر سر مطلب :

اس مختصر سی تحریر سے میرا مقصد جہاد فی سبیل اللہ کے مناقب و فضائل کو بیان کرنا نہیں بلکہ ان چند ایک فضائل اور وعیدوں سے صرف اس طرف اشارہ کرنا مقصود ہے کہ یہ عمل شریعت مطہرہ کی نظر میں کس قدر عظیم ہے لہذا اس مبارک عمل میں شریک خوش قسمت انسانوں بلکہ امت محمد علی صاحبها الصلوة والسلام کے سپوتوں پر جس قدر رشک کیا جائے کم ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے ہم کو بھی اس سے وافر حصہ عطا فرمائے۔

آمين يا رب العالمين

جہاد اور لغتِ عرب

لفظ جہاد چونکہ عربی لفظ ہے اور لغتِ عرب میں اس کا معنیٰ کوشش کرنا، خوب جدوجہد کرنا ہے اور میں یہ بھی تسلیم کرتا ہوں کہ قرآن کریم نے بھی بعض مقامات پر اس لغوی معنیٰ میں استعمال فرمایا ہے بلکہ شریعت مطہرہ نے بسااوقات جہاد فی سبیل اللہ کی اہمیت و عظمت کے پیش نظر ترغیب دینے کیلئے بعض دوسری عبادات پر مجازاً لفظِ جہاد کا اطلاق کیا، تو اس سے کم علم بلکہ (معذرت کے ساتھ عرض کرتا ہوں کہ) بعض اصحابِ علم و اصحابِ قلم حضرات کو بھی اس سے اشتباہ پیدا ہوگیا اور انہوں نے دین کے ہر ایسے کام کو جس میں معمولی سی مشقت، کوشش اور جدّوجہد نظر آئی اسے جہاد قرار دے دیا۔ حالانکہ یہ سراسر ناانصافی اور زیادتی ہے، کیونکہ جب شریعتِ مطہرہ نے ہر عمل اور ہر عبادت کے لئے اسکے مناسب الگ نام تجویز فرمادیئے، تو ہم کو کیا ضرورت پیش آئی کہ ہم خواہ مخواہ اعمال و عبادات کے نام اور احکام کو آپس میں خلط ملط کریں۔

دیکھیئے! اگر کوئی مزدور جون کی گرمی یا اگست کی حبس میں لوہے کی فیکٹری یا اینٹوں کے بھٹہ پر کام کرتا ہے، یا کوئی کسان سخت گرمی کے موسم میں گندم وغیرہ کی کٹائی کرتا ہے اور پیاس کی شدت کو برداشت کرتا ہے اور بھوک کی سختیاں جھیلتا ہے، مگر اس کے باوجود نمازت و کیا رمضان کے روزہ کو بھی قضاتک کرنا گوارہ نہیں کرتا۔

یا کوئی تاجر بے ایمانی اور سود خوری کے سمندر میں خود کو بچا رہا ہے، اور بازار کی غلاظت و گندگی میں نظروں کی حفاظت کررہا ہے اور سخت مشغولیت و مصروفیت کے وقت ظہر یا عصر کی اذان سنتے ہی دکان بند کرکے اللہ تعالیٰ کے دربار (مسجد) میں حاضری دے رہا ہے۔

یا کوئی شخص سردی یا سخت گرمی کے موسم میں کاندھے پر بستر اٹھائے اپنے خرچ پر گھر سے بے گھر سفر میں ،دل میں اللہ کے دین کی فکر اور زبان پر اللہ کا ذکر لئے ہوئے گناہگار انسانیت کا تعلق مخلوق سے کاٹ کر خالق سے جوڑنے کے لئے سرگرمِ عمل ہے اور لوگوں کی کڑوی کسیلی باتیں اور کہیں سخت تذلیل تک برداشت کرتے ہوئے اپنے کام کو جاری رکھے ہوئے ہے اور حالات کے مدمقابل
اللہ تعالیٰ کی نصرت کی امید کرتے ہوئے گھر گھر دین کی دعوت کو لئے جارہا ہے۔

یا کوئی مسلمان بہن یورپ کے غلیظ، ننگے اور بدبودار ماحول میں حالات سے ٹکراتی ہوئی پردہ کررہی ہے اور اپنی عزت کے تحفظ کے لئے دنیا بھر کی ناراضگی برداشت کررہی ہے اور گناہ کی آلودگی سے خود کو بچارہی ہے اور قدم قدم پر آنے والی رکاوٹوں کو عبور کرتے ہوئے، ایک اللہ کی رضامندی کی خاطر دنیا بھر کی ناراضگی مول لے

رہی ہے۔ تو بے شک یہ کارنامے قابل صد تحسین ہیں قابلِ رشک اور قابلِ قدر بلکہ قابلِ تقلید ہیں، یہ بہت بڑی قربانی ہے، بہت بڑا مجاہدہ ہے، بڑی ہمت کا کام ہے اور ان کے اخلاص اور اس دوہری مشقت اور تکلیف کی وجہ سے ان کا اجر وثواب یقیناً عام نمازی سے زیادہ عام روزے دار سے بڑھ کر، اور عام تاجر سے بہت آگے اور عام عورتوں کے پردوں سے کہیں بڑھ کر ہو گا۔

یہ تاجر اس عمل کی وجہ سے قیامت کے دن انبیاء کے ساتھ ہو گا، بلکہ ممکن ہے کہ ان کا اجر وثواب بسا اوقات مشقت وتکلیف اور اخلاص وللٰہیت کی بناء پر مجاہد اور غازی سے بھی آگے نکل جائے۔

مگر ان سب کے باوجود اس مزدور اور کسان کی عبادت، روزے اور تاجر کی نماز اور اس داعی کی دعوت وتبلیغ یا عورت کی پاکدامنی وپردہ کو ہم جہاد کا نام دے دیں یہ ناممکن ہے۔ ان سب حالات کے باوجود پردہ پردہ ہی رہے گا روزہ روزہ اور نماز نماز اور دعوت دعوت ہی رہے گی۔

ان حضرات کے ان مبارک اعمال کو جہاد فی سبیل اللہ کا نام دینا، یہ شریعت کے ساتھ زیادتی اور ناانصافی ہے اور تحریف فی الدین ہو گی جو کہ ایک مسلمان کیلئے ناقابل برداشت ہے، بلکہ ہم جہاد فی سبیل اللہ کا نام صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کے راستے میں کافروں کو قتل کرنے اور خود قتل ہونے کو دیں گے یا ایسے انفاقِ مال اور دعوت کو جو کہ اس قتال فی سبیل اللہ کے لئے معاون ثابت ہو۔

حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا رحمہ اللہ کا مکتوب

میرا ذاتی خیال نہیں ہے بلکہ ہمارے اکابر کا مسلک اور شریعت حقّہ کا فیصلہ ہے اور مزید اس کی وضاحت کے لئے حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا کاندھلوی رحمت اللہ علیہ کے ایک مکتوب کو پیش کرتا ہوں۔ جس کا پس منظر مختصر سا ذہن میں رکھ لیں۔ مدرسہ مظاہر العلوم سہارنپور کے ایک مدرس ابوالاعلی مودودی سے متاثر ہو کر جماعت اسلامی میں شامل ہو گئے تھے حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ نے ان کی اصلاح کیلئے ایک مکتوب گرانی تحریر فرمایا جس میں ابوالاعلی مودودی کے نظریات وافکار کو تفصیل کے ساتھ بیان فرمایا مکتوب اگرچہ بہت طویل ہے مگر مودودی کے نظریات کو سمجھنے کیلئے بہت مفید ہے۔ جو حضرات مکمل مکتوب دیکھنا چاہتے ہیں وہ صوفی محمد اقبال ہوشیار پوری خلیفہ خاص حضرت شیخ الحدیث رحمہما اللہ تعالی کی کتاب "مودودی اور ان کی تحریرات کے متعلق چند مضامین" پڑھیں بلکہ میرا مشورہ یہ ہے کہ اس کو ضرور پڑھا جائے۔

اس میں حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ مودودی کے نظریہ عبادت کے متعلق تحریر فرمانے کے بعد اس پر تبصرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں

"آپ خود خیال فرمائیں کہ عبادات کے مفہوم کی اہمیت کو ماننے کے باوجود جب وہ عبادات کو غیر عبادات کے ساتھ خلط ملط کر دیں گے تو عبادت کا مفہوم اور اس کی اہمیت جماعت میں کیسے باقی رہ سکتی ہے میری نگاہ میں یہ چیز بہت اہم ہے جب لوگوں کی نگاہ سے عبادات کا تمیّز اور تشخص جاتا رہے گا تو عبادات کی اہمیت قطعاً جاتی رہے گئی"۔

اب اس کو ملاحظہ فرمائیں کہ وہ (یعنی مودودی) عبادات کی نئی تفسیر کیا کرتے ہیں۔ وہ لکھتے ہیں "غلط کہتا ہے جو کہتا ہے کہ عبادت صرف تسبیح و مصلّی و مسجد اور خانقاہ تک محدود ہے۔ مومن صالح صرف اس وقت اللہ کا عبادت گزار نہیں ہوتا جب وہ دن میں پانچ وقت نماز پڑھتا ہے اور بارہ مہینوں میں ایک مہینہ کے روزے رکھتا ہے اور سال میں ایک وقت زکوۃ دیتا ہے اور عمر بر میں ایک بار حج کرتا ہے بلکہ در حقیقت اس کی ساری زندگی عبادت ہی عبادت ہے جب وہ کاروبار میں حرام کے فائدوں کو چھوڑ کر حلال کی روزی پر قناعت کرتا ہے تو کیا وہ عبادت نہیں کرتا؟ جب وہ معاملات میں ظلم اور جھوٹ اور فریب اور دغا سے پرہیز کر کے انصاف اور راست بازی سے کام لیتا ہے تو کیا یہ عبادت نہیں ہے۔

بس حق یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے قانون کی پیروی اور اس کی شریعت کی اتباع میں انسان دین اور دنیا کا جو کام بھی کرتا ہے وہ سراسر عبادت ہے حتیٰ کہ بازاروں میں خرید فروخت اور اپنے اہل وعیال میں اسکی معاشرت اور اپنے خالص دنیوی اشغال میں اسکا انہاک بھی عبادت ہے۔ (تفہیمات ص ۵۵)

اس کے بعد حضرت شیخ الحدیث علیہ الرحمۃ کی رائے گرامی ملاحظ فرمائیں

"ظاہری نظر میں یہ مضمون بہترین اور دین کی اہمیت پیدا کرنے والا ہے لیکن آپ نے غور فرمایا کہ اس طرح عبادات کو غیر عبادات کے ساتھ خلط کر دیا گیا حدیث کا ادنیٰ سے ادنیٰ طالب علم بھی یہ فرق ضرور سمجھتا ہے کہ عبادات و معاملات دو چیزیں علیحدہ علیحدہ ہیں کتب حدیث و فقہ میں اوّل سے آخر تک ساری کی ساری اس فرق سے لبریز ہیں کہ عبادات و معاملات دو علیحدہ چیزیں ہیں اگر حدودال کی رعایت ہو اور اللہ کی رضا اس میں ملحوظ ہو تو اس کی وجہ سے ان پر عبادات کی طرح ثواب مل جانا امر آخر ہے اور ضرور ملتا ہے اور اس اجر وثواب کی وجہ سے نصوص میں ان پر کہیں کہیں عبادات کا مجازاً اطلاق بھی کر دیا گیا ہے لیکن کیا اس وجہ سے کہ ان پر بھی اجر مل جاتا ہے وہ عبادات کے مفہوم میں داخل ہو جائیں گے یہ ایسا ہے جیسا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

من جهاز غازيا في سبيل الله فقد غزا ومن خلف غازياًفى اهله فقدغزا(مشکوۃ)

(یعنی جس شخص نے جہاد کرنے والے کا سامان درست کیا پس وہ بھی جہاد کرنے والا ہے اور جو مجاہد کے اہل وعیال کی خیر وخبر رکھے اور ان کا خدمت گزار بنا رہے پس اس نے بھی تحقیق جہاد کیا۔)

کیا کوئی حدیث پر ادنی نظر رکھنے والا بھی اس حدیث سے یہ سمجھے گا کہ کسی مجاہد کی مدد کرنا یا اس کے اہل وعیال کی خبر لینا حقیقی جہاد ہے"۔

اللہ جل شانہ کا ارشاد ہے" إِنَّ اللّٰهَ اشْتَرَى مِنَ الْمُؤْمِنِينَ أَنْفُسَهُمْ وَأَمْوَالَهُمْ (الایۃ).

اس آیت شریفہ میں ظاہر ہے کہ بیع وشرا سے حقیقت شرا مراد نہیں ہے بلکہ معنی مجازی مراد ہیں جیسا کہ امام سرخسی رحمۃ اللہ علیہ نے مبسوط صفحہ ۲۴۸، جلد ۲ میں اسکی تصریح کی ہے۔ اسی طرح مجازاً ہر فعل ثواب پر عبادت کا اطلاق اس کی حقیقت شرعیہ کو نہیں بدل سکتا۔

(مودودی صاحب اور ان کی تحریرات کے متعلق چند اہم مضامین صفحہ ۲۱۳، ۲۱۵)

قارئین آپ بنظر غور حضرت شیخ الحدیث رحمۃ اللہ علیہ کی عبارت کو بار بار پڑھیں گے تو انشاء اللہ اس فقیر کا

مؤقف سمجھنے میں ذرا دیر نہ لگے گی۔ میری گزارش ہے کہ میرے موقف کو مد نظر رکھتے ہوئے حضرت شیخ الحدیث رحمۃ اللہ علیہ کی عبارت کے خط کشیدہ الفاظ کو بار بار پڑھیں۔

میں نے بھی یہ عرض کیا ہے کہ کسی دینی کام میں مشقت کی بنیاد پر جہاد کا اجر مل جانا یا اس پر شریعت کا مجازاً جہاد کا اطلاق کر دینا اور ان اعمال کو حقیقی جہاد کے تحت شمار کر تا دونوں الگ الگ چیزیں ہیں۔

اے اللہ ہم سب کو عقل سلیم اور ہمت عطا فرما۔ آمین

دو طبقے

پہلا طبقہ:

یوں تو جہاد فی سبیل اللہ کے مفہوم میں توسیع پیدا کرنے والے دو طبقے ہیں، ایک طبقے کے افراد تو شہوت کے بھوکے، خواہشِ نفس کے غلام، بزدلی کے آخری درجہ پر فائز اور سستی وکاہلی کے مینار، جو خود بھی جہاد کے نام سے ڈرتے ہیں، دوسروں کو بھی ڈراتے ہیں اور قتال کا نام سن کر یوں دوڑتے ہیں جیسے شیطان اذان کی آواز سے ریح خارج کرتا ہوا دوڑتا ہے۔

یہ لوگ اسلام اور مسلمانوں کے بدترین دشمن قرآن وحدیث میں تحریف کرنے والے ملحدین اور منافقین کا وہ ٹولہ ہے، جو اسلام کو مٹانے کیلئے اسلام کا لبادہ اوڑھ کر مسلمانوں کی صفوں میں گھسا ہوا ہے، ان کا بس چلے تو قرآن وسنت سے جہاد کی آیات کو کھرچ کھرچ کر صاف کر دیں، مگر شکر صد شکر کہ قرآن وسنت کے الفاظ اور اس کی تشریح کی حفاظت کا وعدہ تو اللہ رب العزت خود لے چکے ہیں۔

مگر اس سب کچھ کے باوجود ان کی بھی یہ خواہش ہے کہ، ان کو اسلام کا ہیرو، اسلام کے مفکّر اور مدبّر کے نام سے پکارا جائے اور ان کی مساعیِ خبیثہ کو مسلمانوں کیلئے روشنی کا مینار قرار دیا جائے اور جو جوتوں کے لائق ہیں ان کو امت کا راہنما تسلیم کر لیا جائے اور ان کی تخریبی شرارتوں کو تجدیدی کارناموں سے یاد کیا جائے، بلکہ ان کو اپنا قائد تسلیم کر کے ان کے گلے میں ہار ڈال کر فاتحین اسلام کی طرح ان کا ہر جگہ استقبال کیا جائے مگر۔

این خیال است ومحال است وجنوں

ان کے بارے میں ہی کہا جا سکتا ہے۔

(لَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ يَفْرَحُوْنَ بِمَا اَتَوْ وَيُحِبُّوْنَ اَنْ يُّحْمَدُوْا بِمَالَمْ يَفْعَلُوْا فَلَا تَحْسَبَنَّهُمْ بِمَفَازَةٍ مِّنَ الْعَذَابِ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ (آل عمران ، آیت ۱۱۸)

ترجمہ: تو نہ سمجھ کہ جو لوگ خوش ہوتے ہیں اپنے کئے پر اور تعریف چاہتے ہیں بن کئے پر۔ سو مت سمجھو ان کو کہ چھوٹ گئے عذاب سے اور ان کے لئے عذاب ہے دردناک۔

اس آیت کی تفسیر میں شیخ الاسلام مولانا شبیر احمد عثمانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں یہود مسئلے غلط بتاتے، رشوتیں کھاتے اور پیغمبر ﷺ کی صفات وبشارات جان بوجھ کر چھپاتے تھے پھر خوش ہوتے کہ، ہماری

چالاکیوں کو کوئی پکڑ نہیں سکتا اور امید رکھتے کہ ہماری تعریف کریں کہ، بڑے عالم اور دیندار حق پرست ہیں۔

دوسری طرف منافقین کا حال بھی ان کے مشابہہ تھا، جب جہاد کا موقع آتا، گھر میں چھپ کر بیٹھ رہتے اور اپنی اس حرکت پر خوش ہوتے کہ، دیکھو کیسے جان بچائی۔ جب حضور ﷺ جہاد سے واپس تشریف لاتے تو غیر حاضری کے جھوٹے عذر پیش کرکے چاہتے کہ، آپ سے اپنی تعریف کرائیں۔

ان سب کو بتلا دیا گیا کہ، یہ باتیں دنیا و آخرت میں خدا کے عذاب سے چھڑا نہیں سکتیں۔ اوّل تو ایسے لوگ دنیا میں فضیحت ہوتے ہیں اور کسی وجہ سے یہاں بچ گئے تو، وہاں کسی تدبیر سے نہیں چھوٹ سکتے۔

تنبیہ:

اس آیت میں گو تذکرہ یہود و منافقین کا ہے، لیکن مسلمانوں کو بھی سنانا ہے کہ، برا کام کرکے خوش نہ ہوں بھلا کام کرکے اترائیں نہیں اور جو کام اچھا کیا نہیں، اس پر تعریف کے امیدوار نہ رہیں، بلکہ کرنے کے بعد بھی مدح سرائی کی ہوس نہ رکھیں۔ (تفسیر عثمانی آل عمران)

ان کی اس غلط فکری اور غلط سمت پر محنت کا نتیجہ یہ نکلا کہ، ہر آدمی اپنی دنیا میں مجاہد بنا ہوا ہے، جو دو لفظ تقریر کے بول لیتا ہے، کہتا ہے میں بھی مجاہد ہوں، جو دو صفحہ کسی کتاب کا لکھ لیتا ہے، کہتا ہے میں بھی مجاہد ہوں، جو ٹیکسی چلاتا ہے، وہ کہتا ہے کہ میں بھی مجاہد ہوں، جو بچے پالتا ہے وہ کہتا ہے کہ یہ بھی جہاد ہے۔

سمجھ نہیں آتا کہ، پوری امت جہاد میں مصروف ہے، پھر بھی امت پر ذلت اور پستی گر رہی ہے، جبکہ جہاد کے ساتھ عزت مشروط ہے کہ، جہاد ہو تو عزت ملتی ہے جہاد ہو تو، امت کو خلافت ملتی ہے، آج ہر طرف مجاہد ہی مجاہد ہیں، کوئی خود کو جہاد کے نیچے درجے پر رکھنے کیلئے تیار نہیں ہے، اس کے باوجود امت مظلوم کیوں ہے؟ کھوپڑیاں کیوں اڑ رہی ہیں؟ قرآن مجید کو کیوں جلایا جا رہا ہے؟ مساجد کو کیوں شہید کیا جا رہا ہے؟ مسجد اقصیٰ یہودیوں کے قبضہ میں کیوں ہے؟ حرمین شریفین کے گرد امریکی اور یہودی فوجوں نے کیوں ڈیرے ڈال رکھے ہیں؟ مسلمان اپنے ملک میں بھی اپنے فیصلوں میں آزاد کیوں نہیں؟۔

اس طبقہ سے میری بحث ہے، نہ غرض، اور نہ ہی یہ میرے مخاطب، کیونکہ یہ خواہش کے بندے اور نفس کے غلام ہیں، ان کو سمجھانا میرے قلم کی طاقت سے باہر ہے، بس اللہ کے حضور سر بسجود دعا گو ہوں کہ، اللہ تعالیٰ سب کو راہِ حق دکھائے اور اس پر چلائے۔

دوسرا طبقہ:

ہاں البتہ ایک دوسرا طبقہ ایسا بھی ہے، جو کہ مخلص، دین کا درد رکھنے والا جہاد اور مجاہدین سے محبت، بلکہ عقیدت رکھتا ہے۔ جن کے اخلاص پر شبہ کرنا بھی، شاید اپنے ایمان سے ہاتھ دھونے کے مترادف ہو گا،
یہ لوگ اگر چہ میدان جہاد سے دور ہیں، مگر ان کے دل ہر وقت مجاہدین کے ساتھ دھڑکتے ہیں اور اگر ان کی علمی، اصلاحی و دینی مصروفیات مشغولیات نہ ہوتیں، تو شاید بلکہ یقیناً یہ لوگ صف اوّل کے مجاہد ہی نہیں، بلکہ مجاہدین کے قائدین کا کردار ادا کرتے، ان کی علمی واصلاحی کوششیں یقیناً دین اسلام کے ہر شعبے کیلئے نہایت ہی قابل قدر ہیں، اور خود جہاد و مجاہدین کے لئے فائدہ مند ہیں۔
اللہ تعالیٰ ان حضرات کے اخلاص، تقویٰ اور علمی و اصلاحی کاوشوں سے مجھے بھی وافر حصہ عطا فرمائے ۔ آمین۔ ان کی جوتیاں میرے سر کا تاج، پاؤں کی خاک میری آنکھوں کا سرمہ، ان کی دعائیں اور توجہات ہی، میرے بلکہ عالم اسلام کے لئے سرمایہ ہیں۔
لہٰذا ایسے اصحابِ علم و اصحابِ قلم حضرات کے موقف کو جھٹکنے کے انداز سے مسترد کر دینے کے بجائے، ان کی ذہنی الجھن کو سامنے لا کر دلیل و منطق سے صاف کرنے کی ضرورت ہے۔ اور اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا ہوں کہ، مجھے اپنے اس موضوع کو اپنے فضل و کرم سے پایہ تکمیل تک پہنچانے کی توفیق دے اور مجھے میرے مقصد میں کامیابی عطا فرمائے اور میری اس حقیر محنت کو اپنے دربارِ عالی میں محض اپنے فضل و کرم سے قبول فرما کر امت مسلمہ کے لئے نافع بنائے۔ آمین۔ یَارَبَّ الْعٰلَمِیْنَ۔
میں سب سے پہلے میں اپنے دعوے کو پیش کرتا ہوں، پھر اس پر دلائل پیش کروں گا اور پھر ترتیب وار اعتراضات کو ذکر کرنے کے بعد ان کے تفصیلی جوابات تحریر کروں گا ان شاء اللہ۔

دعویٰ

جہاد فی سبیل اللہ صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کے راستہ میں قتل و قتال کا نام ہے، یا ہر وہ عمل جو کہ قتال فی سبیل اللہ کا باعث ہو اور اس سے قتال فی سبیل اللہ ہی کی تائید ہو، خواہ وہ زبان سے ہو یا قلم سے یا مال سے۔ لہٰذا اگر کسی شخص کا قلم اس لئے حرکت کرتا ہے کہ، اس سے معرکہ حق و باطل کی منظر کشی ہو۔ میدان جنگ کیلئے مجاہدین تیار ہوں اور مجاہدین کی حوصلہ افزائی ہو، کفار کی حوصلہ شکنی ہو غازیوں اور شہداء کے حالات امت اسلامیہ تک پہنچائے جارہے ہوں، تو یہ قلم کی حرکت بھی یقیناً جہاد فی سبیل اللہ کی حد میں ہو گی۔

اسی طرح اگر زبان اس لئے چل رہی ہے کہ، اس سے امت مسلمہ کے دلوں میں جذبات کا طوفان پیدا کرکے، نوجوان طبقہ کو میدان جہاد کی طرف راغب کیا جائے اور نظم و نثر شعر و شاعری اور تقریر و خطابت کے ذریعہ مسلمانوں کے خون کو گرم کیا جائے تو، یہ بھی یقیناً جہاد ہی کا ایک شعبہ ہو گا۔

اور اسی طرح اگر مال کے ذریعہ اسلحہ کی خریداری، مجاہدین کیلئے لباس و خوراک کا بندوبست غازیوں و شہیدوں کے گھروں کی دیکھ بھال کی جارہی ہو تو یہ بھی بلا شک و شبہ جہاد ہی شمار ہو گا، مگر ان میں شرط یہ ہے کہ یہ سب کچھ امیر کی اطاعت میں ہو، ورنہ تو ان پر جہاد کا اجر تو مل سکتا ہے اور مجازاً ان کو جہاد کہا جاسکتا ہے، مگر حقیقی جہاد تو ان کو بھی شمار نہیں کا جاسکتا۔ اور اگر قلم کے ذریعہ دین اسلام کے مختلف مضامین تحریر کئے جارہے ہوں، اور یا زبان کو امت کی اصلاح اور راہنمائی کیلئے استعمال کیا جارہا ہو، یا مال کے ذریعہ مدارس کی تعمیر و ترقی اور یتامیٰ و مساکین اور بیوگان کی مدد کی جارہی ہو تو، اس کو ایک نیک کام تو کہا جاسکتا ہے اور یقیناً ہے، مگر ان کو جہاد فی سبیل اللہ ہر گز ہر گز شمار نہیں کیا جاسکتا۔

اَللّٰھُمَّ اَرِنَا الْحَقَّ حَقًّا وَّارْزُقْنَا اتِّبَاعَہٗ وَاَرِنَا الْبَاطِلَ بَاطِلاً وَّارْزُقْنَا اجْتِنَابَہٗ

دلائل

دلیل نمبر ۱:

لَا یَسْتَوِی الْقَاعِدُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ غَیْرُ اُولِی الضَّرَرِ وَالْمُجَاہِدُوْنَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ بِاَمْوَالِھِمْ وَاَنْفُسِھِمْ ط فَضَّلَ اللّٰہُ الْمُجَاہِدِیْنَ بِاَمْوَالِھِمْ وَاَنْفُسِھِمْ عَلَی الْقَاعِدِیْنَ دَرَجَۃً ط وَکُلًّا وَّعَدَ اللّٰہُ الْحُسْنٰی وَفَضَّلَ اللّٰہُ الْمُجَاہِدِیْنَ عَلَی الْقَاعِدِیْنَ اَجْراً عَظِیْماً۔دَرَجٰتٍ مِّنْہُ وَمَغْفِرَۃً وَّرَحْمَۃً وَّکَانَ اللّٰہُ غَفُوْرًا رَّحِیْماً (النساء آیات:۹۵)

ترجمہ: برابر نہیں وہ مسلمان جو بلا عذر کے گھر میں بیٹھے رہیں اور وہ لوگ جو اللہ کی راہ میں اپنے مال و جان سے جہاد کریں۔ اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کا درجہ بہت بلند کیا ہے جو اپنے مال و جان سے جہاد کرتے ہیں بہ نسبت گھر

بیٹھنے والوں کے، اور سب سے اللہ تعالیٰ نے اچھے گھر کا وعدہ کر رکھا ہے اور اللہ تعالیٰ نے مجاہدین کو بمقابلہ بیٹھنے والوں کے اجر عظیم دیا ہے یعنی بہت سے درجے جو خدا کی طرف سے ملیں اور مغفرت اور رحمت اور اللہ بڑی مغفرت والے رحمت والے ہیں۔

اس آیت کریمہ میں دو قسم کے لوگوں کا ذکر فرمایا ہے قاعدون (بیٹھنے والے)، مجاہدون (جہاد کرنے والے)۔ اب مجاہدون کو قاعدون کے مقابلہ میں ذکر کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ، جہاد کا معنی صرف قتال کرنا ہے، کیونکہ قاعدون میں وہ سب لوگ شامل ہیں، جو دین کا کوئی بھی کام کرتے ہیں، مگر جہاد یعنی قتال نہیں کرتے، خواہ وہ تدریس میں یا تصنیف میں مشغول ہوں، وہ خانقاہ میں ضربیں لگا رہے ہوں یا گھر گھر جا کر نماز و روزہ کی دعوت دے رہے ہوں۔

اسلئے میں بطور خاص ان حضرات سے گزارش کروں گا، جو کہ دعوت و تبلیغ کا کام کر رہے ہیں اور ماشاء اللہ بہت نیک کام میں مصروف ہیں، مگر وہ اپنے اس کام کو جہاد فی سبیل اللہ بلکہ اس سے بھی بڑا درجہ دیتے ہیں اور دوسرے دین کے کام کرنے والوں، حتیٰ کہ مجاہدین کو بھی اصل دین کی محنت نہ کرنے والا سمجھتے ہیں، کہ وہ اس آیت کی تفسیر کیلئے، حضرت مولانا محمد احتشام الحسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے رسالہ "مسلمانوں کی موجودہ پستی کا واحد علاج" کا ضرور بغور بار بار مطالعہ فرمائیں، یہ رسالہ انہوں نے حضرت جی، مولانا محمد الیاس رحمۃ اللہ علیہ بانی و امیر اوّل تبلیغی جماعت کے حکم پر تحریر فرمایا اور یہ رسالہ اس وقت فضائل اعمال کا باقاعدہ حصہ ہے۔

حضرت مولانا محمد احتشام الحسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں:

اگرچہ اس آیت جہاد سے مراد کفار کے مقابلہ میں سینہ سپر ہونا ہے، تاکہ اسلام کا بول بالا ہو اور کفر و شرک مغلوب و مقہور ہو، لیکن اگر بدقسمتی سے آج ہم اس سعادت عظمیٰ سے محروم ہیں، تو اس مقصد کیلئے جس قدر ہو، جدوجہد ہماری مقدرت اور استطاعت میں ہے، اس میں تو ہرگز کوتاہی نہ کرنی چاہئے۔ پھر ہماری یہی معمولی حرکتِ عمل اور جدوجہد ہمیں کشاں کشاں آگے بڑھائے گی۔

وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا(العنکبوت، آیۃ(۶۹)

یعنی جو لوگ ہمارے دین کے لئے کوشش کرتے ہیں ہم ان کے لئے اپنے راستے کھول دیتے ہیں۔

اوپر خط کشیدہ عبارت کے الفاظ پر ایک بار پھر غور فرمائیں۔

اللہ تعالیٰ ہمیں سمجھ عطا فرمائے کہ، بزرگ تو جہاد کو سعادت عظمیٰ اور اس دعوت والے کام کو معمولی حرکت قرار دیتے ہیں اور ہم اس کو پورے دین کی دعوت، اصل کام اور ترتیبِ نبوت اور نہ معلوم کیا کیا القابات دیتے ہیں۔

اور ہمارے بزرگ، جس کو سعادت عظمیٰ فرماتے ہیں، ہم اسی سے بھاگتے ہیں اور دوسرے کو بھی اس کے قریب نہیں جانے دیتے۔ مزید آگے چل کر آیت "یَآاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا هَلْ اَدُلُّکُمْ" کے تحت فرماتے ہیں دوسری چیز جو ہم سے مطلوب ہے، وہ جہاد ہے اور جہاد کی اصل اگرچہ کفار کے ساتھ جنگ اور مقابلہ ہے، مگر در حقیقت جہاد کا منشاء بھی اعلاءِ کلمۃ اللہ ہے اور احکامِ خداوندی کا نفاذ اور اجراء ہے، اور یہی ہماری تحریک کا مقصدِ اصلی ہے۔

دلیل نمبر ۲

عَنْ بَشِیْرِا بْنِ الخَصَاصِیَّةِ رَضِیَ اللهُ عَنْهُ قَالَ اَتَیْتُ رَسُوْلَ اللهِ ﷺ لِاُ بَایِعهُ فَقُلْتُ عَلاَمَ تُبَایِعُنِی یَارَسُوْلَ اللهِ فَمَدَّ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ یدهُ فَقَالَ تَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلاَّ اللهُ وَحْدَهُ لَا شَرِیْکَ لَهٗ وَاَنَّ مُحمَّدًاعَبْدُهُ وَرَسُوْ لُهُ وَتُصَلِّیَ الصَّلَوٰاتِ الخَمْسَ لِوَقْتِهَا وَتُؤَدِّیَ الزَّکٰاةَالمَفْرُوْضَةَوَ تَصُوْمَ رَمَضَانَ وَتَحُجَّ الْبَیْتَ وَتُجَاهِدَ فِیْ سَبِیْلِ اللهِ فَقُلْتُ یَا رَسُوْلَ اللهِ کُلًّا اُطِیْقُ اِلَّا اثْنَتَیْنِ فَلَا اُطِیْقُهُمَا الزَّکَاةَ وَاللهِ مَالِیْ اِلَّا عَشْرُ ذُوْدٍ هُنَّ رِسْلُ اَهْلِیْ وَحُمُوْلَتُهُنَّ وَاَمَّا الْجِهَادُفَاِنِّیْ رَجُلٌ جُبَّانٌ وَیَزْعُمُوْنَ مَنْ وَّلّٰی فَقَدْ بَآ ءَ بِغَضَبٍ مِّنَ اللهِ وَاَخَافُ اِنْ حَضَرَ الْقِتَالُ اَنْ اَخْشَعَ بِنَفْسِیْ فَاَفِرَّ فَابُوْءَ بِغَضَبٍ مِّنَ اللهِ فَقَبَضَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ یَدَهٗ ثُمَ حَرَّکَہَا ثُمَّ قَالَ یَا بَشِیْرُ لَا صَدَقَةَ وَلَا جِهَادَ فَبِمَا اِذَنْ تَدْخُلُ الْجَنَّةَ قُلْتُ یَا رَسُوْلَ اللهِ اُبْسُطْ یَدَکَ اُبَایِعُکَ فَبَسَطَ یَدَهٗ فَبَایَعْتُهٗ عَلِیْهِنَّ کُلِّهِنَّ۔(کنزالعمّال، ج ۲، ص۱۲)

حضرت بشیر بن خصاصیہؓ فرماتے ہیں کہ میں حضور ﷺ سے بیعت ہونے کیلئے، آپ کی خدمت میں حاضر ہوا، میں نے پوچھا یا رسول اللہ (ﷺ) آپ مجھے کن چیزوں پر بیعت فرمائیں گے، آپ ﷺ نے اپنا ہاتھ بڑھایا اور فرمایا تم اس بات کی گواہی دو کہ، اللہ وحدہ لاشریک لہ کے علاوہ کوئی معبود نہیں اور حضرت محمد ﷺ اللہ کے بندے اور رسول ہیں اور پانچوں نمازیں وقت پر پڑھو، فرض زکوٰۃ ادا کرو، رمضان کے روزے رکھو،

بیت اللہ کا حج کرو اور اللہ کے راستہ میں جہاد کرو۔ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ (ﷺ) تمام کام کروں گا، لیکن دو کام نہیں کر سکتا ہوں، ایک زکوٰۃ، کیونکہ میرے پاس دس اونٹ اونٹنیاں ہیں ان کے دودھ پر میرے گھر والوں کا گزارا ہوتا ہے، اور وہی ان کے باربرداری کے کام آتے ہیں اور دوسرا جہاد کیونکہ میں بزدل آدمی ہوں اور لوگ کہتے ہیں کہ جو میدان جنگ سے پشت پھیرے گا وہ اللہ کے غضب کو لے کر لوٹے گا، مجھے ڈر ہے کہ اگر دشمن سے لڑنا پڑ گیا اور میں گھبرا کر میدانِ جنگ سے بھاگ گیا، تو میں اللہ کے غضب کے ساتھ لوٹوں گا۔ حضور (ﷺ) نے اپنا ہاتھ پیچھے کھینچ لیا اور ہاتھ ہلاتے ہوئے فرمایا کہ، اے بشیر! جب تم نہ زکوٰۃ دو گے اور نہ جہاد کرو گے تو کس عمل کے ذریعہ جنت میں داخل ہو گے، میں نے کہا یا رسول اللہ (ﷺ) آپ اپنا ہاتھ بڑھائیں اور میں بیعت ہوتا ہوں، چنانچہ آپ نے ہاتھ بڑھایا اور میں ان تمام اعمال پر حضور (ﷺ) سے بیعت ہو گیا۔

میرے بھائیو دوستو اور بزرگو! اگر جہاد کا معنی قتال کے علاوہ کوئی اور بھی ہوتا، تو حضرت بشیر بن خصاصیہ رضی اللہ عنہ یہ کیوں فرماتے، کہ میں بزدل ہوں اور جنگ میں سے بھاگ آنے کے خوف کا اظہار کیوں کیا؟ یا العیاذ باللہ اگر صحابی جہاد کا معنی نہیں سمجھ سکا، تو حضرت پاک ﷺ ہی فرما دیتے کہ، جہاد کا معنی صرف لڑنا نہیں ہے، تم دین کے دوسرے کام کرو، جن میں مشقت ہے یہ سارے ہی جہاد ہیں۔

تو میرے دوستو! حضرت پاک ﷺ اور حضرت بشیرؓ کا یہ عمل اس بات پر گواہ ہے کہ، جہاد کا معنی صرف اور صرف قتال ہی متعین ہے۔

دلیل نمبر ۳:

مدینہ منورہ میں عہدِ رسالت میں جب حَیَّ عَلَى الْجِهَادِ کی آواز لگتی تھی، تو آیئے دیکھتے ہیں کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا مبارک عمل کیا تھا؟ اگر تو سارے صحابہ رضی اللہ عنہم بشمول عورتیں اور بچے بھی جہاد کا معنی قتال سمجھتے تھے اور اس اعلان پر تلواریں نیزے اور تیر کمان لے کر، حضرت پاک ﷺ کی خدمت میں دوڑتے تھے۔ تو پھر جہاد کا معنی صرف اور صرف قتال ہی ہو سکتا ہے۔

وگرنہ کوئی ایک مثال تو ایسی ملتی کہ، حضرت پاک ﷺ کے زمانہ مبارکہ میں " حَیَّ عَلَى الْجِهَادِ" کا اعلان ہوا ہو، اور کوئی صحابی رضی اللہ عنہ تو کجا، کسی منافق نے بھی یہ کہا ہو کہ، میں بیوی کے حقوق میں مصروف ہوں، یہ بھی تو جہاد ہے، میرا تو ابھی ایمان مکمل نہیں ہوا اور میں اپنے ایمان کو مضبوط کرنے کیلئے مجاہدات کر رہا ہوں۔ اور یہ بھی جہاد ہے میں تو مدینہ اور اطرافِ مدینہ میں لوگوں کو دین کی طرف دعوت دے رہا ہوں، اور یہ بھی

جہاد ہے۔ اگر کوئی ایک بھی ایسی مثال نہیں ملتی، اور یقیناً نہیں ملتی، تو پھر یقین کر لیں کہ، جہاد کا معنٰی صرف اور صرف قتال ہی ہے۔ جب کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کی حالت تو یہ تھی کہ، کوئی تو پیسے لے کر بازار میں جاتا ہے اور نکاح کی تیاری میں سامان خریدتے وقت حَیّ عَلٰی الْجِہَادِ کی آواز سنتا ہے، تو انہی پیسوں سے تلوار اور نیزہ خریدتا ہے، اور کوئی رات بیوی سے ہم بستر ہو کر صبح غسل کا ارادہ کرتا ہے، تو حَیَّ عَلٰی الْجِہَادِ کی آواز پر اسی حالت ہی میں میدان جنگ کا رخ کرتا ہے۔

دلیل نمبر ۴:

جہاد کی تعریف فقہاء نے کیا فرمائی ہے

(۱) علامہ ابن حجرؒ فرماتے ہیں:

بَذْلُ الْجُہْدِ فِیْ قِتَالِ الْکُفَّارَ (فتح الباری ج۶ ص۴)

ترجمہ: اپنی پوری طاقت کفار سے لڑنے میں خرچ کرنا۔

(۲) ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں:

"اَلْجِہَادُ شَرْعاً بَذْلُ الْمَجْھُوْدِ فِیْ قِتَالِ الْکُفَّارِ" (مرقاۃ، شرح مشکوٰۃ)

ترجمہ: پوری توانائی کو کفار سے لڑنے میں صرف کرنے کا نام جہاد ہے۔

(۳) شیخ التفسیر والحدیث مولانا محمد ادریس کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

ابن عباس اور ابو ہریرہ اور عائشہ صدیقہ اور ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہم زہری سعید بن جبیر مجاہد، عروہ بن زبیر، زید بن اسلم، قتادہ، مقاتل بن حیان اور دیگر سلف رحمۃ اللہ علیہم سے منقول ہے کہ جہاد کی اجازت میں جو آیت سب سے پہلے نازل ہوئی وہ یہ ہے:

اُذِنَ لِلَّذِیْنَ یُقَاتَلُوْنَ بِاَنَّہُمْ ظُلِمُوْا (الایۃ)۔

ایسے لوگوں کو جہاد و قتال کی اجازت دی گئی کہ جن سے کافر لڑتے ہیں یہ اجازت اس لئے دی گئی کہ یہ لوگ بڑے مظلوم ہیں۔

(اب ظاہر ہے کہ جہاد کی اجازت دینا اور آیت قتال کا نازل فرمانا دلیل ہے کہ، جہاد کا معنی قتال ہی ہے۔ (راقم الحروف)

آگے چل کر فرماتے ہیں:

خلاصہ:

"یہ کہ خدا تعالیٰ کے وفاداروں کا، خدا تعالیٰ کے باغیوں سے محض خدا کا باغی ہونے کی وجہ سے لڑنا اور اس کی راہ میں انتہائی جانبازی اور سر فروشی کا نام جہاد ہے"

مزید آگے چل کر فرماتے ہیں :

خلاصہ کلام:

یہ کہ اسلامی حکومت قائم کرنے کیلئے، جو جنگ کی جائے اس کا نام جہاد ہے۔(اب حضرت کے ارشادات کے بعد مزید کوئی گنجائش رہ جاتی ہے؟مزید گزارش ہے کہ کوئی ایک بھی ایسا فقیہ نہیں گزرا ہے، جس نے جہاد کی اصطلاحی اور شرعی تعریف قتال سے نہ کی ہو۔راقم الحروف)

دلیل نمبر۵:

محدثین وفقہار حمۃ اللہ علیہم میں سے، جس نے بھی کتاب الجہاد کے نام سے اپنی کسی کتاب میں باب باندھا، تو وہ اس باب کے تحت صرف وہی احادیث ذکر کرتا ہے، جس میں غزوات وسرایا اور کفار سے جنگ کرنے کا ذکر ہو یا ایسے مسائل ذکر کئے، جن کا تعلق قتال کے ساتھ ہو، جیسے جزیہ، غلامی، صلح۔

کوئی ایک بھی ایسا محدث وفقیہ ثابت نہیں کیا جا سکتا کہ، جس نے اپنی کسی کتاب میں جہاد کا باب باندھا ہو ، مگر اس کے تحت مجاہدات نفس، اصلاح نفس اور دعوت تبلیغ اور دیگر ایسے امور کو ذکر کیا ہو، جن کو آج جہاد سے تعبیر کیا جا رہا ہے۔

اسلئے کہ محدثین وفقہاء کے نزدیک جہاد کا معنی صرف اور صرف قتال ہے۔

دلیل نمبر٦:

میں سب سے آخر میں اس دلیل کا ذکر کرتا ہوں ، جس کو اگرچہ مجھے پہلے ذکر کرنا چاہئے تھا، مگر یہ خود صاحبِ شریعت اور نبیِ آخر الزماں حضرت پاک ﷺ کی زبان مبارک سے، جہاد کی تشریح ہوئی ہے اور حضرت پاک ﷺ کی تشریح کے بعد مزید کسی قسم کی کوئی گنجائش ہی نہیں رہ جاتی۔ اس لئے اس کو اس موضوع کے بارے میں حرف آخر سمجھ کر تحریر کر رہا ہوں۔

حضرت عمرو بن عبسہؓ فرماتے ہیں کہ حضرت پاک ﷺ کی خدمت میں عرض کیا گیا:وَمَا الْجِہَادُ؟ یارسول اللہ جہاد کا کیا معنیٰ ہے؟تو حضرت پاک ﷺ نے ارشاد فرمایا:

اَنْ تُقَاتِلَ الْكُفَّارَ اِذَا لَقِيْتَهُمْ

میدان جنگ میں کفار سے لڑنا۔

پھر کسی نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ

فَاَیُّ الْجِہَادِ اَفْضَلُ؟

سب سے افضل اور بہتر جہاد کونسا ہے؟ تو حضرت پاک ﷺ نے ارشاد فرمایا:

مَنْ عُقِرَ جَوَادُہٗ وَاُھْرِیْقَ دَمُه

جس میں مجاہد کے گھوڑے کے پاؤں کاٹ دیئے جائیں اور مجاہد کا اپنا خون بھی بہادیا جائے۔

(کنز العمال ج۱، ص۲۹)

آپ ہی غور فرمائیں کہ اس کے بعد بھی کوئی گنجائش رہ جاتی ہے کہ، ہم جہاد کا معنی قتال نہ کریں، بلکہ جہاد کے معنی میں وسعت دے کر، دیگر اعمالِ خیر کو اپنی طرف سے جہاد قرار دیں، کیا یہ حضور اکرم ﷺ کی طرف سے جہاد فی سبیل اللہ کے بیان کردہ معنی کے ساتھ زیادتی نہیں؟

اے اللہ تو ہمیں فہم سلیم عطا فرما۔ آمین۔ یارَبَّ العٰلمین

غزوات اور سرایا

غزوہ:

اس جنگ کو کہتے ہیں، جس میں حضرت پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے بنفسِ نفیس شرکت فرمائی ہو۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

وَالَّذِیْ نَفْسِیْ بِیَدِہٖ لَوْلَا اَنَّ رِجَالًا مِّنَ الْمُومِنِیْنَ لَا تَطِیْبُ اَنْفُسُہُمْ اَنْ یَّتَخَلَّفُوا عَنِّیْ وَلَا اَجِدُمَا اَحْمِلُھُمْ عَلَیْہِ مَاتَخَلَّفْتُ عَنْ سَرِیَّۃٍ تَغْزُوْ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ وَالَّذِیْ نَفْسِیْ بِیَدَہٖ لَوَدِدتُّ اَنْ اُقْتَلَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ ثُمَّ اُحْیٰ ثُمَّ اُقْتَلَ ثُمَّ اُحْیَ ثُمَّ اُقْتَل ثُمَّ اُحْیَ ثُمَّ اُقْتَل(مشکوۃ کتاب الجہاد)

قسم اس ذات کی جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے اگر ایسے مومن نہ ہوتے جن کو اس سے بے حد تکلیف ہوتی ہے کہ میں جہاد میں جاؤں اور وہ پیچھے رہ جائیں اور میرے پاس سواری نہیں کہ ان کو دوں اور ساتھ لے جاؤں تو میں اللہ کے راستے میں لڑے جانے والے کسی بھی غزوے سے پیچھے نہ رہتا، بلکہ قسم اس ذات کی جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے میرا تو دل کرتا ہے کہ میں اللہ کے راستہ میں قتل کیا جاؤں، پھر زندہ کیا جاؤں، پھر قتل کیا جاؤں، پھر زندہ کیا جاؤں، پھر قتل کیا جاؤں، پھر زندہ کیا جاؤں، پھر قتل کیا جاؤں۔(کنز العمال ج۱، ص۲۹)

غزوات کے نام، سن، تعدادِ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم(۱)غزوہ ابو آء، صفر ۲ھ، ساٹھ مہاجرین صحابہ کرام رضی اللہ عنہم

(۲)غزوہ بواط، ربیع الاول یا ربیع الثانی ۲ھ، دو سو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم

(۳)غزوہ عشیرہ، جمادی الاُولیٰ ۲ھ، دو سو مہاجرین صحابہ رضی اللہ عنہم

(۴)غزوہ صفوان، ۲ھ

(۵)غزوہ بدرِ کبریٰ، رمضان ۲ھ، تین سو تیرہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم

(۶)غزوہ قَرقَرۃُالکُدر، شوال ۲ھ، دو سو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم

(۷)غزوہ قینقاع، ۲ھ

(۸)غزوۃ السَّوِیق، ذوالحجہ ۳ھ، دو سو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم

(۹)غزوہ غطفان، ۱۲ ربیع الاول ۳ھ، چار سو پچاس صحابہ کرام رضی اللہ عنہم

(۱۰)۔۔غزوہ نجران، ربیع الثانی ۳ھ، تین سو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم

(۱۱)غزوہ احد، ۱۵ شوال ۳ھ، سات سو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم

(۱۲)غزوہ حمر آء الاسد، ۱۶ شوال ۳ھ، جو احد میں شریک تھے۔

(۱۳)غزوہ بنو نضیر، ربیع الاول ۴ھ

(۱۴)غزوہ ذات الرِّقاع، جمادی الاولیٰ ۴ھ، چار سو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم

(۱۵)غزوہ بدرِ موعد، شعبان ۴ھ، پندرہ سو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم

(۱۶)غزوہ دَومۃ الجندل، ربیع الاول ۵ھ، ایک ہزار صحابہ کرام رضی اللہ عنہم

(۱۷)غزوہ بنی مصطلق، ۲ شعبان ۵ھ)

(۱۸)غزوہ خندق، شوال ۵ھ، تین ہزار صحابہ کرام رضی اللہ عنہم

(۱۹)غزوہ بنی قُریظہ، ذوالقعدہ ۵ھ

(۲۰)غزوہ بنی لحیان، ربیع الاول ۶ھ، دو سو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم

(۲۱)غزوہ ذی قَرد، ربیع الاول ۶ھ، پانچ سو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم

(۲۲)غزوہ خیبر، محرّم الحرام ۷ھ، ایک ہزار چار سو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم

(۲۳)غزوہ صلح حدیبیہ، ۶ھ، پندرہ سو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم

(۲۴)غزوہ موتہ، جمادی الاُولیٰ ۸ھ، تین ہزار صحابہ کرام رضی اللہ عنہم

فائدہ:

جنگِ مُوتہ کو غزوات میں شمار کیا جاتا ہے، حالانکہ اس میں حضرت پاک صلی اللہ علیہ وسلم بنفسِ نفیس شریک نہ ہوئے، اس کی کئی وجوہ محدثین نے بیان فرمائی ہیں جس میں ایک وجہ یہ ہے کہ اس جنگ کو حق تعالیٰ شانہٗ نے براہ راست، حضرت پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو دکھایا اور درمیان میں سے حجابات کو اٹھادیا، گویا کہ آپ بنفس نفیس ہی شریک ہیں۔

(۲۵)غزوہ فتح مکہ، رمضان ۸ھ، دس ہزار صحابہ کرام رضی اللہ عنہم

(۲۶)غزوہ حنین، شوال ۸ھ، ۱۲ ہزار صحابہ کرام رضی اللہ عنہم

(۲۷)غزوہ طائف، شوال ۸ھ، ۱۲ ہزار صحابہ کرام رضی اللہ عنہم

(۲۸)غزوہ تبوک، رجب۔ شعبان، ۹ھ، تیس ہزار صحابہ کرام رضی اللہ عنہم

سرایا

سَرِیَّہ :

اس سفر جنگ کو کہتے ہیں، جس میں حضرت ﷺ بنفیس شریک نہیں ہوئے، بلکہ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کو بھیجا ہو۔

سرایا کے نام، سن، شریک صحابہ کرام رضی اللہ عنہم،

(۱) سریہ حمزہ بن عبد المطلب رضی اللہ عنہ، ربیع الاول یا ربیع الثانی ۲ھ، تیس صحابہ رضی اللہ عنہم،

(۲) سریہ عبیدہ بن حارث رضی اللہ عنہ، شوال ۲ھ، ساٹھ یا اسّی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم

(۳) سریہ سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ، ذوالقعدہ ۲ھ، بیس صحابہ کرام رضی اللہ عنہم

(۴) سریہ محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ، ۱۴ ربیع الاوّل ۳ھ، چار صحابہ کرام رضی اللہ عنہم

(۵) سریہ زید بن حارثہؓ، جمادی الاخریٰ ۳ھ، سو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم

(۶) سریہ عبد اللہ بن جحش رضی اللہ عنہ، جمادی الاخریٰ ۲ھ، سو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم

(۷) سریہ عمیر بن عدی رضی اللہ عنہ، ۲۴ رمضان ۲ھ، اکیلے یہ نابینا صحابی تھے

(۸) سریہ سالم بن عمیر رضی اللہ عنہ، شوال ۲ھ، اکیلے

(۹) سریہ ابی مسلمہ رضی اللہ عنہ، محرم ۳ھ، ایک سو پچاس صحابہ کرام رضی اللہ عنہم

(۱۰) سریہ عبد اللہ بن انیس رضی اللہ عنہ، محرم ۳ھ، اکیلے

(۱۱) سریہ عاصم بن ثابت رضی اللہ عنہ، صفر ۳ھ، دس صحابہ کرام رضی اللہ عنہم

(۱۲) سریہ منذر بن عمرو الصّاعدی رضی اللہ عنہ، صفر ۴ھ، ستر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم

(۱۳) سریہ محمد بن مَسلمہ رضی اللہ عنہ، محرم ۴ھ، تیس صحابہ کرام رضی اللہ عنہم

(۱۴) سریہ عکاشہ محصن رضی اللہ عنہ، ربیع الاول ۴ھ، چالیس صحابہ کرام رضی اللہ عنہم رضی اللہ عنہم

(۱۵) سریہ محمد بن مَسلمہ رضی اللہ عنہ ربیع الاول یا ربیع الثانی ۴ھ، دس صحابہ کرام رضی اللہ عنہم

(۱۶) سریہ ابو عبیدہ بن الجرّاح رضی اللہ عنہ، ربیع الثانی ۴ھ، چالیس صحابہ کرام رضی اللہ عنہم

(۱۷)سریہ زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ، ربیع الثانی ۶ھ

(۱۸)سریہ زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ، جمادی الاخریٰ ۶ھ، پندرہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم

(۱۹)سریہ زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ، جمادی الاخریٰ ۶ھ، پانچ سو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم

(۲۰)سریہ ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ، جمادی الاخریٰ ۶ھ، ایک سو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم

(۲۱)سریہ عبد الرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ، رجب ۶ھ، سات سو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم

(۲۲)سریہ زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ، ۶ھ

(۲۳)سریہ علی رضی اللہ عنہ، ۶ھ، سو صحابہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم

(۲۴)سریہ زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ، رمضان ۶ھ

(۲۵)سریہ عبد اللہ بن عتیک رضی اللہ عنہ، رمضان ۶ھ، پانچ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم

(۲۶)سریہ عبد اللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ، شوال ۶ھ، تیس صحابہ کرام رضی اللہ عنہم

(۲۷)سریہ کُرز بن جابر فہری رضی اللہ عنہ، ۶ھ، بیس صحابہ رضی اللہ عنہم

(۲۸)سریہ عمرو بن امیہ ضمری رضی اللہ عنہ، ۶ھ

(۲۹)سریہ ابان بن سعید رضی اللہ عنہ، محرم ۷ھ

(۳۰)سریہ عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ، شعبان ۷ھ

(۳۱)سریہ ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ، شعبان ۷ھ

(۳۲)سریہ بشیر بن سعد رضی اللہ عنہ، شعبان ۷ھ، تیس صحابہ کرام رضی اللہ عنہم

(۳۳)سریہ غالب بن عبد اللہ اللیثی رضی اللہ عنہ، رمضان ۷ھ، ایک سو تیس صحابہ کرام رضی اللہ عنہم

(۳۴)سریہ بشیر بن سعد رضی اللہ عنہ، شوال ۷ھ، تین سو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم

(۳۵)سریہ اخرم سلمی رضی اللہ عنہ، ذوالحجہ ۷ھ، پچاس صحابہ کرام رضی اللہ عنہم

(۳۶)سریہ غالب بن عبد اللہ اللیثی رضی اللہ عنہ، ۸ھ، پندرہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم

(۳۷)سریہ غالب بن عبد اللہ للیثی رضی اللہ عنہ، صفر ۸ھ، دو سو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم

(۳۸)سریہ شجاع بن وھب رضی اللہ عنہ، ربیع الاول ۸ھ، چوبیس صحابہ کرام رضی اللہ عنہم

(۳۹)سریہ کعب بن عمیر رضی اللہ عنہ، ربیع الاول ۸ھ، پندرہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم

(۴۰)سریہ کعب بن عمیر رضی اللہ عنہ، ربیع الاول ۸ھ، پندرہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم

فائدہ:

یہ دونوں الگ الگ سریے ہیں دوسرے سریہ میں حضرت کعبؓ اور ان کے سارے ساتھی شہید ہو گئے تھے، صرف ایک صحابی رضی اللہ عنہ زندہ بچے تھے، جنہوں نے مدینہ منورہ آکر حضرت پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو اطلاع دی۔

(۴۱)سریہ عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ، جمادی الاخریٰ ۸ھ، تین سو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم

(۴۲)سریہ ابو عبیدہ بن الجراح رضی اللہ عنہ، رجب ۸ھ، تیس صحابہ کرام رضی اللہ عنہم

(۴۳)سریہ عمرو بن مُرَّۃ الجُہنی رضی اللہ عنہ، ۸ھ

(۴۴)سریہ ابو قتادہ بن حارث سلمی رضی اللہ عنہ، شعبان ۸ھ، سولہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم

(۴۵)سریہ ابو قتادہ بن حارث سلمی رضی اللہ عنہ، رمضان ۸ھ، آٹھ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم

(۴۶)سریہ اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ، رمضان ۸ھ،

(۴۷)سریہ سعد بن زید الاشہلی رضی اللہ عنہ، رمضان ۸ھ، بیس صحابہ کرام رضی اللہ عنہم

(۴۸)سریہ خالد بن ولیدؓ رضی اللہ عنہ، رمضان ۸ھ، تیس صحابہ کرام رضی اللہ عنہم

(۴۹)سریہ عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ، رمضان ۸ھ

(۵۰)سریہ خالد بن ولید رضی اللہ عنہ، رمضان ۸ھ، تین سو پچاس صحابہ کرام رضی اللہ عنہم

(۵۱)سریہ ابو عامر عبید الاشعری رضی اللہ عنہ، شوال ۸ھ

(۵۲)سریہ طفیل بن عمرو ائلی رضی اللہ عنہ، شوال ۸ھ

(۵۳)سریہ قیس بن سعد رضی اللہ عنہ، ذوالقعدہ ۸ھ، چار سو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم

(۵۴)سریہ خالد بن ولید رضی اللہ عنہ، ذوالقعدہ ۸ھ

(۵۵)سریہ عُیَیْنَہ بن حصن فزاری رضی اللہ عنہ، محرم ۹ھ، پچاس صحابہ کرام رضی اللہ عنہم

(۵۶)سریہ عبداللہ بن عوسجہ رضی اللہ عنہ، صفر ۹ھ

(۵۷)سریہ قطبہ بن عامر انصاری رضی اللہ عنہ، صفر ۹ھ، بیس صحابہ کرام رضی اللہ عنہم

(۵۸)سریہ ضحاک بن سفیان کلابی رضی اللہ عنہ، صفر ۹ھ

جنّتی دولہے اور جہنّم کا ایندھن

حضرت پاک ﷺ کے دورِ نبوت میں
غزوات و سرایا میں جانبین سے کل ایک ہزار
اٹھارہ آدمی مارے گئے، جن میں دو سو
انسٹھ (۲۵۹) صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ہیں، جو جام
شہادت نوش فرما کر حوروں کے جنتی دولہے بنے
اور سات سو انسٹھ (۷۵۹) کفار ہیں، جو ہلاک و
برباد ہو کر جہنم کا ابدی ایندھن بنے۔

نبوت کے آلاتِ حرب وضرب

حضرت پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس مختلف اوقات میں جو اسلحہ موجود رہا اس کی تفصیلات۔

تلواریں

(۱)مَأْثُوْر (۲) اَلْعَضْب (۳)ذُوْالْفَقَار (۴) اَلقَلْعِی (۵)اَلْبَتَّار (۶)اَلْحَتْف (۷)اَلمِخْزَمْ (۸)اَلرَّسُوْب (۹)اَلْقَضِیْب (۱۰)اَلصَّمْصَامَة (۱۱)اَللَّحِیْف

زرہیں(بلٹ پروف جیکٹیں)

(۱) ذَاتُ الْفُضُوْل (۲) ذَاتُ الْوِشَاح (۳) ذَاتُ الْحَوَاشِی (۴) اَلسَّعْدِیَّة (۵)فِضَّة (۶)اَلْبَتْرَآء (۷)اَلْخَرِیْق

کمانیں

(۱)اَلزَّوْرَآء (۲)اَلرَّوْحَآء (۳)اَلصَّفْرَآء (۴)شَوْحَطْ (۵)اَلْکَتُوْمْ (۶)اَلسَّدَاد

ترکش(میگزین)

(۱)اَلْکَافُوْر (۲)اَلْجَمْع

ڈھالیں:

(۱)اَلذَّلُوْقْ (۲)اَلْفُتَقْ (۳)اَلْمُوْجِزْ (۴)اَلذَّقَنْ

برچھیاں اور نیزے:

(۱)اَلْمُثْوِی (۲)اَلْمُثْنِی (۳)اَلْبَیْضَاء (۴)اَلْعَنْزَة (۵)اَلسَّغَاء

خود:(لوہے کی جنگی ٹوپی)

(۱)ذَالسَّبُوْغ (۲) اَلْمُوْشَح

محافظین نبوت

حضرت پاک ﷺ توکل اور اعتماد علَی اللہ کے بلند ترین درجہ پر فائز ہونے کے باوجود، پہرے کا اہتمام فرماتے تھے اور مختلف اوقات میں، مختلف صحابہ رضی اللہ عنہم کو یہ سعادت حاصل ہوئی، لیکن ان میں سے چند ایک صحابہ رضی اللہ عنہم کا ذکر مبارک کیا جاتا ہے، جن کو یہ دولت خوب بلکہ خوب تر حاصل ہوئی۔

(۱)۔حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ (۲) حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ (۳) حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ (۴) حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ (۵)۔ حضرت عباس رضی اللہ عنہ (۶) حضرت سعد ابن ابی وقاص رضی اللہ عنہ (۷)۔ حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ (۸) حضرت ابو طلحہ رضی اللہ عنہ (۹)۔ حضرت بلال حبشی رضی اللہ عنہ (۱۰ حضرت ابو ذر غفاری رضی اللہ عنہ (۱۱)۔ حضرت

سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ (۱۲) حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ (۱۳) حضرت عمار رضی اللہ عنہ (۱۴) حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ (۱۵) حضرت محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ (۱۶) حضرت قیس بن سعد رضی اللہ عنہ (۱۷) حضرت عباد بن بشیر رضی اللہ عنہ (۱۸) حضرت انس بن مرثد رضی اللہ عنہ (۱۹) حضرت ابو ریحانہ رضی اللہ عنہ (۲۰) حضرت زکوان بن عبد قیس رضی اللہ عنہ (۲۱) حضرت عصمہ بن مالک خطمی رضی اللہ عنہ (۲۲) حضرت ادرع اسلمی رضی اللہ عنہ (۲۳) حضرت محجن بن ادرع رضی اللہ عنہ

نکتہ علمیہ

لَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلَنَا بِالْبَيِّنٰتِ وَاَنْزَلْنَا مَعَهُمُ الْكِتَابَ وَالْمِيْزَانَ لِيَقُوْمَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ وَاَنْزَلْنَا الْحَدِيْدَ فِيْهِ بَأْسٌ شَدِيْدٌ وَّ مَنَافِعُ لِلنَّاسِ وَلِيَعْلَمَ اللّٰهُ مَنْ يَّنْصُرُهٗ وَرُسُلَهٗ بِالْغَيْبِ اِنَّ اللّٰهَ قَوِيٌّ عَزِيزٌ **(سورۃ الحدید، آیت نمبر ۲۵**

ترجمہ: ہم نے بھیجے ہیں اپنے رسول نشانیاں دے کر اور اتاری ان کے ساتھ کتاب اور ترازو تاکہ لوگ سیدھے رہیں انصاف پر اور ہم نے اتارا لوہا اس میں سخت جنگ ہے اور منافع ہیں لوگوں کے لئے اور تاکہ معلوم کرے اللہ کہ کون مدد کرتا ہے اس کی اور اس کے رسولوں کی بن دیکھے۔ بیشک اللہ زور آور ہے زبردست۔

اَنْزَلْنَا الْحَدِيْدَ: لوہا تو اللہ تعالیٰ نے زمین میں سے پیدا کیا ہے، نہ کہ آسمان سے اتارا، جس کا تقاضا یہ تھا کہ اللہ تعالیٰ یوں ارشاد فرماتے: "اَنْشَاْنَا الْحَدِيْدَ اے خَلَقْنَا" مگر "اَنْزَلْنَا" فرمایا جس میں حکمت یہ ہے کہ، لوہے کو کتاب اللہ کے نفاذ اور بقا کیلئے، ایسی حیثیت دو کہ، گویا یہ بھی آسمان سے نازل ہوا، جیسے خود کتاب اللہ۔

<u>فِيْهِ بَأْسٌ شَدِيْدٌ وَّ مَنَافِعُ لِلنَّاسِ</u> لوہے کی پیدائش کے مقاصد کو بیان فرماتے ہوئے، جنگ کو مقدم اور مَنَافِعُ لِلنَّاس کو مؤخر فرمانا، اس بات کی دلیل ہے کہ لوہے کی تخلیق کا اصل مقصد، تو لوہے سے بَأْسٌ شَدِيْدٌ یعنی جنگ ہے اور دوسرے درجے میں اس کو دوسرے منافع میں بھی استعمال کیا جاسکتا ہے۔

مگر صد افسوس کہ، آج دنیائے کفر اس بات پر عمل پیرا ہے، مگر مسلمان اس اہم بات سے غافل ہیں۔

مذکورہ تفسیر اس صورت میں ہے، جبکہ مَنَافِعُ لِلنَّاس سے لوہے کی دیگر مصنوعات مراد لی جائیں، جیسے دروازے، الماریاں، گاڈر، پنکھے، ریل گاڑیاں وغیرہ، مگر صاحب کشاف فرماتے ہیں کہ، لوہے کے ذریعہ جہاد کیا جاتا ہے اور پھر جہاد کے ذریعہ سے فتنہ ختم ہوتا ہے تو، لوگ امن و سکون کی زندگی گزارتے ہیں مَنَافِعُ لِلنَّاس کا یہ بھی مقصد ہو سکتا ہے۔

<u>وَلِيَعْلَمَ اللّٰهُ مَنْ يَّنْصُرُهٗ۔</u>

آیت کے اس حصے میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں کہ، ہم دیکھتے ہیں کہ کون لوہے کے بنے ہوئے آلات حرب وضرب کو لے کر اللہ کے دین کی مدد کرتا ہے، یعنی میدان جہاد میں نکلتا ہے اور اس لوہے کو اللہ تعالیٰ کے دشمنوں کے خلاف استعمال کرتا ہے۔

اِنَّ اللّٰہَ قَوِیٌّ عَزِیز

بے شک اللہ تعالیٰ توطاقت والا غالب ہے، وہ خود دشمنوں کو ہلاک کر سکتا ہے، مگر جہاد کا حکم اس لئے دیا کہ مسلمان اس حکم پر عمل کر کے دنیوی واخروی فوائد حاصل کریں۔

اسلحہ

(۱)اسلحہ کے سیکھنے کو قرآن نے ضروری اور واجب قرار دیا

(۲)اسلحہ حضرت پاک ﷺ کی سنت ہے۔

(۳)اسلحہ کے ساتھ محبت حضرت پاک ﷺ کے ساتھ محبت ہے

ا(۴)سلحہ حضرت پاک ﷺ کو اس قدر محبوب تھا کہ اپنی تلوار کی مٹھی پر چاندی چڑھار کھی تھی

(۵)اسلحہ کی اہمیت حضرت پاک ﷺ کی نگاہ میں اس قدر تھی کہ بڑی مقدار میں اسلحہ اپنے پاس رکھا۔

(۶)اسلحہ اخلاقِ نبوّت کا بڑا حصہ ہے۔

(۷)سلحہ کو مسجد میں لانے کے آداب حضرت پاک ﷺ نے خود سکھائے۔

(۸)ااسلحہ کے سوا حضرت پاک ﷺ نے وراثت میں کچھ نہ چھوڑا

(۹)اسلحہ میں سے منجنیق سب سے پہلے حضرت پاک ﷺ نے بنوائی

(۱۰)اسلحہ ہی کے استعمال پر حضرت پاک ﷺ نے فرمایا" اے سعد تیر پھینکو میرے ماں باپ تجھ پر قربان"۔

(۱۱)اسلحہ کی قسم ذِرہ اور خود بنانا حضرت داؤد علیہ السلام کی سنت ہے۔

(۱۲)اسلحہ کو صحابہ رضی اللہ عنہم کبھی تن سے جدا نہ فرماتے تھے

(۱۳)اسلحہ کی تربیت صحابہ رضی اللہ عنہم مسجد نبوی میں فرمایا کرتے۔

(۱۴)اسلحہ کی خیرات مسجد نبوی میں ہوئی تھی۔

(۱۵)اسلحہ کے زور پر جزیرۃ العرب کو کفر و شرک سے پاک کر دیا گیا۔

(۱۶)اسلحہ جسم پر باندھنے والا اللہ تعالیٰ کی بیعت کر لیتا ہے۔

(۱۷)اسلحہ کے زور پر حاصل ہونے والا مال غنیمت پاکیزہ اور حلال ہے

(۱۸)اسلحہ اسلام کی عظمت و شوکت ہے۔

(۱۹) اسلحہ اسلام کی قوت و طاقت ہے۔

(۲۰)اسلحہ اسلام کی عزت وشان ہے۔

(۲۱)اسلحہ سے کفر پہ دہشت طاری ہوتی ہے۔

(۲۳)اسلحہ سے ظلم، فتنہ وفساد ختم ہوتا ہے۔

(۲۴)اسلحہ سے مسلمان کی غفلت کفار کی دلی خواہش ہے۔

(۲۵)اسلحہ سے نفرت قرآن وسنت اور عمل صحابہ رضی اللہ عنہم سے نفرت ہے۔

(۲۶)اسلحہ سے محبت ایمان کا حصہ ہے

خلاصہ کلام:

یہ کہ اسلحہ سے محبت قرآن سے محبت، نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت، صحابہ رضی اللہ عنہم سے محبت کا عملی ثبوت ہے اور اسلحہ ہی سے کتاب اللہ کے قوانین کی حفاظت اور اسلام کا نفاذ ممکن ہے۔

گھوڑے

حضرت پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے

اَلْخَیْلُ مَعْقُوْدٌ فِیْ نَوَاصِیْھَا الْخَیْرُ اِلٰی یَوْمِ الْقِیَامَۃِ۔

گھوڑے کی پیشانی میں قیامت تک کے لئے خیر رکھ دی گئی۔

اللہ تعالیٰ کی راہ میں لڑنے والے مجاہدین کے فضائل تو بے شمار اور اپنی جگہ مسلّم ہیں، مگر آیئے اس سواری کو بھی دیکھیں، جس کو مجاہد کے ساتھ نسبت ہے، اس کا شریعت میں کیا مقام ومرتبہ ہے۔

(۱)گھوڑے کو جہاد کیلئے پالنے کا حکم قرآن پاک نے دیا۔

(۲)گھوڑے کو رکھنا حضرت پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہے۔

(۳)گھوڑے کے کھانے پینے حتیٰ کہ لید اور پیشاب کو روز قیامت مجاہد کے نامہ اعمال میں اعمالِ صالحہ کے ساتھ تول دیا جائے گا۔۔

(۴)گھوڑے کے پاؤں کی قسمیں قرآن نے کھائیں ہیں۔

(۵)گھوڑے کی پیشانی میں قیامت تک کیلئے خیر رکھ دی گئی ہے۔

(۶)گھوڑے اچھے ہونے کی علامات حضرت پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمائی ہیں۔

(۷)گھوڑے جہاد کیلئے جس گھر میں ہوں وہ گھر جنات کے اثر سے محفوظ رہتا ہے۔

(۸) گھوڑے پر خرچہ کرنے کو صدقہ کی طرح قرار دیا گیا

(۹) گھوڑے حضرت پاک ﷺ نے بنو قریظہ کے مال غنیمت سے خریدے۔

(۱۰) گھوڑے نبی پاک ﷺ نے بنو نضیر کے مال فئے سے خریدے۔

(۱۱) گھوڑے کو حضرت پاک ﷺ نے بیوی کے بعد پسندیدہ چیز قرار دیا۔

(۱۲) گھوڑے غزوہ بدر میں حضرت پاک ﷺ کے پاس دو تھے۔

(۱۳) گھوڑے غزوہ بنو قریظہ میں حضرت پاک ﷺ کے پاس چھ تھے۔

(۱۴) گھوڑے غزوہ بنی مصطلق میں حضرت پاک ﷺ کے پاس تیس تھے۔

(۱۵) گھوڑے غزوہ خیبر میں حضرت پاک ﷺ کے پاس دو سو تھے

(۱۶) گھوڑے غزوہ تبوک میں حضرت پاک ﷺ کے پاس دس ہزار تھے۔

(۱۷) گھوڑے کی وجہ سے سوار مجاہد کو بنسبت پیدل مجاہد کے دوگنی غنیمت ملتی ہے۔

(۱۸) گھوڑے کی اہمیت جدید ترین ٹیکنالوجی کے باوجود آج بھی پوری دنیا کی جنگوں میں تسلیم کی جاتی ہے

☆☆☆

جہاد

(۱) جہاد کے بارے میں قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے چار سو سے زائد آیات نازل فرمائیں۔

(۲) جہاد کے عنوان پر امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے ۲۴۱ ابواب قائم فرمائے۔

(۳) جہاد کے عنوان پر امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے ۱۰۰ ابواب قائم فرمائے

(۴) جہاد کے عنوان پر امام ابو داود رحمۃ اللہ علیہ نے ۱۷۶ ابواب قائم فرمائے۔

(۵) جہاد کے عنوان پر امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے ۱۱۵ ابواب قائم فرمائے۔

(۶) جہاد کے عنوان پر امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ نے ۴۸ ابواب قائم فرمائے۔

(۷) جہاد کے عنوان پر امام ابن ماجہ رحمۃ اللہ علیہ نے ۴۶ ابواب قائم فرمائے۔

(۸) جہاد کے عنوان پر فقہ کی ہر کتاب مسائل جہاد سے مزین ہوئی۔

(۹) جہاد عبادت بھی اور ضرورت بھی ہے۔

(۱۰) جہاد سیاحت بھی اور رہبانیت بھی ہے۔

(۱۱) جہاد باعث حصولِ فضائل بھی اور فرض بھی ہے۔

(۱۲) جہاد ایمان کی علامت ہے۔

(۱۳) جہاد کی وجہ سے ایمان کی تکمیل ہوتی ہے۔

(۱۴) جہاد کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل ہوتا ہے۔

(۱۵) جہاد کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کی رحمت کا حصول ہوتا ہے۔

(۱۶) جہاد کی وجہ سے گناہوں کی معافی اور آخرت میں درجات کی بلندی حاصل ہوتی ہے۔

(۱۷) جہاد کی وجہ سے وہ روحانی ترقیاں منٹوں میں حاصل ہوتی ہیں جو بغیر جہاد کے برسوں کی ریاضت سے بھی حاصل نہیں ہوتیں۔

(۱۸) جہاد ہی کیلئے حضرت سلیمان علیٰ نبینا وعلیہ الصلوۃ والسلام نے ایک سو بیویاں کیں۔

(۱۹) جہاد کے ذریعہ اس امت کا فرعون ابو جہل اور نبوت کے بعد پہلا فتنہ انکار زکوٰۃ وارتداد کا ختم ہوا۔

(۲۰) جہاد ہی کے ذریعے اس امت کا آخری اور سب سے بڑا فتنہ دجال ختم ہوگا۔

(۲۱) جہاد کی وجہ سے علماء امر بالمعروف و نہی عن المنکر کا فریضہ ادا کر کے انبیاء علیہم السلام کی نیابت کا شرف حاصل کرتے ہیں۔

(۲۲) جہاد کی وجہ سے علماء قضاء کے عہدوں پر فائز ہوتے ہیں۔

(۲۳) جہاد کی وجہ سے تبلیغ دین اور علوم شریعت کی اشاعت کی راہ ہموار ہو رہی ہوتی ہے۔

(۲۴) جہاد کی وجہ سے علماء کی عظمت، سلاطین واُمراء کی اطاعت ہوتی ہے۔

(۲۵) جہاد کی وجہ سے مستحسن اور شرعی باتوں کا فروغ اور مذموم و ممنوع غیر شرعی باتوں کا زوال ہوتا ہے۔

(۲۶) جہاد کی وجہ سے احکام شرعیہ کا قیام ہوتا ہے۔

(۲۷) جہاد کی وجہ سے ایمان، مال، جان اور عزت کا تحفظ ہوتا ہے۔

(۲۸) جہاد کی وجہ سے کفار کو مسلمانوں کے قریب آکر دین اسلام کو دیکھنے اور سمجھنے کا موقع ملتا ہے۔

(۲۹) جہاد کی وجہ سے کفار کو قبول اسلام کی توفیق مل جاتی ہے اور ضدی کافروں کا صفایا ہو جاتا ہے۔

(۳۰) جہاد کی وجہ سے عبادت گاہوں کا تحفظ ہوتا ہے اگرچہ وہ کفار ہی کی کیوں نہ ہوں۔

(۳۱) جہاد کی وجہ سے فساق وفجار منکرات، بدعات اور فواحش سے باز آتے ہیں۔

(۳۲) جہاد کی وجہ سے انسان کی فطرت اور طبیعت میں قتل وغارت گری کا مادہ اپنے صحیح مصرف پر خرچ ہوتا ہے۔

(۳۳) جہاد کی وجہ سے دولت کی فراوانی ہوتی ہے اور محتاجی ختم ہوتی ہے۔

(۳۴) جہاد کی وجہ سے غلاموں اور باندیوں کی نعمت حاصل ہوتی ہے۔

(۳۵) جہاد کی وجہ سے فرشتے آسمان سے مدد کو اترتے ہیں۔

(۳۶) جہاد مسلمان کے مدمقابل آنے والے کفار کیلئے عذاب اور رسوائی ہے۔

(۳۷) جہاد مسلمانوں کے دلوں کی شفاء، دل کے غیظ وغضب کے دور ہونے کا ذریعہ ہے۔

(۳۸) جہاد اللہ تعالیٰ کی مدد حاصل کرنے کا سب سے بڑا ذریعہ ہے۔

(۳۹) جہاد کی وجہ سے پوری کائنات مسلمان کیلئے مسخرّ ہو جاتی ہے۔

(۴۰) جہاد میں ہاتھ مسلمان کا مگر طاقت اللہ تعالیٰ کی استعمال ہوتی ہے۔

(۴۱) جہاد ہمارا محافظ، ہمارا دفاع اور ہمارا قلعہ ہے۔

(۴۲) جہاد کی وجہ سے منافقین کی سازشیں بھی دم توڑ جاتی ہیں۔

(۴۳) جہاد کی وجہ سے ذمی کافروں کی بھی جان، مال، عزت محفوظ ہو جاتی ہے۔

(۴۴) جہاد کی وجہ سے بزدلی سے حفاظت ہوتی ہے جو کہ مرد میں بہت ب رضی اللہ عنہم ڑا عیب ہے۔

(۴۵) جہاد کی تیاری کرنا واجب ہے۔

(۴۶) جہاد کی تربیت کافروں سے حاصل کرنا بھی جائز ہے۔

(۳۷) جہاد کرنے والے مسلمان مجاہد قتل کرتا رہے تو غازی اور قتل ہو جائے تو شہید کہلاتا ہے۔

(۴۸) جہاد میں افرادی قوت کیلئے شریعت مطہرہ نے چار شادیوں کو جائز قرار دیا۔

(۴۹) جہاد چھوڑنے کی وجہ سے معاشی بدحالی، خوف، بدامنی، مایوسی اور ناامیدی پیدا ہوتی ہے۔

(۵۰) جہاد چھوڑنے کی وجہ سے مسلمانوں پر عمومی عذاب آتا ہے۔

(۵۱) جہاد چھوڑنے کی وجہ سے غلامی کی زندگی اور بزدلی مقدر بن جاتی ہے۔

(۵۲) جہاد چھوڑنے کی وجہ سے دینی احکام کے قیام کی برکات سے محرومی ہوتی ہے۔

(۵۳) جہاد چھوڑنے کی وجہ سے جان، مال، عزت دشمن کے رحم و کرم پر ہوتی ہے۔

(۵۴) جہاد چھوڑنے سے زمین میں فتنہ وفساد برپا ہو جاتا ہے۔

(۵۵) جہاد بغیر عذر کے چھوڑنے والا فاسق بن جاتا ہے۔

(۵۶) جہاد میں تاویل کرنے والا متبدع فی العقیدہ یعنی بداعتقاد ہوتا ہے۔

(۵۷) جہاد میں تحریف کرنے والا اور انکار کرنے والا کافر ہے۔

(۵۸) جہاد چھوڑنے کی وجہ سے دل سے کفر و معصیت کی نفرت ختم ہو جاتی ہے۔

(۵۹) جہاد چھوڑنے کی وجہ سے آدمی موت سے قبل ہی مصائب میں مبتلا ہوتا ہے۔

(۶۰) جہاد چھوڑ کر مرنا منافقت کی موت ہے

☆☆☆

مجاہد

(۱) مجاہد اللہ تعالیٰ کی زمین پر اللہ تعالیٰ کا نمائندہ ہوتا ہے۔

(۲) مجاہد جب میدان جنگ میں اکڑ کر چلتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس پر فخر فرماتے ہیں۔

(۳) مجاہد کا میدان جنگ میں ایک منٹ کا قیام عابد کی ستر سالہ بے ریا عبادت سے افضل ہے۔

(۴) مجاہد کا رات کو پہرہ دینا حجر اسود کے پاس کھڑے ہو کر لیلۃ القدر کی عبادت سے افضل ہے۔

(۵) مجاہد کا ایک دن و رات غیر مجاہد کے مہینہ کے روزوں اور رات کے قیام سے افضل ہے۔

(۶) مجاہد کے پاؤں کا غبار اور جہنم کا دھواں کبھی جمع نہیں ہو سکتے۔

(۷) مجاہد کے دن گھوڑے کی پیٹھ اور رات مصلّے پر گزرتی ہے۔

(۸) مجاہد کی عبادت پر فرشتے بھی رشک کرتے ہیں۔

(۹) مجاہد سرحدات کو محفوظ کر کے پوری امت کے اعمال کا اجر و ثواب کماتا ہے۔

(۱۰) مجاہد کے لئے بلوں میں کیڑے، سمندر میں مچھلیاں، فضاؤں میں پرندے بھی دعا کرتے ہیں۔

(۱۱) مجاہد کی پشت پر مظلوموں کی دعائیں ہوتی ہیں۔

(۱۲) مجاہد کیلئے رات کی تنہائی میں امت کی مائیں، بیٹیاں اور بہنیں آنسو گراتی ہیں۔

(۱۳) مجاہد کی ہمت، عزم اور نظر کی بلندی پر آسمان بھی رشک کرتا ہے۔

(۱۴) مجاہد کی ثابت قدمی اور استقامت کے سامنے پہاڑ بھی گردن جھکا دیتا ہے۔

(۱۵) مجاہد کی عاجزی و انکساری کے سامنے زمین بھی شرمندہ ہوتی ہے۔

(۱۶) مجاہد مصائب میں الجھ کر مسکراتا ہے۔

(۱۷) مجاہد ہر مشکل کا مقابلہ خندہ پیشانی سے کرتا ہے۔

(۱۸) مجاہد کو شجاعت اور بہادری بھی سلام کرتی ہے۔

(۱۹) مجاہد صابر ہوتا ہے۔

(۲۰) مجاہد جفاکش ہوتا ہے۔

(۲۱) مجاہد قناعت، زہد، سادگی کی مثالِ بے مثال ہوتا ہے۔

(۲۲)مجاہد توحید کی دعوت اپنے عمل سے دیتا ہے۔
(۲۳)مجاہد خاموش داعی ہوتا ہے۔
(۲۴)مجاہد کی زندگی دین کا نمونہ ہوتی ہے۔
(۲۵)مجاہد کی جان ومال کی قیمت جنت ہے۔
(۲۶)مجاہد کا زیور مجاہد کا اسلحہ ہوتا ہے۔
(۲۷)مجاہد کا اصل سامانِ حرب اللہ تعالیٰ کی ذات پر کامل یقین ہوتا ہے۔
(۲۸)مجاہد مسلح ہو کر بھی اپنے امیر کی اطاعت کرتا ہے۔
(۲۹)مجاہد طاقتور ہو کر بھی کمزور پر ہاتھ نہیں اٹھاتا۔
(۳۰)مجاہد کے نعرے کفر پر ایٹم بم بن کر گرتے ہیں۔
(۳۱)مجاہد مسلمانوں کے ایمان، عزت، مال اور جان کا محافظ ہوتا ہے۔
(۳۲)مجاہد جاگتا ہے جس کے بھروسہ پر پوری امت سوتی ہے۔
(۳۳)مجاہد اپنا خون پیش کر کے امت کے خون کو محفوظ کر دیتا ہے۔
(۳۴)مجاہد اشاعتِ دین کے دروازے کھولتا ہے۔
(۳۵)مجاہد اپنوں کیلئے ریشم اور غیروں کیلئے فولاد ہوتا ہے۔
(۳۶)مجاہد کو اپنے مشن اور پروگرام کی صداقت پر چڑھتے سورج سے زیادہ یقین ہوتا ہے۔
(۳۷)مجاہد کی مدد کیلئے آسمان سے فرشتے اترتے ہیں۔
(۳۸)مجاہد کی بیوی کی حرمت مسلمان پر ماں کی طرح ہے۔
(۳۹)مجاہد کی آواز پر درندے بھی جنگل خالی کر دیتے ہیں۔
(۴۰)مجاہد کیلئے کائنات کی ہر چیز مسخر ہو جاتی ہے۔
(۴۱)مجاہد اللہ تعالیٰ کا محبوب ہوتا ہے۔
(۴۲)مجاہد اللہ تعالیٰ کا سچا عاشق ہوتا ہے۔
(۴۳)مجاہد اللہ تعالیٰ کا حقیقی فرمانبردار ہوتا ہے۔
(۴۴)مجاہد کی جان اور مال کا خریدار اللہ تعالیٰ ہوتا ہے۔

(۴۵) مجاہد کی جان و مال کی قیمت جنت ہے۔

(۴۶) مجاہد کے استقبال کیلئے حوریں جنت سے زمین پر اترتی ہیں۔

(۴۷) مجاہد کے خون کے پہلے قطرے سے سارے گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔

(۴۸) مجاہد اپنی روح بدن سے جدا ہونے سے پہلے جنت میں اپنا محل دیکھ لیتا ہے۔

(۴۹) مجاہد کو قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے عرش کا سایہ نصیب ہو گا۔

(۵۰) مجاہد کا جاگنا، سونا، کھانا، پینا، اٹھنا بیٹھنا، رکنا چلنا، جینا مرنا سب عبادت ہی عبادت بلکہ عابدین کے لئے بھی قابل رشک ہے۔

☆☆☆

جہاد کے آداب

(۱)جب جہاد کیلئے گھر سے نکلو تو اللہ تعالیٰ کا نام لے کر نکلو۔

(۲)اتراتے ہوئے اور اکڑتے ہوئے نہ نکلو۔

(۳)آپس میں ایک دوسرے سے جھگڑا نہ کرو۔

(۴)اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت پیش نظر رکھو۔

(۵)اپنے مجاہدین ساتھیوں کی خوب خدمت کرو۔

(۶)حدودِ شریعت کا خیال رکھو۔

(۷)عین معرکہ قتال کے وقت بھی اللہ تعالیٰ کا ذکر خوب کثرت سے کرو۔

(۸)اپنی طاقت اور قوت کے بجائے اللہ تعالیٰ کی ذات پر بھروسہ رکھو۔

(۹)ناموافق حالات میں خواہش کے مخالف بھی امیر کے حکم کی اطاعت کرو۔

(۱۰)مقابلہ کے وقت ثابت قدم رہو۔

(۱۱)جب سوار ہونے لگو تو اللہ تعالیٰ کی نعمت کو یاد کرو اور یہ دعا پڑھو۔
سُبْحٰنَ الَّذِیْ سَخَّرَ لَنَا ہٰذَا وَمَاکُنَّا لَہ مُقْرِنِیْنَ وَاِنَّا اِلٰی رَبِّنَا لَمُنْقَلِبُوْنَ۔(سورۃ الزخرف)،

(۱۲)جب بلندی پر چڑھو تو اللہ تعالیٰ کی عظمت کا خیال کرکے اللہ اکبر اللہ اکبر پڑھو۔

(۱۳)جب پستی کی طرف آؤ تو اپنی عاجزی اور اللہ تعالیٰ کے پستی سے پاک ہونے کا خیال کرکے سُبْحٰنَ اللّٰہِ سُبْحٰنَ اللّٰہِ کہو۔

(۱۴)فتح ونصرت پر فخر نہ کرو، بلکہ اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کرو۔

(۱۵)جو مال غنیمت یا فتح ملے تو اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرو اور جو مصیبت اور دکھ پہنچے اس پر صبر کرو۔

(۱۶)کتّا اور گھنٹیاں ساتھ نہ رکھو کہ اس سے فرشتے قافلہ کے ہمراہ نہیں ہوتے۔

(۱۷)ہر معرکہ کو زندگی کا آخری معرکہ سمجھ کر لڑو۔

(۱۸)شہادت کی تمنا کرتے ہوئے، اس کی طلب میں آگے ہی آگے بڑھو۔

(۱۹)جنگ جس قدر گھمسان کی ہو، مگر جنگ سے ہرگز پیٹھ پھیر کر نہ بھاگو۔

(۲۰)جہاد کے سفر سے واپسی پر ان کلمات توحید کو زبان سے ادا کرنا مسنون ہے۔

لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَاشَرِیْکَ لَہ لَہٗ الْمُلْکُ وَلَہٗ الْحَمْدُ وَھُوعَلٰی کُلِّ شَیْئٍ قَدِیْر۔ آئِبُوْنَ تَآئِبُوْنَ عَابِدُوْنَ سَاجِدُوْنَ سَائِحُوْنَ لِرَبِّنَاحَامِدُوْنَ صَدَقَ اللّٰہُ وَعْدَہٗ وَنَصرَ عَبْدَہٗ وَھَزَمَ الْاَحْزَاْبَ وَحْدَہٗ۔

☆☆☆

اعتراض(۱)

جہاد فی سبیل اللہ، بلکہ جہاد اقدامی کے بارے میں ایک اعتراض یہ کیا جاتا ہے، کہ شریعت مطہرہ نے ہمیں جہاد کی اجازت تو دی ہے، مگر اس شرط پر کہ کفار حملہ آور ہوں، وگرنہ ہمیں پہل کرنے کی اجازت نہیں ہے اور اس کیلئے قرآن کریم کی مندرجہ ذیل آیات مبارکہ اور ان جیسی دیگر آیات پیش کی جاتی ہیں۔

وقَاتِلُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ الَّذِیْنَ یُقَاتِلُوْنَکُمْ(سورہ بقرہ، آیت نمبر ۱۹۰)

ترجمہ: اور تم اللہ تعالیٰ کے راستہ میں ان لوگوں سے لڑو جو تم سے لڑتے ہیں۔

فَمَنِ اعْتَدٰی عَلَیْکُمْ فَاعْتَدُوْاعَلَیْہِ بِمِثْلِ مَاعْتَدٰی عَلَیْکُمْ (سورۃ بقرہ، آیت نمبر۱۹۶)

جو تم پر زیادتی کرے تو تم بھی اس کا بدلہ زیادتی کی مقدار کے مطابق لے سکتے ہو۔

فَاِنَّمَا عَلَیْکَ الْبَلَاغُ وَعَلَیْنَا الْحِسَابْ(سورۃ الرَّعد، آیت نمبر۴۰)

(اے نبی ﷺ) تمہارے ذمہ بات پہنچانا ہے اور حساب ان کا ہمارے ذمہ ہے

وَاِنْ عَاقَبْتُمْ فَعَاقِبُوْابِمِثْلِ مَاعُوْقِبْتُمْ بِہٖ(سورۃ النحل، آیت نمبر۱۲۶)

اور اگر تم سزا دینا چاہو تو اتنی ہی دو جتنی تمہیں تکلیف دی گئی ہے۔

جواب:

جواب سے قبل ایک بات ذہن نشین فرمالیں کہ قرآن کریم میں بعض آیات و احکامات منسوخ ہوئے ہیں۔ جیسے پہلے روزہ رات اور دن کا تھا، مگر اب صرف دن کا ہے پہلے جہاد میں ایک کا مقابلہ دس سے تھا مگر اب ایک کا مقابلہ دو سے ہے وغیرہ۔

اور قرآن کریم میں بھی اس مسئلہ کی بڑی وضاحت موجود ہے

مَا نَنْسَخْ مِنْ اٰیَۃٍ اَوْ نُنْسِھا نَاْتِ بِخَیْرٍ مِّنْھَا اَوْ مِثْلِھَا (سورۃ البقرہ، آیت نمبر۱۰۶)

اور اس نسخ کی چار صورتیں ہیں جن میں سے ایک یہ ہے کہ آیت کی تلاوت باقی ہو اور اس کا حکم منسوخ ہو جائے۔ جسے مَنْسُوْخُ الْحُکْم دُونَ التِّلَاوۃ کہا جاتا ہے۔

اس مختصر سی تمہید کے بعد اصل جواب ملاحظہ فرمائیں

مشہور و معروف مفسر، محدث اور فقیہ ملا احمد جیون میر ٹھی رحمۃ اللہ علیہ اپنی شہرہ آفاق تصنیف 'تفسیرات احمدیۃ فی بیان الآیات الشرعیۃ' میں تحریر فرماتے ہیں۔

اب میں آپ کو وہ آیات بتلاتا ہوں جو مَنْسُوْخُ الْحُکْم دُونَ التِّلَاوۃ ہیں اور مجھے کتب کی چھان بین سے دستیاب ہوئی ہیں۔

وہ تمام آیات جن میں مقاتلین سے عفو ودر گزر کا تذکرہ ہے جیسے
ومَا عَلَیْکَ اِلَّا الْبَلَاغُ اور لَکُمْ دِیْنُکُمْ وَلِیَ دِیْن(سورۃ الکافرون)
یا جن میں جنگ میں پہل کرنے سے روکا گیا ہے مثلاً
وَلَاتَعْتَدُوْا اِنَّ اللّٰہَ لَایُحِبُّ الْمُعْتَدِیْن(سورۃ البقرہ، آیت نمبر۱۹۰)
ایسی تمام آیات ان آیات سے منسوخ ہیں جن میں ہمیں جنگ کا حکم دیا گیا ہے جیسے
وَقَاتِلُوا الْمُشْرِکِیْنَ کَافَّۃً کَمَا یُقَاتِلُوْنَکُمْ کَافۃً(سورۃ توبہ، آیت نمبر۳۶)
اورفَاِذَاا نْسَلَخَ الْاَشْہُرُ الْحَرُمُ فَاقْتُلُوْاالْمُشْرِکِیْنَ حَیْثُ وَجَدْتُمُوْہُمْ(سورۃ توبہ ، آیت نمبر۵)
امام زاہدؒ کہتے ہیں کہ تقریباً ستر (۷۰) آیات ایسی ہیں جو آیات قتال سے منسوخ ہیں۔
صاحب الاتقان لکھتے ہیں کہ ایک سو چوبیس (۱۲۴) آیات اس آیت سے منسوخ ہیں۔
فَاِذَاا نْسَلَخَ الْاَشْہُرُ الْحَرُمُ فَاقْتُلُوْاالْمُشْرِکِیْنَ حَیْثُ وَجَدْتُمُوْہُمْ(سورۃ توبہ ، آیت نمبر۵)
(تفسیرات احمدیہ فی بیان الآیات الشرعیہ)

اس لئے ایسی تمام آیات کا حکم چونکہ منسوخ ہے، لہٰذا ان کو دلیل بنا کر اقدامی جہاد سے انکار کرنا، ایک حکمِ شرعی کا انکار کرنا ہے جو کہ کسی طرح بھی جائز نہیں ہے۔

منسوخ آیتوں کو نہ حیلہ بنایئے
یہ فلسفہ غلط ہے دفاعی جہاد کا
مقصودِ جہد شوکتِ اسلام ہے فقط
لازم ہے یوں مٹانا زمین سے فساد کا

جہاد کی اقسام

جہاد کی دو قسمیں ہیں جہاد کی ایک قسم "دفاع" ہے جس کو دفاعی جہاد کہتے ہیں، یعنی کافروں کی کوئی قوم ابتداءً مسلمانوں پر حملہ آور ہو تو، مسلمان اس کی مدافعت کیلئے ان کا مقابلہ کریں، جہاد کی اس قسم کو حق تعالیٰ نے قرآن کریم میں اس طرح بیان فرمایا ہے۔

وَقَاتِلُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ الَّذِیْنَ یُقَاتِلُوْنَکُمْ وَلَا تَعْتَدُوْا اِنَّ اللّٰہَ لَا یُحِبُّ الْمُعْتَدِیْنَ(سورۃ بقرہ، آیت نمبر ۱۹۰)

اور قتال کرو خدا کی راہ میں ان لوگوں سے جو تم سے جنگ کرتے ہیں اور زیادتی مت کرو، تحقیق اللہ تعالیٰ زیادتی کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔

اُذِنَ لِلَّذِیْنَ یُقَاتَلُوْنَ بِاَنَّہُمْ ظُلِمُوْا وَاِنَّ اللّٰہَ عَلٰی نَصْرِہِمْ لَقَدِیْرُنِ الَّذِیْنَ اُخْرِجُوْامِنْ دِیَارِھِمْ بِغَیْرِحَقٍّ اِلَّا اَنْ یَّقُوْلُوارَبُّنَااللّٰہُ

(سورہ حج، آیت نمبر ۳۹،۴۰)

مسلمانوں کو ان کافروں سے جہاد و قتال کی اجازت دی گئی جو کافر مسلمانوں سے لڑتے ہیں اس وجہ سے کہ مسلمان ستم رسیدہ ہیں اور بے شک اللہ تعالیٰ مسلمانوں کی مدد پر قادر ہے یہ مسلمان اپنے گھروں سے محض بے وجہ نکالے گئے سوائے اس کے کوئی وجہ نہ تھی کہ وہ یہ کہتے تھے کہ ہمارا پروردگار ایک اللہ ہے۔

جہاد کی دوسری قسم "اقدامی جہاد" ہے یعنی جبکہ کفر کی قوت اور شوکت سے اسلام کی آزادی کو خطرہ ہو تو ایسی حالت میں اسلام اپنے ماننے والوں کو یہ حکم دیتا ہے کہ، تم دشمنانِ اسلام پر جارحانہ حملہ اور دشمن کی طرف پیش قدمی کرو، کیونکہ جب دشمنوں کی طرف سے خطرہ ہو تو احتیاط اور حفظِ ماتقدّم کا تقاضا یہی ہے کہ، تم ان پر جارحانہ اقدام کرو، تاکہ اسلام اور مسلمان کفر اور شرک کے فتنہ سے محفوظ ہو جائیں اور بغیر کسی خوف و خطرہ کے امن وعافیت کے ساتھ خداوند تعالیٰ کے احکامات کو بجالا سکیں اور کوئی قوت وطاقت ان کو ان کے سچے دین سے نہ ہٹا سکے، اور نہ پھیر سکے اور نہ کوئی طاقت قانونِ خداوندی کے اجراء اور نفاذ میں رکاوٹ بن سکے۔

ایسے موقع پر عقل اور فراست، تدبیر اور سیاست کا یہی مقتضٰی ہے کہ، خطرہ کو پیش آنے سے پہلے ہی ختم کر دیا جائے۔ اس انتظار میں رہنا کہ جب خطرہ سر پر آجائے گا اس وقت مدافعت کریں گے یہ اعلیٰ درجہ کی حماقت اور بیوقوفی ہے۔ جس طرح شیر اور چیتا کو حملہ کرنے سے پہلے ہی قتل کر دینا اور سانپ اور بچھو کے کاٹنے سے پہلے

ہی سر کچل دینا ظلم نہیں، بلکہ اعلیٰ درجہ کی تدبیر اور انجام بینی ہے۔ اسی طرح کفر و شر کا سر اٹھانے سے پہلے ہی سر کچل دینا اعلیٰ درجہ کی تدبیر ہے۔

چور وڈاکو اور درندے اگر کسی جنگل اور بیابان میں جمع ہوں تو دانائی اور عقل کا تقاضا یہ ہے کہ قبل اس کے کہ وہ شہر کا رخ کریں ان کو آبادی کا رخ کرنے سے پہلے ہی ختم کر دیا جائے، کیوں کہ درندوں کے قتل میں اقدام ہی عقل اور دانائی ہے اور فَاقْتُلُوْا الْمُشْرِكِيْنَ حَيْثُ وَجَد تُّمُوْهُمْ(سورۃ توبہ، آیت نمبر۵)(اور قتل کرو مشرکین کو جہاں تم ان کو پاؤ)اور اَيْنَمَا ثُقِفُوْا اُخِذُوْا وَقُتِّلُوا تَقْتِيْلًا (سورۃ احزاب، آیت نمبر۶۱)(اور جہاں وہ ملیں ان کو پکڑا جائے اور قتل کر دیا جائے)میں اس قسم کے کافر مراد ہیں۔ درندوں کے قتل میں دفاع کا تصور کرنا اور یہ سوچنا کہ جب یہ درندے مل کر ہم پر حملہ آور ہوں گے، اس وقت ہم ان کی مدافعت کریں گے، اس قسم کا تصور اہلِ عقل کے نزدیک کھلی حماقت اور نادانی ہے، حق تعالیٰ شانہ کے اس ارشاد: وَقَاتِلُوْاهُمْ حَتّٰى لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ وَّيَكُوْنَ الدِّيْنُ كُلُّهٗ لِلّٰهِ (سورۃ انفال ، آیت نمبر۳۹)

یعنی اے مسلمانو! تم کافروں سے یہاں تک جہاد و قتال کرو کہ کفر کا فتنہ باقی نہ رہے اور اللہ کے دین کو پورا غلبہ حاصل ہو جائے۔ اس آیت مئں فیتنہ سے کفر کی قوت اور شوکت کا فتنہ مراد ہے

اور وَيَكُوْنَ الدِّيْنُ كُلُّهٗ لِلّٰهِ(سورۃ انفال، آیت نمبر۳۹) سے دین کا ظہور اور غلبہ مراد ہے، جیسا کہ دوسری آیت میں ہے "لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّه"(سورۃ صف ، آیت نمبر۹) یعنی دین کو اتنا غلبہ اور قوت حاصل ہو جائے کہ کفر کی طاقت سے اس کے مغلوب ہونے کا احتمال باقی نہ رہے اور دین اسلام کو کفر کے فتنہ اور خطرہ سے بالکلیہ اطمینان حاصل ہو جائے۔ سیرت المصطفیٰ ج ۲)

☆☆☆

اعتراض(۲)

قرآن کریم نے حضرت پاک ﷺ کی مکی زندگی کو ذکر فرمایا اور آپ کی دعوت و تبلیغ اور اس پر کفار مکہ کی طرف سے پیش آمدہ مصائب و مشکلات اور اس پر آپ کے صبر و استقامت کو بیان کرتے وقت جن الفاظ کو استعمال فرمایا وہ یہ ہیں۔

فَلَا تُطِعِ الْكَافِرِيْنَ وَجَاهِدْ هُمْ بِه جِهَاداً كَبِيْرًا(سورۃ فرقان، آیت نمبر۵۲)

اس آیت کریمہ میں آپ کی دعوت و تبلیغ کو صرف جہاد ہی نہیں بلکہ جہاد کبیر یعنی بڑا جہاد قرار دیا، حالانکہ اس میں قتل ہے نہ قتال بلکہ یہ اس وقت کی بات ہے جب کہ صریح اور واضح حکم " كُفُّوْا اَيْدَيَكُمْ" (سورۃ نساء ، آیت نمبر۷۷) "یعنی اپنے ہاتھوں کو روکو" کے ذریعہ سے قتال کرنے کی ممانعت تھی۔

تو اگر جہاد فی سبیل اللہ، صرف قتال فی سبیل اللہ ہی کا نام ہے، و قرآن کریم نے دعوت و تبلیغ کو جہاد سے کیوں تعبیر فرمایا؟

جواب نمبر ا:

اس آیت کریمہ میں " جَاهِدِ " کا معنی ہے کہ کفار کو تبلیغ کرنے میں خوب کوشش کرو، انتھک محنت کرو اور اسی محنت و مشقت کے ساتھ دعوت الیٰ اللہ کو لفظ جہاد سے تعبیر فرمایا، کیونکہ لغت عرب میں ہر وہ کام جس میں مشقت اور جدوجہد ہو، اس کو جہاد ہی کہا جاتا ہے، خواہ وہ کوشش اور جدوجہد کسی برے کام میں ہو یا اچھے کام میں، مگر اس کو لغت عرب میں جہاد کا نام دے دینے سے وہ شریعت کا حکم جہاد فی سبیل اللہ تو نہیں بن سکتا۔

جواب نمبر ۲:

اگر کسی بھی فعل اور عمل کیلئے لفظ جہاد کا استعمال ہی دلیل ہے، اس کے جہاد فی سبیل اللہ ہونے کی تو پھر سورۃ لقمان کی آیت کریمہ کے بارے میں آپ کیا کہیں گے جس میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں کہ ہم نے انسان کو حکم دیا کہ والدین کے ساتھ حسن سلوک کرے اور ہمارا اور اپنے والدین کا شکر گزار بن کر رہے اور

وَاِنْ جَاهَدَاكَ عَلٰى اَنْ تُشْرِكَ بِىْ مَالَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ فَلَا تُطِعْهُمَا (سورۃ لقمان، آیت نمبر ۱۵)

اگر تمہارے والدین خوب کوشش بھی کریں کہ تم میرے ساتھ شرک کرو تو ان کی یہ بات ہر گز نہ ماننا۔

اب دیکھیں اس آیت میں والدین کی شرک اور کفر کی طرف دعوت کو بھی لفظِ جہاد سے تعبیر کیا ہے، تو کیا اگر کوئی شخص یہ کہہ دے کہ، کفر اور شرک کی طرف دعوت دینا بھی، جہاد فی سبیل اللہ ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ

نے قرآن کریم میں اس کو جہاد فی سبیل اللہ کہا ہے، تو آپ اس کو کیا جواب دیں گے؟ یقیناً آپ اس کو یہی کہیں گے کہ یہاں جہاد اپنے لغوی معنی میں استعمال ہوا ہے، نہ کہ اصطلاحی اور شرعی معنی میں اور ہماری بحث جہاد بالمعنی الشرعی کے بارے میں ہے، نہ کہ جہاد بالمعنی اللغوی کے بارے میں۔

جواب نمبر ۳:

اس بات پر پوری امت کا اتفاق ہے کہ جہاد فی سبیل اللہ ایک فریضہ اور حکم شرعی ہے، جو کہ مدینہ منورہ میں نازل ہوا اور "وَجَاهِدْهُمْ بِهٖ جِهَادًا كَبِيْرًا" تو مکی آیت ہے اور اس آیت سے مراد بھی اصطلاحِ شریعت والا جہاد ہو تو، پھر یہ کہنا چاہئے کہ جہاد فی سبیل اللہ مکہ میں نازل ہوا، جب اس کا کوئی عالم بھی قائل نہیں۔ تو ماننا پڑے گا کہ اس آیت سے اصطلاحی اور حکمِ شرعی "جہاد فی سبیل اللہ" مراد نہیں، بلکہ مطلقاً کوشش کرنا ہی مراد ہے، اور لغت عرب میں کوشش اور جدوجہد کو جہاد کہا جاتا ہے، مگر اصطلاحی جہاد فی سبیل اللہ اور چیز ہے، اور لغوی جہاد اور چیز ہے۔

جواب نمبر ۴:

لغتِ عرب میں تو صلوٰۃ کا معنی ہے، "تَحْرِيْكُ الْاَلْيَتَيْنِ" سرین یعنی جسم کے پچھلے حصے کو حرکت دینا، اور صلوٰۃ کے معنی رحمت بھیجنے کے بھی آتے ہیں۔

اور صوم کے معنی لغت عرب میں رکنے کے ہیں، اور حج کا معنی ارادہ کرنے کے ہیں خواہ برے کام کا ہو یا کسی اچھے کام کا۔

اب اگر کوئی شخص یہ کہے کہ، میں تو صبح اٹھتے ہی اپنے سرین کو حرکت بھی دیتا ہوں اور رحمت کی دعا بھی کر لیتا ہوں، لہٰذا میری یہی نماز ہے، کیونکہ عربی میں اس کو نماز کہتے ہیں اور کوئی شخص کہے کہ میں ایک آدھ گھنٹے کے لئے کھانے پینے یا بات کرنے سے رک جاتا ہوں، تو میرا یہ ہی روزہ ہے کیا ضرورت ہے پورا دن بھوکا پیاسا اور محبوب بیوی سے دور رہنے کی۔ کیونکہ لغت عرب میں تو صرف رکنے کو ہی روزہ کہتے ہیں۔

یا میں نے بیت اللہ جانے کا ارادہ کر لیا ہے، اب کیا ضرورت ہے کہ ہزاروں روپے خرچ کروں، اور گرمی کی شدت کا سفر برداشت کروں، اور گھر سے دور رہوں، کیونکہ لغت عرب میں صرف ارادہ کرنے کو ہی حج کہتے ہیں

تو آپ اس مُحقّق اور مُدقّق کو کیا جواب دیں گے، سوائے اس کے کہ ابابا! لغتِ عرب سے اصطلاحاتِ شرعیہ متعین نہیں ہوتیں، بلکہ یہ تو صاحبِ شریعت کے متعین کرنے سے متعین ہوتی ہیں اور لغت کو لے کر شریعت

کے اعمال کا حلیہ نہیں بگاڑا جاتا۔

ہاں یہ بات الگ ہے کہ لغوی اور اصطلاحی معنی میں مناسبت ضرور ہوتی ہے۔

اس لئے میں کہتا ہوں کہ قرآن وحدیث میں کسی بھی عمل پر لفظِ جہاد کے اطلاق اور استعمال کی وجہ سے اس عمل کو شرعی اور اصطلاحی جہاد قرار دینا یہ بددیانتی ہے یا کم علمی اور کم فہمی۔

☆☆☆

اعتراض(۳)

يَآاَيُّهَا النَّبِىُّ جَاهِدِ الْكُفَّارَ وَالْمُنَافِقِيْنَ وَاغْلُظْ عَلَيْهِمْ وَمَأْوٰهُمْ جَهَنَّمُ وَبِئْسَ الْمَصِيْر۔

(سورۃ تحریم، آیت نمبر۹)اس آیتِ کریمہ میں بھی "جَاهِد"کا لفظ ہے اور اس کے معنی بھی قتال نہیں، کیونکہ اس میں حکم ہے کہ منافقین سے جہاد کرو اور منافقین سے خود حضرت پاک ﷺ نے بھی قتال نہیں فرمایا،اور اگر یہاں" جَاهِدْ" کا معنی "قَاتِلْ" ہو تو اس کا مطلب یہ ہو گا کہ، یہ ایسا حکم ہے جس پر خود حضرت پاک ﷺ نے بھی عمل نہیں فرمایا۔

جواب:

اس آیت کریمہ میں "جَاهِد"بمعنی"قَاتِل"ہے یعنی لڑو اور قتال کرو۔

پہلی دلیل:

یہ ہے کہ یہ آیت قرآن میں دو بار آئی ہے، ایک سورۃ توبہ میں جو کہ خالص جہاد کے احکام و ترغیب وغیرہ پر مشتمل اور مدنی ہے، دوسری بار سورۃ تحریم میں اور سورۃ تحریم بھی مدنی ہے اور جہاد بھی مدنی حکم ہے۔

دوسری دلیل:

یہ ہے کہ اس میں حکم ہے" وَاغْلُظْ عَلَيْهِمْ"کہ ان کفار و منافقین پر سختی کرو،اور یہ سختی اور غلظت جہاد میں ہی ہوتی ہے نہ کہ دعوت و تبلیغ میں۔ کیوں کہ دعوت و تبلیغ میں تو حکم ہے۔

قُلْ هٰذِهٖ سَبِيْلِىْ اَدْعُوْ اِلَى اللّٰهِ عَلٰى بَصِيْرَةٍ (سورہ یوسف، آیت نمبر۱۰۸)

اُدْعُ اِلٰى سَبِيلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَة وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِى هِىَ اَحْسَنُ (سورہ النحل، آیت نمبر۱۲۵)

اِدْفَعْ بِالَّتِىْ هِىَ اَحْسَنُ(سورہ حم السجدہ، آیت نمبر۳۴)

تینوں آیات کا خلاصہ یہ ہے کہ آپ حکمت، بصیرت اور اچھی نصیحت کے ساتھ ان کافروں کو اپنے رب کی طرف دعوت دیں۔

تیسری دلیل:

یہ ہے کہ اس کے متّصل بعد فرمایا:

"وَمَأْوٰهُمْ جَهَنَّم"کہ ان کا ٹھکانہ جہنم ہے ان کو قتل کرو اور ان کے ٹھکانہ اور مقام تک پہنچاؤ۔

اور آیاتِ دعوت و تبلیغ کا انداز یہ نہیں ہوتا، بلکہ ان کے آخر میں کوئی نہ کوئی ہدایت کی طرف ترغیب دینے والا، یا پھر کفر و شرک سے بیزاری کا اظہار کرنے والا جملہ ہوتا ہے، اور یہاں پر تو ذکر ہی اس کا کیا جس کا تعلق ہی موت سے ہے کیونکہ جہنم تو موت کے بعد ہی ہے یعنی قتل ہوں، اور پہنچیں اپنے ٹھکانہ پر پہنچی وہیں پہ خاک جہاں کا خمیر تھا

تائید:

حضرت شیخ الہند مولانا محمود الحسن رحمۃ اللہ علیہ نے بھی تفسیر عثمانی میں اس آیت کا ترجمہ یہ کیا ہے۔

(اے نبی ﷺ لڑائی کر منکروں سے اور دغابازوں سے اور سختی کر ان پر اور ان کا گھر دوزخ ہے اور بری جگہ جا پہنچے)

جواب نمبر ۳:

اس آیت کریمہ میں دو حکم ہیں جہاد اور غلظت یعنی سختی کرنا اور دو ہی قسم کے لوگوں کا ذکر ہے کفار اور منافقین تو آیت کا معنی یہ ہوا کہ اعلانیہ جو کفار ہیں ان کے ساتھ جہاد یعنی قتال کرو اور جو منافقین ہیں ان پر غلظت یعنی سختی کرو۔

اے نبی ﷺ آپ کیجئے بے شک کافروں اور منافقوں سے جہاد
خوب سختی دکھایئے ان پر تاکہ دوزخ میں جاکے ہوں برباد

باقی رہا یہ اشکال کہ پھر منافقین سے قتال کیوں نہیں کیا؟ اس کا جواب تو یہ ہے کہ منافق ہوتا ہی وہ ہے، جس کا کفر تو مخفی ہو، مگر ایمان ظاہر کرتا ہو، تو جب تک کسی کا کفر بالکل ظاہر نہ ہو، اس کو قتل کیسے کیا جا سکتا ہے؟

علماء نے اس بات کی تصریح فرمائی ہے کہ، زمانہ نبوت میں چونکہ حضرت پاک ﷺ کو بذریعہ وحی مطلع کر دیا جاتا تھا، مگر ہم کو کسی کے باطنی کفر پر فتوی کا کوئی حق حاصل نہیں، اِلّا یہ کہ کوئی شخص باطنی کفر کو از خود ظاہر کر دے، مگر جب وہ ظاہر کر دے گا تو پھر وہ منافق نہ رہا بلکہ اعلانیہ کافر ہو گیا۔

البتہ ایک اشکال پھر بھی باقی رہ جاتا ہے کہ، جب حضرت پاک ﷺ کو بذریعہ وحی منافقین کا علم ہو جاتا تھا، تو پھر آپ نے منافقین سے جہاد یعنی قتال کیوں نہ کیا؟

تو اس کی وجہ یہ ہے کہ منافق تو ہوتا ہی وہ ہے، جس کے دل میں کفر ہو، مگر زبان سے اسلام کا اظہار کرے، جس کی وجہ سے لوگ اس کو مسلمان سمجھتے ہیں، تو اگر حضرت پاک ﷺ منافقین کو قتل فرماتے، تو لوگوں کو

اعتراض کا موقع ملتا کہ محمد ﷺ اپنے ہی لوگوں کو قتل کرتے ہیں۔

(دیکھئے عہدِ نبوت کا واقعہ)

شعبان ۵ھ جو غزوہ بنی مصطلق کے سفر میں منافقین کے سردار عبداللہ بن ابی بن سلول نے کہا کہ یہ مہاجرین لوگ ہم پر غالب آگئے ہیں، خدا کی قسم مدینہ پہنچ کر عزت والا ذلت والے کو مدینہ سے باہر نکال دے ،یعنی ہم لوگ مہاجرین صحابہ رضی اللہ عنہم کو مدینہ سے نکال دیں گے، حضرت پاک ﷺ کو اطلاع پہنچی، تو حضرت عمرؓ نے عرض کیا، یارسول اللہ ﷺ مجھے اجازت دیجئے، کہ میں اس منافق کی گردن اڑادوں، تو آپ ﷺ نے فرمایا رہنے دو، کیونکہ (لوگوں کو حقیقت حال کا پتہ نہیں ہے) لوگ کہیں گے کہ محمد ﷺ اپنے ہی ساتھیوں کو قتل کرتے ہیں۔ (صحیح بخاری کتاب التفسیر)

اب دیکھیں حضرت پاک ﷺ نے یہ نہیں فرمایا کہ ان منافقین کو قتل نہیں کرنا، بلکہ ایک خاص وجہ کے تحت قتل نہیں فرمایا۔ مگر منافقین کے قتل کو پسند کرنا اور کسی خاص عذر کی وجہ سے قتل نہ کرنا، اس بات کی دلیل ہے کہ منافق کا قتل بھی فی نفسہ جائز بلکہ سنت ہے۔

مثال:

اور یہ ایسا ہی ہے، جیسا کہ حضرت پاک ﷺ نے غزوہ خندق کے موقع پر عُیَیْنہ بن حصن فزاری کو مدینہ کی نصف کھجوریں دے کر صلح کا ارادہ فرمایا تھا، مگر سعد بن معاذ اور سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہما کے مشورہ کے بعد آپ ﷺ نے ارادہ ملتوی فرمادیا۔ (ابن ہشام)

مگر اب یہ مستقل مسئلہ بن گیا ہے کہ اگر کسی وجہ سے کافروں کو مال دے کر صلح کرنی پڑے تو جائز ہے۔

اس طرح پاجامہ حضرت پاک ﷺ نے استعمال نہیں فرمایا مگر صرف پسند فرمایا، مگر اسے استعمال کرنا سنت ہو گیا۔

اور محرم کا دسویں تاریخ کا روزہ رکھا، مگر یہ بھی فرمایا کہ آئندہ برس زندہ رہا، تو ایک روزے کا اضافہ کروں گا لہٰذا اب نو یا گیارہ کا روزہ بھی سنت ہے۔

اس لئے یہ بڑے اعتماد کے ساتھ کہا جا سکتا ہے کہ منافقین کا قتل بھی گویا کہ حضرت پاک ﷺ کی سنت سے ثابت ہو گیا۔ لہٰذا اس آیت میں بغیر کسی شک وشبہ کے یہ بات واضح ہو گئی ہے، کہ آیت کریمہ میں "جَاهِدْ" سے مراد قاتل ہی ہے۔

☆☆☆

اعتراض(۴)

وَالَّذِیْنَ جَاہَدُ وْافِیْنَا لَنَھْدِ یَنَّہُمْ سُبُلَنَا وَاِنَّ اللّٰہَ لَمَعَ الْمُحْسِنِیْنَ (سورۃ عنکبوت، آیت نمبر۶۹)

جو لوگ ہمارے لئے محنت کرتے ہیں ہم ان کو اپنے (قرب ورضا اور اپنی جنت) کے راستے دکھاتے ہیں۔

یہ آیت مکی ہے اور اس آیت کریمہ میں صاف طور پر دین کی محنت کو جہاد فرمایا، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ، جہاد کا معنی صرف قتال ہی نہیں، بلکہ دینی محنت و کوشش کو بھی جہاد کہہ سکتے ہیں۔

جواب نمبر ا:

یہ سورۃ عنکبوت اگرچہ مکی ہے، مگر یہ خاص آیت کریمہ اگر مدنی ہے (جیسا کہ عام طور پر مدنی سورتوں میں مکی آیات اور مکی سورتوں میں مدنی آیات بھی شامل ہیں) تو پھر اس میں بحث کی ضرورت نہیں۔ کیونکہ قتال فی سبیل اللہ کرنے والے کیلئے راہِ جنت اور راہِ قربِ خداوندی بہت جلد کھول دیئے جاتے ہیں۔

اور اگر یہ آیت کریمہ مکی ہے تو، اس کا مطلب بڑا صاف اور واضح ہے کہ جو لوگ بھی اللہ تعالیٰ کیلئے مشکلات برداشت کرتے ہیں، اللہ تعالیٰ ان کے دلوں کو منور فرما دیتے ہیں قرب خداوندی کی منازل وہ لوگ طے کر لیتے ہیں اور ظاہری بات ہے کہ جیسا کہ پہلے عرض کیا جا چکا ہے کہ، لغتِ عرب میں تو ہر کوشش اور محنت کیلئے لفظ جہاد ہی استعمال ہوتا ہے، مگر اس سے اصطلاحی "جہاد فی سبیل اللہ" کے مفہوم میں تعمیم اور وسعت کہاں سے ثابت ہوئی؟

جواب نمبر ۲:

فعل "جَاهَدَ يُجَاهِدُ" بروزن "فَاعَلَ يُفَاعِلُ" کا مصدر "مُفَاعَلَۃ" آتا ہے اور "فِعَالٌ" بھی۔

اس مقام پر جو "جَاهَدُوْا" استعمال فرمایا ہے اس کا مصدر "مُجَاهَدَةٌ" ہے نہ کہ "جِهَادٌ"۔

اور ہماری گفتگو "جہاد فی سبیل اللہ" کے بارے میں ہے، نہ کہ مجاہدات کے بارے میں اس لئے اس میں کوئی شبہ والی بات باقی ہی نہیں رہ جاتی۔

باقی رہی یہ بات اس جگہ "جَاهَدُوْا" کا مصدر "مُجَاهَدَةٌ" ہے اس کے لئے دیکھئے تفسیر عثمانی جس میں حضرت علامہ شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ اس آیت کریمہ کے تحت لکھتے ہیں۔

یعنی جو لوگ اللہ کے واسطے محنت اٹھاتے اور سختیاں جھیلتے ہیں اور طرح طرح کے مجاہدات میں سرگرم رہتے ہیں، اللہ تعالیٰ ان کو ایک خاص نور بصیرت عطا فرماتا اور اپنے قرب ورضا یا جنت کی راہیں سمجھاتا ہے۔ جوں جوں وہ ریاضات ومجاہدات میں ترقی کرتے ہیں اس قدر ان کی معرفت وانکشاف کا درجہ بلند ہوتا جاتا ہے اور وہ باتیں سوجھنے لگتی ہیں کہ دوسروں کو اس کا احساس تک نہیں ہوتا۔

راہ خدا میں جو بھی مشقت اٹھائے گا
یعنی کہ جان ومال سبھی کچھ لٹائے گا
کیونکر نہ حق تعالیٰ کو پھر رحم آئے گا
وہ ہر قدم پر رشدوہدایت دکھائے گا

حق تعالیٰ ہم سب کو قرآن کریم صحیح سمجھنے کی اور صحیح سمجھ کر اس پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے

☆☆☆

اعتراض(۵)

سُوْرَۃالْعَادِیَاتِ۔میں اللہ تعالیٰ نے گھوڑوں کے پاؤں کی قسمیں کھائی ہیں، مگر یہ فضیلتیں جہاد اور مجاہدین کے گھوڑوں کی نہیں ہیں۔کیونکہ جہاد فی سبیل اللہ تو مدینہ منورہ میں نازل ہوا اور یہ سورت مکی ہے۔مکی سورتوں میں بیان ہونے والے فضائل مدنی احکامات کے لئے کیسے ہوسکتے ہیں؟

جواب نمبر ا:

اس سورت کے مکی اور مدنی ہونے میں حضرات مفسرین کرام رحمۃ اللہ علیہم کے درمیان اختلاف ہے۔بعض حضرات اس کے مکی ہونے کے قائل ہیں اور بعض حضرات اس کے مدنی ہونے کے قائل ہیں، لہٰذا دونوں قسم کے حضرات کی رائے گرامی کے مطابق اس اعتراض کا جواب تحریر کیا جاتا ہے۔

تفسیر نمبر ا:

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ، حضرت جابر رضی اللہ عنہ، حسن بصری، عکرمہ، عطاء، رحمۃ اللہ علیہم کے نزدیک مکی ہے(تفسیر قرطبی)

اس سورت میں آیت کے ظاہر سے معلوم ہوتا ہے کہ اس سورت میں مطلقاً جنگی گھوڑوں کی قسم کھائی گئی ہے، خواہ وہ جنگی گھوڑے جہاد کیلئے ہوں یا غیر جہاد کیلئے، مگر ہوں جنگی گھوڑے۔

اور مقصد یہ بیان کرنا ہے کہ گھوڑا جانور ہو کر اپنے مالک اور وہ بھی مجازی اور عارضی کا دانہ گھاس پھوس وغیرہ کھاتا ہے اور اس کے ساتھ وفا کا حق ادا کر دیتا ہے، اپنے مالک کے اشارہ پر گھمسان کی جنگوں میں گھس جاتا ہے، گولیوں کی بارش میں سینہ تان کر مالک کے دشمن کی طرف بڑھتا ہے اور اپنے مالک کو بچانے کیلئے اپنی جان تک کو قربان کر دیتا ہے۔

تو اے انسان! تو اپنے مالک حقیقی کا اس قدر احسان مند بھی نہیں بنتا، جس قدر ایک جانور اپنے مالکِ عارضی و مجازی کا بنتا ہے، تو وفا شعاری میں جانور سے بھی بدتر ہو گیا ہے۔

یعنی انسان کو ترغیب و ترہیب کے ساتھ راہِ حق پر ڈالنا مقصود ہے۔

تو اس تفسیر کے مطابق اس سورۃ کا جہاد یا مجاہدین کے ساتھ کوئی تعلق نہیں ہے اور یہ ضروری تو نہیں کہ قرآن کریم کی ہر آیت، ہر سورۃ میں بیان ہونے والی فضیلت مجاہدین اور جہاد کے لئے ہی ہو۔ نماز، روزہ، زکوٰۃ،

حج، کی طرح دیگر اعمالِ شریعت مثلاً شکر و صبر، سخاوت و شجاعت، صداقت و حیاء جیسی صفات بھی قرآن نے بیان فرمائی ہیں۔

اس لئے اس سورۃ کے مجاہدین کے بارے میں نازل نہ ہونے سے مجاہدین کی شان میں کوئی فرق نہیں پڑتا کیونکہ مجاہدین کی شان و عظمت اپنی جگہ پر ایک مسلمہ حقیقت ہے اور اس کے فضائل قرآن و احادیث رسول ﷺ میں بے شمار موجود ہیں۔

جواب نمبر ۲:

حضرت عبداللہ بن عباس، حضرت انس رضی اللہ عنہما اور حضرت امام مالک اور حضرت قتادۃ رحمہما اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ یہ آیت مدنی ہے۔ (تفسیر قرطبی)

تفسیر نمبر ۲:

اس سورۃ میں گھوڑوں کی نہیں، بلکہ مجاہدین گھڑ سواروں کی قسم کھائی گئی ہے، جیسا کہ حضرت شاہ عبدالقادر صاحب رحمۃ اللہ علیہ موضح القرآن کے حاشیہ پر تحریر فرماتے ہیں:

"یہ جہاد والے سواروں کی قسم ہے، اس سے بڑا کوئی عمل ہو گا کہ اللہ کے کام پر اپنی جان دینے کو حاضر"

اور شیخ الاسلام حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ تفسیر عثمانی میں "اِنَّ الْاِنْسَانَ لِرَبِّهٖ لَكَنُوْدٌ"، کے تحت تحریر فرماتے ہیں۔

یعنی جہاد کرنے والے سواروں کی اللہ کی راہ میں سر فروشی و جانبازی بتلائی ہے کہ وفادار و شکر گزار بندے ایسے ہوتے ہیں۔ جو آدمی اللہ کی دی ہوئی قوتوں کو اس کے راستہ میں خرچ نہیں کرتا وہ پرلے درجے کا ناشکرا اور نالائق ہے۔

اور آگے چل کر آیت "وَاِنَّهٗ عَلٰى ذٰلِكَ لَشَهِيْدٌ" کے تحت تحریر فرماتے ہیں کہ "یعنی سر فروش مجاہدین اور ان کے گھوڑوں کی وفا شعاری اور شکر گزاری اس کی آنکھوں کے سامنے ہے پھر بھی بے حیا ٹس سے مس نہیں ہوتے"۔

خلاصہ کلام:

یہ ہے کہ اس آیت کو مکی قرار دے کر، خواہ مخواہ مجاہدین کے بارے میں فضائل سے پریشان ہونا، اہل ایمان کا شیوہ نہیں۔ کیونکہ اگر چند اکابر نے اس کو مکی فرمایا تو دوسرے چند اکابر مدنی بھی ہونے کے قائل ہیں۔

نیز اس آیت کو خواہ مخواہ مدنی قرار دے کر اس کو ہر حال میں مجاہدین کی فضلیت پر ہی محمول کرنا قرآن فہمی نہیں ہے کیونکہ اگر چند اکابر نے اس کو مدنی فرمایا تو دوسرے چند اکابر اس کے مکی ہونے کے بھی قائل ہیں۔

☆☆☆

اعتراض(٦)

وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ اُمَّةٌ يَّدْعُوْنَ اِلَى الْخَيْرِ وَيَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ(آلِ عمران ، آیت نمبر۱۰۴)

ترجمۃ: اور چاہیے کہ رہے تم میں ایک جماعت ایسی جو بلاتی رہے نیک کام کی طرف اور حکم کرتی رہے اچھے کاموں کا اور منع کرے برائی سے اور وہی پہنچے اپنی مراد کو۔(تفسیر عثمانی)

اس آیت کریمہ سے بعض لوگوں کو یہ غلط فہمی ہوتی ہے کہ، مجاہدین اس آیت کریمہ کا نہ مصداق ہیں اور نہ ہی اس پر عمل کرتے ہیں، کیونکہ اس آیت میں ہے کہ ایسی جماعت ہونی چاہئے جو کہ خیر کی طرف دعوت دے اور امر بالمعروف و نہی عن المنکر کرے۔ اور مجاہدین تو نہ دعوت دیتے ہیں اور نہ ہی امر بالمعروف و نہی عن المنکر کرتے ہیں۔

جواب نمبر۱:

اس کی حیثیت بھی ایک دھوکہ سے زیادہ کچھ نہیں ہے، کیونکہ اس آیت میں یہ حکم دیا گیا ہے کہ تم میں ایک ایسی جماعت کا ہونا ضروری ہے جو کہ تین کام کرے

يدْعُوْنَ اِلَى الْخَيْرِ،يامُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ يَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ

اب ہم تینوں کاموں کا جائزہ لیتے ہیں۔

(۱) يَّدْعُوْنَ اِلَى الْخَيْرِ: کہ وہ جماعت خیر کی دعوت دے

اور خیر کی دو قسمیں ہیں

(۱)خیرِ کامل(۲)خیرِ ناقص۔

خیرِ کامل تو وہ خیر ہے جس میں پورا دین شامل ہو یعنی نماز، روزہ، زکوۃ، حج اور جہاد فی سبیل اللہ، وغیرہ اور خیرِ ناقص وہ ہے جس میں پورا دین نہ ہو، بلکہ کچھ اعمال کی کمی ہو۔

دیکھئے جو لوگ ایسی خیر کی دعوت دیتے ہیں، جس میں جہاد نہ ہو، تو گویا کہ وہ خیرِ ناقص کی دعوت دیتے ہیں اور جہاد کے بغیر باقی اعمال پر عمل کرنا بھی خیرِ ناقص پر عمل کرنا ہے۔

اور جو لوگ جہاد کی دعوت دیتے ہیں وہ خیرِ کامل کی دعوت دیتے ہیں کیونکہ اس میں نماز ہے، روزہ ہے، زکوۃ ہے، حج ہے اور جہاد تو ہے ہی، بلکہ بعض احادیث میں تو خود جہاد ہی کو مکمل دین قرار دیا گیا ہے۔

حضرت پاک ﷺ نے ارشاد فرمایا۔

"اِذَا تَرَكْتُمُ الْجِهَادَ فَسَلَّطَ اللّٰهُ عَلَيْكُمُ الذِّلَّةَ حَتّٰى تَرجِعُوْا اِلٰى دِيْنِكُمْ"

کہ جب تم جہاد چھوڑ دو گے تو اللہ تعالیٰ تم پر ذلت کو مسلط فرمادے گا، حتیٰ کہ واپس اپنے دین کی طرف لوٹ آؤ۔

اس حدیث کی شرح میں حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوری رحمۃ اللہ علیہ "بذلُ المجھود شرحُ اَبِی دَاوُد" میں فرماتے ہیں کہ یہاں دین سے مراد جہاد ہے۔

اب آپ غور فرمائیں کہ جہاد کے ساتھ دعوت دینا خیرِ کامل کی دعوت ہے، یا جہاد کے بغیر دعوت دینا خیرِ کامل کی دعوت ہے؟

اور جہاد کے زندہ ہونے سے باقی تمام اعمال زندہ ہوتے ہیں اور جہاد کے ختم ہونے سے، باقی اعمال بھی ختم ہو جاتے ہیں تو جہاد کی طرف دعوت دینا، گویا کہ باقی تمام اعمال کی طرف ہی دعوت دینا ہے، لہٰذا جہاد کی دعوت ہی حقیقی معنوں میں دعوت الی الخیر ہے۔

(۲) يَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ:

اس کے لئے پہلے امر و نہی کی بحث کر لی جائے تو بات سمجھنے میں مزید آسانی ہو گی،

بحث امر و نہی

آئندہ آنے والے صفحات میں قرآن کی چند آیات جو کہ امر و نہی کے متعلقہ ہیں زیر بحث آئیں گی اس لئے میں مناسب سمجھتا ہوں کہ امر و نہی کی تعریف اصول فقہ کے حوالہ سے کر دی جائے۔ تاکہ آئندہ آنے والے اعتراضات اور ان کے جوابات کو سمجھنا آسان ہو جائے۔ اس لئے آئندہ اعتراضات کو پڑھنے والے حضرات اس بحث پر ضرور نظر کرم فرمائیں۔

اَلْاَمْرُ:

لغتِ عرب میں امر کا معنی ہے "قَوْلُ الْقَائِلِ لِغَيْرِهٖ اِفْعَلْ"۔ لغت عرب میں امر کا معنی ہے کسی شخص کو کسی کا یہ کہنا کہ فلاں کام کرو۔ خواہ منّت کے ساتھ ہو خواہ طاقت کے زور میں ہو خواہ کسی دوسرے طریقہ سے ہو۔

اور اصطلاحِ شریعت میں امر کا معنی ہے۔ "تَصَرُّفُ اِلْزَامِ الْفِعْلِ عَلَى الْغَيْرِ" (اُصُوْلُ الشَّاشِى)

کسی دوسرے پر کسی کام کے کرنے کو لازمی قرار دینا۔

اور بعض نے یہ تعریف کی ہے "قَوْلُ الْقَائِلِ لِغَيْرِهٖ اِفْعَل عَلٰى سَبِيْلِ الْاِسْتِعْلَاءِ"

کسی شخص کو کسی کا بزور طاقت و قوت یہ کہنا کہ فلاں کام کرو۔

اَلنَّہْی:

لغتِ عرب میں نہی کا معنی ہے "اَلْمَنْعُ" یعنی روکنا

اور اصطلاحِ شریعت میں نہی کا معنی ہے

"اِسْتِدْعَاءُ تَرْكِ الْفِعْلِ بِالْقَوْلِ مِمَّنْ هُوَ دُوْنَهٗ"

کسی شخص کا کسی ایسے شخص کو کوئی کام نہ کرنے کا کہنا جو کہ کہنے والے سے کم مرتبہ ہو۔

اور بعض نے تعریف یہ کی ہے "قَوْلُ الْقَائِلِ لِغَيْرِهٖ لَا تَفْعَلْ عَلٰى سَبِيْلِ الْاِسْتِعْلَاءِ"

کسی شخص کا کسی کو بزور طاقت اور قوت کے یہ کہنا کہ فلاں کام نہ کرو (الفصول)

خلاصہ:

امر اور نہی کی تعریف کا خلاصہ یہ ہے کہ کسی شخص کو کوئی فعل کرنے کا حکم دینا، یا کسی فعل سے روکنا اس طور پر حکم دیا جارہا ہے، اس پر آپ کو تعلّی، غلبہ اور قوت و طاقت حاصل ہو۔

اور اگر آپ کسی ایسے شخص کو کوئی کام کرنے یا نہ کرنے کا کہتے ہیں، جس پر آپ کو غلبہ اور طاقت حاصل نہیں تو اس کو آپ التماس، درخواست، گزارش یا زیادہ سے زیادہ ترغیب تو کہہ سکتے ہیں مگر اس کو امر اور نہی نہیں کہہ سکتے۔

اس تفصیل کے بعد گزارش ہے کہ امر و نہی کی آیات و احادیث پر صحیح معنوں میں عمل اس وقت ہو سکتا ہے جب آپ کے ہاتھ میں طاقت اور قوت ہو، جیسے اس وقت امارتِ اسلامیہ افغانستان کو دیکھیں، اس میں حضرت امیر المؤمنین ملا محمد عمر مجاہد دامت برکاتہم، جب فرماتے ہیں کہ نماز کے اوقات میں دکان بند ہو، تمام لوگ نماز باجماعت کا اہتمام کریں، خواتین پردہ کریں وغیرہ اس کو امر کہتے ہیں۔

یا جب فرماتے ہیں کہ کوئی داڑھی نہ منڈائے، ٹی وی، وی سی آر، ڈش کو نہ لگایا جائے، کسی جاندار کی تصویر نہ بنائی جائے وغیرہ تو کسی کی کیا مجال ہے کہ، اس کی خلاف ورزی کرے اس کو نہی کہتے ہیں۔

نکتہ:

اسی بناء پر تو مسلمانوں کے بادشاہ کو امیر المؤمنین کہا جاتا ہے کہ، وہ امر کرتا ہے بلکہ ہر چند افراد یا چند سو افراد پر مشتمل جتھے کے سربراہ کو شریعت میں امیر کہتے ہیں، کیونکہ اس کی بات کا ماننا ضروری ہوتا ہے اور اس کو دوسرے افراد پر ایک حیثیت حاصل ہوتی ہے، جس کی وجہ سے اس کا کسی بات کا حکم امر اور کسی بات سے روکنا نہی کہلاتا ہے۔

ملحوظہ:

گزشتہ بحث کو مد نظر رکھتے ہوئے آپ کیلئے یہ فیصلہ کرنا ان شاء اللہ بہت آسان ہوگا کہ، اس دور یا ہر دور میں امر و نہی کرنے والے لوگ کون تھے اور کون ہیں اور یہ فریضہ کون ادا کر رہا ہے۔

اللہ کریم ہمیں فہم سلیم عطا فرمائے آمین۔ یا رَبَّ الْعٰلَمِیْن

گزارش:

مگر اس سب کے باوجود میری گزارش یہ ہے کہ، اگر امر و نہی کے حقیقی معنی پر عمل کرنا مشکل ہو، تو بھی جس قدر ممکن ہو سکے، اس کی کوشش کرنا چاہئے وگرنہ کم از کم دینی محنت کی خاطر اپنی التماسات اور گزارشات کو تو امر اور نہی کا نام نہیں دینا چاہیے۔ کیونکہ جب ہم عام محنت وترغیب وترہیب کو ہی امر اور نہی کا نام دے دیں گے، تو امت مسلمہ حقیقی امر و نہی کی کوشش ہی نہیں کرے گی۔

اس بحث سے ہم اس نتیجے پر پہنچے کہ جہاد کے بغیر تو امر بالمعروف ممکن ہی نہیں، کیونکہ امر بالمعروف تو طاقت کے بغیر ہو ہی نہیں سکتا اور طاقت جہاد کے بغیر حاصل ہی نہیں ہوتی امر بالمعروف جہاد کے بغیر ہو ہی نہیں سکتا۔

اس لئے صحیح معنوں میں یامرون بالمعروف تو مجاہدین کرتے ہیں نا تو کوئی اور کرتا ہے اور نہ ہی کر سکتا ہے۔

(۳)وینْہَھوْنَ عَنِ الْمُنْکَر:

اس کے لئے بھی نہی عن المنکر کی بحث کو دیکھ لیا جائے تو آپ اس نتیجہ پر پہنچیں گے کہ جہاد کے بغیر نہی عن المنکر ممکن ہی نہیں کیونکہ نہی عن المنکر کے لئے طاقت کی ضرورت ہوتی ہے اور طاقت تو جہاد ہی سے

حاصل ہوتی ہے، تو گویا کہ نہی عن المنکر بھی جہاد کے بغیر نہیں ہو سکتا اس لئے صحیح معنوں میں نہی عن المنکر کا فریضہ بھی مجاہدین ہی ادا کرتے ہیں۔

ترغیب نیکیوں کی ہے آساں زباں سے　　مشکل ہے ہر کسی کو برائی پہ ٹوکنا
ثابت ہوا کہ قوت و طاقت بغیر تو　　ممکن نہیں کسی کو گناہوں سے روکنا

وضاحت:

جو حضرات اپنے آپ کو اس آیت کا مصداق قرار دیتے ہیں وہ تو نہی عن المنکر ویسے ہی نہیں کرتے، کیونکہ وہ خود کہتے ہیں کہ اگر ہم نہی عن المنکر کریں گے تو لوگ ہمارے کام سے دور ہو جائیں گے، کیونکہ برائی تو لوگوں کو مرغوب اور محبوب ہے اور جب آپ کسی کو اس کی محبوب اور مرغوب چیز سے روکیں گے، تو وہ آپ کی بات کیسے سنیں گے جب بات ہی نہیں سنیں گے تو پھر دین کی طرف کیسے آئیں گے؟

ایسے حضرات کے لئے میں حضرت اقدس مفتی رشید احمد صاحب دامت برکاتہم کے ایک وعظ میں سے ایک اقتباس نقل کرتا ہوں۔ مہربانی فرما کر حضرت اقدس مفتی رشید احمد لدھیانوی دامت برکاتہم کے ارشاد کو نہایت توجہ اور غور کے ساتھ ملاحظہ فرمائیں۔

حضرت فرماتے ہیں: "تبلیغ کیلئے جہاد اتنا اہم اور ضروری ہے کہ اس کے بغیر تبلیغ ممکن ہو ہی نہیں سکتی۔ جو لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ تبلیغ صرف زبانی ہے اور مسلح جہاد کے بغیر تبلیغ ممکن ہے۔ وہ تبلیغ کا مطلب سمجھنے میں تین غلطیاں کر رہے ہیں۔

(۱) چند عبادات کی تبلیغ کر کے سمجھتے ہیں کہ تبلیغ کا حق ادا ہو گیا۔

حالانکہ ہر ذی شعور شخص سمجھ سکتا ہے کہ، پوری تبلیغ تو جب ہی ہو گی، جب پورے اسلام کی تبلیغ ہو صرف نماز یا مزید دو تین احکام کی تبلیغ کو پورے دین کی تبلیغ نہیں کہہ سکتے۔

احکام اسلام کے چار شعبے ہیں:

(۱) عقائد (۲) عبادات (۳) معاملات (۴) حدود و قصاص۔

جب تک ان چار شعبوں کے تمام احکامات کی تبلیغ نہ ہو تبلیغ مکمل نہیں ہو سکتی اور آپ تبلیغ کے فرض سے سبکدوش نہیں ہو سکتے، جس طرح انفرادی عبادات سے متعلقہ احکامات ہیں اسی طرح معاملات، یعنی وہ امور جن میں ایک شخص کو دوسرے سے واسطہ پڑتا ہے، جیسے نکاح، طلاق، خرید و فروخت، اجارہ و استجارہ، زراعت و

ملازمت وغیرہ سے متعلق بھی اسلام کے احکام ہیں۔ جن کو قرآن وحدیث میں مفصل بیان کیا گیا ہے، زانی کو یہ سزا دی جائے اور چور کو یہ، بہتان لگانے والے کو یہ سزا دی جائے اور ڈاکو کو یہ۔ جب تک ان تمام احکام کی تبلیغ نہ ہو، اسا سے اسلام کی کامل تبلیغ نہیں کہا جاسکتا۔

(۲) صرف زبانی تبلیغ کو کافی سمجھتے ہیں کہ، یہ جاری رہے تو معاشرہ کی مکمل اصلاح ہو جائیگی اور تمام کفار مسلمانوں کی اس معاشرت کو دیکھ کر اسلام ہے جس کی تفصیل یہ ہے کہ اگر خطاب کفار سے ہے، تو صرف اسلام ان پر پیش کر دینا فریضہ دعوت سے سبکدوش ہونے کیلئے کافی نہیں، بلکہ اسلام قبول میں داخل ہو جائیں گے، نہ شرعی سزائیں جاری کرنے کی ضرورت اور نہ کفار سے مسلح جہاد کرنے کی ضرورت۔ حالانکہ دعوت و تبلیغ ایک شرعی اصطلاح کرنے کی دعوت دی جائے، جو اسلام قبول کرلے وہ ہمارے بھائی ہیں اور جو اسلام قبول نہ کریں ان کو اسلامی حکومت قبول کرنے کی دعوت دی جائے ،یعنی حکومت تو اسلام کی ہو گی تمہیں جزیہ دے کر حکومت کے تابع رہنا پڑے گا، حکومت اسلامیہ تمہاری جان ومال کی حفاظت کرے گی، اگر وہ حکومتِ اسلام بھی تسلیم نہیں کرتے، تو پھر ان سے مسلح جہاد کیا جائے اور اس وقت تک قتال جاری رکھا جائے، جب تک کہ وہ اسلام یا اسلامی حکومت کو قبول نہ کریں۔ اسلام جبراً کافروں کو مسلمان بنانے کی تعلیم نہیں دیتا، مگر اللہ تعالیٰ کی زمین پر کافروں کو حکومت کرنے کی اجازت بھی نہیں دیتا۔

(۳) ان کا خیال ہے صرف معروفات کا حکم دیتے جاؤ اور منکرات کو نہ چھیڑو۔ منکرات خود بخود مٹتے چلے جائیں گے، جیسے اندھیرے کو ختم کرنا ہو تو چھوٹی سی موم بتی جلا دو اندھیرا ختم ہو جائے گا، یہ نہیں کہ ڈنڈا اٹھا کے پیٹنا شروع کر دو۔ بظاہر جہلاء کا یہ استدلال بڑا قوی معلوم ہوتا ہے، مگر در حقیقت یہ نظریہ سراسر باطل اور دنیا میں فسق وفجور، منکرات وفواحش کے پھیلنے کا بہت بڑا سبب ہے، عقل ونقل دونوں اس کے شاہد ہیں۔

قرآن وحدیث میں جہاں بھی امر بالمعروف کا حکم دیا گیا ہے، ساتھ ہی نہی عن المنکر کا حکم بھی دیا گیا ہے اگر نہی عن المنکر کی کوئی اہمیت وضرورت نہیں، امر بالمعروف ہی کافی ہے تو پھر کیا نعوذ باللہ، اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کو یہ فلسفہ سمجھ نہیں آیا کہ، معروفات کی دعوت سے تمام منکرات خود بخود مٹ جائیں گے۔ نیز یہ لازم آئے گا کہ پوری امت کے علماء جو آج تک بوقت استطاعت نہی عن المنکر کی تینوں صورتوں ''اَلْیَد''، ''بِاللِّسَان''، ''بِالقَلب'' کو فرض وواجب قرار دیتے آئے ہیں، سب نعوذباللہ احکامِ شریعت و مزاجِ شریعت سے نابلد تھے۔

عقل ومشاہدہ سے بھی اس کی اہمیت واضح ہو جاتی ہے۔ انسان طبعی طور پر خواہشِ نفس اور گناہ کی طرف مائل ہوتا ہے۔ معروفات کی جتنی بھی دعوت دی جائے، جب تک نہی عن المنکر پر عمل نہ کیا جائے، معاشرہ سے فواحش اور منکرات کا مٹانا ممکن ہے۔

اب تو اس سے بڑھ کر خبریں سامنے آرہی ہیں کہ، لوگوں کو دیندار بنانے کیلئے اور ان کو مانوس کر کے قریب لانے کیلئے، ان کے ساتھ بدعات اور گناہوں کی مجلسوں میں شریک ہونے کو، جائز بلکہ ضروری سمجھا جارہا ہے۔ یہ سراسر دین میں تحریف ہے، بجائے اس کے بے دین لوگوں کو جنت والے اعمال میں اپنے ساتھ شریک کرتے، یہ جہنم والے اعمال میں شریک ہو کر اپنے لئے جہنم کا سامان پیدا کر رہے ہیں۔ پھر ظلم یہ کہ اس کو جائز بلکہ کار ثواب اور مزاج نبوت اور دین کی تبلیغ سمجھ رہے ہیں اور اگر واقعۃً ایسا ہے جیسا شنید ہے تو ان کا ایمان بھی باقی نہیں رہا۔

ایک اصول خوب سمجھ لیں یاد رکھیں اور دوسروں تک پہنچائیں وہ یہ ہے کہ ”لَا یُقَامُ الدِّیْنُ بِھَدْمِہٖ“ دین کی خلاف ورزی کر کے اسے گرا کر کبھی بھی دین قائم نہیں کیا جاسکتا۔

آگے چل کر حضرت اقدس دامت برکاتہم فرماتے ہیں،

لہٰذا یاد رکھیں کہ اللہ تعالیٰ، پہلے انبیاء کرام علیہم السلام، رسول اللہ ﷺ و صحابہ کرام رضی اللہ عنہم، علمائے امت اور مشاہدات کا قطعی فیصلہ ہے کہ، کفر و شرک اور جرائم سے معاشرہ کو پاک کرنے اور دنیا میں اللہ کے دین کو غالب کرنے کیلئے صرف زبانی تبلیغ کافی نہیں، جب تک قتال کے ذریعہ کفار کی بڑی بڑی حکومتوں کی شان و شوکت نہ توڑی جائے۔ اس وقت تک نہ عام کفار اسلام کی حقانیت پر سنجیدگی سے غور کر سکتے ہیں اور نہ مسلمان معاشرہ ان کفار کے تسلط، سائنسی ترقی اور مکروہ پروپیگنڈوں اور سازشوں سے پھیلائے ہوئے فواحش و منکرات سے پاک ہو سکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس حقیقت کو سمجھنے کی توفیق عطا فرمائے اور نافع بنائیں۔

آمین۔ ثم آمین یَارَبَّ الْعٰلَمِیْن

میری گزارش:

حضرت اقدس مفتی رشید احمد لدھیانوی دامت برکاتہم کے ان علمی ارشادات کے بعد بندہ عرض کرتا ہے کہ، شریعت کے احکام اور مسائل محض مثالوں اور بے تکے ڈھکوسلوں سے نہ بنتے ہیں اور نہ ہی بدلتے ہیں۔ اگر ایسے ڈھکوسلوں سے کام چلتا تو دیکھئے۔ رافضی ملنگ دھڑنگ بھی دعویٰ کرتے ہیں کہ اصل سیّد تو ہم ہیں جب کہا جائے کہ بہت سے سنی بھی تو سیّد ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں تو وہ کہتے ہیں

"کاٹھ دی کنی نئی تے کوئی سیّد سنی نئی"

یہ پنجابی محاورہ ہے۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ جس طرح لکڑی کی ہنڈیا نہیں ہو سکتی اسی طرح کوئی سُنی سیّد بھی نہیں ہو سکتا اب ظاہر ہے کہ ڈھکوسلوں سے شریعت کا حکم نہیں بدل سکتا۔

مجھے اس موقع پر زمانہ طالبعلم کا ایک لطیفہ یاد آیا کہ، جب میں جامعہ امدادیہ فیصل آباد میں پڑھتا تھا اور ہم سبق دوستوں میں اس کا ذکر کیا ہے۔ تو میرے ہم سبق ایک دوست مولانا سعید احمد صاحب (جو کہ اس وقت جامعہ امدادیہ میں ہی مدرس ہیں ماشاء اللہ بڑے ذی استعداد اور نیک ہیں میری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان سے خوب دین کا کام لے آمین) نے برجستہ کہا:

پانی دا، دیا نئی تے کوئی سیّد شیعہ نئی"

کہ جس طرح پانی کا دیا نہیں ہو سکتا اسی طرح کوئی سید شیعہ بھی نہیں ہو سکتا۔

اس طرح کیمونسٹ جو کہ اپنی ماں، بہن اور بیٹی کو جنسی خواہش کیلئے، معاذ اللہ قابلِ استعمال سمجھتے ہیں اور دلیل یہ دیتے ہیں جب گھر کے اندر سیب ہوں، تو بازار سے خرید کر لانے کی کیا ضرورت ہے؟ آخر ہماری اپنی بہن اور دوسرے کی بہن میں کیا فرق ہے؟ چچا کی بیٹی اور اپنے باپ کی بیٹی، یعنی اپنی بہن کا، دادا تو ایک ہے، ایک ہی خون ہے جب ایک ہی دادا کے بیٹے، یعنی چچا کی بیٹی سے مجامعت جائز ہے، تو پھر اپنے باپ کی بیٹی سے مجامعت کیوں درست نہیں۔

اسی بناء پر تو عیسائیوں کے ہاں چچا کی بیٹی سے نکاح حرام ہے، میں نے صرف دو مثالیں عرض کی ہیں جس سے آپ یہ سمجھ سکتے ہیں کہ صرف مثالوں سے کام چلتا تو بات کہاں تک پہنچ جاتی۔

تجزیہ: مگر میں اس مثال کا تجزیہ کرنا ضروری سمجھتا ہوں، وہ یوں کہ میرے بھائی! اس میں شک نہیں کہ موم بتی جلانے سے ہی اندھیرا خود بخود ختم ہو جاتا ہے، مگر یہ تب ہے کہ موم بتی جلتی بھی رہے، جس طرح معمولی

سی موم بتی بہت بڑے اندھیرے کو ختم کر دیتی ہے، تو بہت بڑی موم بتی کو معمولی سی ہوا بھی ختم کر دیتی ہے اور اس شریعت کو بند کمرے کی تاریکی دور کرنے کے لئے موم بتی بنا کر نہیں بھیجا گیا، بلکہ پوری دنیا کے بر و بحر، دشت و صحرا کی تاریکیوں کو دور کرنے کیلئے سورج اور کفر و شرک کے طوفانوں کو روکنے کیلئے آہنی بند اور رسوم و رواج کی آندھیوں کا مقابلہ کرنے کیلئے تند و تیز ہوا اور منکرات و فواحش کے سیلاب سے ٹکرانے کیلئے چٹان بنا کر بھیجا ہے۔

یوں شریعت مطہرہ کو چھوٹی چھوٹی مثالوں میں بند کر کے شریعت بیضا کی توہین مت کرو اور دوسروں کے ایمان کی فکر میں، اپنے ایمان کو برباد مت کرو۔

اللہ تعالیٰ ہم کو شریعت پر عمل کرنے اور اس کی کماحقہ تبلیغ کرنے کی توفیق دے۔ آمین یَارَبَّ الْعٰلَمِیْنَ۔

☆☆☆

اعتراض(۷)

آج خیر الامت ہونے کی تشریح، عام طور پر بعض کم فہم لوگ یہ کرتے ہیں کہ، لوگوں کو دین کی طرف بلاؤ، نماز، روزہ کی بات کرو اور کہتے ہیں کہ لوگوں کو ترغیب دے کر، فضائل سنا کر دین کی طرف مائل کرنا ہی اس امت کا کام ہے اور اسی وجہ سے یہ امت خیر الامت ہے لہٰذا علماء جو کہ مسجد کے منبر کے خطیب ہیں یا مدارس میں تدریس کرتے ہیں یا وہ مشائخ جو خانقوں میں بیٹھ کر اللہ اللہ کرنا سکھاتے ہیں یا مجاہدین جو میدانِ جہاد میں جا کر اپنی جانیں پیش کرتے ہیں ان کو یہ بات سمجھ نہیں آرہی، خواہ مخواہ اپنا وقت ضائع کرتے ہیں اس لئے ان کو بھی چاہئے دعوت و تبلیغ کے نام سے ہونے والے کام میں جڑیں اور خیر الامت ہونے کا مصداق بنیں۔

جواب نمبر ا:

امت محمدیہ علیٰ صاحبہا الصلوۃ والسلام کے خیر الامم ہونے کی یہ وجہ جو عام طور پر بیان کی جاتی ہے قطعی طور پر غلط ہے اور قرآن وسنت کو نہ سمجھنے کی دلیل ہے اور غور سے دیکھا جائے، تو دعوت و تبلیغ کے نام سے ہونے والے کام کو دین کی روح قرار دینا اور اصل سمجھ کر باقی سب کو بے کار سمجھنا صریح غلطی ہے، بلکہ یہ دین کی توہین ہے، جس سے ایمان کے ضائع ہونے کا خطرہ ہے، اس سے علماء، مشائخ اور مجاہدین کی توہین کا پہلو نکلتا ہے جو کہ بہت بڑی بے ادبی گستاخی اور محرومی کی بات ہے۔

آیئے اب غور کیجئے اور دیکھئے کہ اس امت کے خیر الامت ہونے کی کیا وجہ ہے۔

خیر الامۃ ہونے کی وجہ:

(ا) حضرت مفتی اعظم پاکستان مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ آیت

كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَتُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ۔ (سورۃ آل عمران، آیت ۱۱۰) کے تحت اپنی تفسیر میں لکھتے ہیں۔

اس آیت میں امتِ محمدیہ کے خیر الامم ہونے کی وجہ یہ بیان فرمائی ہے کہ، یہ اللہ کی مخلوق کو نفع پہنچانے ہی کیلئے وجود میں آئی ہے اور اس کا سب سے بڑا نفع یہ ہے کہ، اللہ کی مخلوق کی روحانی اور اخلاقی فکر اس کا منصبی فریضہ ہے اور سب سے زیادہ امر بالمعروف ونہی عن المنکر کی تکمیل اس امت کے ذریعہ ہوئی اگرچہ امر بالمعروف ونہی عن المنکر کا فریضہ پچھلی امتوں پر بھی عائد تھا، جس کی تفصیل احادیثِ صحیحہ میں مذکور ہے، مگر اوّل تو پچھلی بہت سی امتوں میں جہاد کا حکم نہیں تھا، اس لئے ان کا امر بالمعروف ونہی عن المنکر صرف دل اور

زبان سے ہو سکتا تھا، امت محمدیہ ﷺ میں اس کا تیسرا درجہ ہاتھ کی قوت سے امر بالمعروف کا بھی ہے، جس میں جہاد کی تمام اقسام بھی داخل ہیں اور بزور حکومت اسلامی قوانین کی تنفیذ بھی اس کا جز ہے۔(معارف القرآن ص ۱۵۰،ج۲)

امت خیر الوراء ہے اس لئے خیر الامم اسکی دعوت کے عقب میں قوتِ تلوار ہے

جواب نمبر۲:

كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاس کی تشریح اور تفسیر میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت سنئے۔

قَالَ خَيْرُ النَّاسِ يَأْ تُوْنَ بِهِمْ فِيْ السَّلَاسِلِ فِيْ اَعْنَاقِهِمْ حَتّٰى يَدْخُلُوْافِىْ الْاِسْلَامِ۔

(صحیح بخاری ج۲)

لوگوں میں سب سے بہتر دوسروں کے حق میں وہ لوگ ہیں جو کفار کو گردنوں میں زنجیریں ڈال کر قید کر کے لاتے ہیں یہاں تک کہ وہ کفار(ان کے اس عمل کی برکت سے)اسلام میں داخل ہو جاتے ہیں۔

جواب نمبر۳:

اس آیت کریمہ میں امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا ذکر ہے اور موجودہ دعوت و تبلیغ میں امر بالمعروف و نہی عن المنکر نہیں بلکہ التماس اور گزارش ہے۔

جس کو اس آیت کا مصداق قرار دینا ہی تردد سے خالی نہیں۔(تفصیل کے لئے دیکھئے بحث امر و نہی)

جواب نمبر۴:

اس آیت کے دو جزء ہیں ایک امر بالمعروف دوسرا نہی عن المنکر، جب کہ دعوت و تبلیغ والے حضرات صرف ایک جزو پر عمل کرتے ہیں، وہ بھی اس صورت میں کہ ان کی اس تحریک کو امر بالمعروف تسلیم کر لیا جائے، جب کہ اس کے امر بالمعروف ہونے میں ہی تردد ہے۔

ملحوظہ: مگر اس ساری گفتگو کا مقصد ہر گز یہ نہیں ہے کہ، میں دعوت و تبلیغ کے کام کی افادیت یا اہمیت کا قائل نہیں ہوں۔ بلکہ دعوت و تبلیغ کی افادیت اور اہمیت کا قائل ضرور ہوں، کیوں کہ پوری دنیا میں اس مبارک کام کے ثمرات و فوائد کھلی آنکھوں سے محسوس کئے جارہے ہیں اور ان فوائد و ثمرات کا انکار کرنا بہت بڑی زیادتی ہے، مگر اسکی وجہ سے کسی فریضے کی تنقیص و توہین ہو، یہ بھی بہت مشکل ہے کیونکہ ہم تمام اعمالِ شریعت میں فرقِ مراتب کے قائل ہیں۔

اعتراض(۸)

تمہید:

شریعت مطہرہ کے احکام دو قسم کے ہیں بعض تو ایسے ہیں کہ جن کی ذات ہی میں حسن اور خوبی ہے جیسے اللہ تعالیٰ کا ذکر، نماز، وغیرہ کیونکہ اس میں عاجزی، تواضع اور شکرِ منعم و محسن ہے جو کہ عینِ عبدیّت ہے اور ایسے احکام کو حَسَنٌ لِعَیْنِہٖ کہتے ہیں اور دوسری قسم ان احکام کی ہے جن کی ذات میں خوبی اور حسن نہیں ہے، بلکہ وہ کسی دوسرے ایسے حکمِ شرعی کا ذریعہ بنتے ہیں، جن کی ذات میں حسن ہوتا ہے، جیسے وضو کہ بار بار وضو کرنا اور ہاتھ منہ وغیرہ صاف ہونے کے باوجود بھی وضو کرنا پانی کا ضیاع ہے اور پانی نہ ہونے کی صورت میں تیمم کرنا، جس سے مٹی میں ملوّث اور آلودہ ہونا ہے، مگر یہ چونکہ ذریعہ ہیں نماز کا جس کی ذات میں ہی حسن ہے، اس لئے شریعت مطہرہ نے ان کے اندر بھی حسن اور خوبی کو تسلیم کر لیا اور ایسے احکام کو حَسَنٌ لِغَیْرِہٖ کہتے ہیں۔

مقصد:

جہاد کی ذات میں کوئی خوبی اور حسن نہیں ہے، کیونکہ جہاد میں خون گرتا ہے محترم انسان کا قتل ہوتا ہے اور انسانی اعضاء کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیئے جاتے ہیں، جس سے انسانیت کی تذلیل ہوتی ہے، آبادیاں ویرانیوں میں بدل جاتی ہیں، سہاگ اجڑتے ہیں، بچے یتیم ہوتے ہیں یہ کوئی اچھی بات نہیں ہے۔

مگر چونکہ یہ ذریعہ ہے دین اسلام کی اشاعت کا اور اسلام تو سراپا خوبی و سراپا حسن ہے، اس لئے جہاد کے حسن کو بھی تسلیم کر لیا گیا ہے، تو اصل چیز اشاعتِ اسلام ہوئی نہ کہ جہاد۔

اور دعوت و تبلیغ کے نام سے ہونے والا کام براہِ راست اشاعتِ اسلام اور حَسَنٌ لِعَیْنِہٖ ہے اور جہاد اشاعتِ اسلام کا ذریعہ اور حَسَنٌ لِغَیْرِہٖ ہے لہٰذا جو لوگ حَسَنٌ لِعَیْنِہٖ یعنی دعوت و تبلیغ کر رہے ہیں، چونکہ وہ شریعت کے سب سے اعلیٰ حکم میں مصروف ہیں، اس لئے جہاد کے فضائل کے اصل اور اوّلین مستحقّین بھی یہ لوگ ہیں۔

لہٰذا اگر دعوت و تبلیغ کرنے والے حضرات جہاد میں نہ جائیں، تو وہ جہاد کو چھوڑنے پر وعیدوں کے مستحق بھی نہ ہوں گے، اور نہ ہی ان کو تارکین جہاد کہا جا سکتا ہے۔

بلکہ دعوت و تبلیغ کو چھوڑ کر جہاد میں جانا تو، اعلیٰ عبادت کو چھوڑ کر ادنیٰ اور اصل کو چھوڑ کر فرع اور حَسَنٌ لِعَیْنِہٖ کو چھوڑ کر حَسَنٌ لِغَیْرِہٖ کی طرف جانا ہے۔

جواب نمبر ۱:

شریعت مطہرہ کے تمام احکام میں خوبی اور حسن ہی حسن ہے کسی میں نقص یا عیب نہیں ہے اور یہ حَسَنٌ لِعَیْنِہٖ اور حَسَنٌ لِغَیْرِہٖ کی تقسیم بھی فقہا کرام نے ہم جیسے نالائقوں کیلئے فرمائی ہے، تاکہ احکامِ شریعت میں سے ہر ایک کا مرتبہ اور مقام معلوم ہو، اور ہر کسی کو اس کے درجہ کے مطابق اہمیت دی جائے، مگر ان میں سے کسی ایک کی توہین و تنقیص کرنا، ایمان کی بربادی کا ذریعہ ہے۔

جواب نمبر ۲:

اس میں تو شک نہیں کہ جہاد حَسَنٌ لِغَیْرِہٖ ہے مگر دعوت و تبلیغ حَسَنٌ لِعَیْنِہٖ نہیں ہے، بلکہ حَسَنٌ لِعَیْنِہٖ "اِعلاء کلمۃ اللہ" ہے اور جہاد "اعلاء کلمۃ اللہ" کا ذریعہ ہے جیسا کہ حدیث پاک میں تصریح ہے

مَنْ قَاتَلَ لِتَكُوْنَ كَلِمَةُ اللّٰهِ هِيَ الْعُلْيَا فَهُوَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ" (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

اس لئے صرف اس بناء پر جہاد سے دوری اختیار کرنا کہ جہاد حَسَنٌ لِغَیْرِہٖ ہے اور موجودہ دعوت و تبلیغ پر صرف اس بناء پر اکتفا کرنا کہ یہ حَسَنٌ لِعَیْنِہٖ ہے، اور پھر مزید اس پر یہ کہ جہاد کی اہمیت کو ختم کرنا اور ترکِ جہاد کے جرم کو تسلیم نہ کرنا، بلکہ خوش ہونا اور بغلیں بجانا کہ زخمی اور قتل ہونے سے جان چھوٹی اور وہ سارے جہاد والے فضائل، بلکہ اس سے بھی بڑھ کر حاصل ہوگئے، تو یہ ظلمِ عظیم اور اپنے آپ کو دھوکہ میں ڈالنے کے مترادف ہے۔

جواب نمبر ۳:

جہاد اگرچہ حَسَنٌ لِغَیْرِہٖ ہے مگر اس سے جہاد کی اہمیت ختم نہیں ہوئی، کیونکہ یہ اعلاء کلمۃ اللہ کیلئے موقوف علیہ ہے اور جتنا مقصد بلند ہوتا ہے، اسی نسبت سے اس کے موقوف علیہ کی اہمیت زیادہ ہوتی ہے، کیونکہ موقوف علیہ کی حیثیت بنیاد کی ہوتی ہے اور کوئی منزل اور عمارت بغیر بنیاد کے قائم نہیں کی جاسکتی۔

مثال: اگر کوئی شخص عمارت کھڑی کرنا چاہے سنگ مرمر اور آئینے سے، مگر وہ بنیاد میں پڑنے والے کنکریٹ، لوہے اور بجری کو محض اس وجہ سے نظر انداز کردے کہ، میرا مکان تو سنگ مرمر کا ہے، جو کہ بہت خوبصورت ہے اور یہ لوہا اور کنکریٹ تو گندے ہیں، میں انہیں اپنے مکان کی بنیاد میں کیوں استعمال کروں۔

تو اس کو کہا جائے گا کہ، احمق اگر اپنے مکان کو مضبوط کرنا چاہتے ہو اور دیر پار کھنے کا ارادہ ہے تو، پھر اس کنکریٹ کے بغیر مکان کی تعمیر کا تصور بھی نہ کرنا، ورنہ تمہارا مکان تو ہوا کے جھونکے کو بھی برداشت نہ کر پائے گا۔

اس طرح اسلام کی بنیاد میں جہاد فی سبیل اللہ میں بہنے والا خون اور جسم کے ٹکڑے جو اگرچہ طبیعتوں پر ناگوار گزرتے ہیں، نہ ہوتے تو اسلام کی عمارت بہت کمزور ہوتی، مگر ہمارے پیارے نبی ﷺ نے خود اپنے چچا سید الشہداء حضرت حمزہؓ، مصعب بن عمیرؓ جیسے شہزادوں کے خون پر اسلام کی بنیادیں کھڑی کیں، تو اسلام زندہ ہے اور زندہ رہے گا ان شاء اللہ۔

گو ظاہراً ہے تلخ مگر رشکِ قند ہے
دراصل یہ جہاد خدا کو پسند ہے

جواب نمبر ۴:

دیکھئے وضو بھی تو حَسَنٌ لِغَیرِہٖ اور نماز کا ذریعہ ہے، اب اگر کوئی شخص یہ کہے کہ، میرا جسم تو صاف ہے ابھی ابھی غسل کیا ہے، اگر تھوڑی سی ہوا خارج ہوگئی، تو کیا ہوا وضو کا مقصد تو جسم کی صفائی اور طہارت ہے، جو کہ مجھے حاصل ہے، لہذا میں تو وضو نہیں کرتا تو کیا اس کی نماز قابل قبول ہوگی؟

نہیں ہوگی اور ہرگز نہیں ہوگی۔ کیونکہ وضو اگرچہ حَسَنٌ لِغَیرِہٖ ہے مگر یہ نماز کیلئے موقوف علیہ بھی ہے ۔جب تک موقوف علیہ نہ ہوگا، تو موقوف کا وجود بھی نہ ہوگا۔ بعینہ اسی طرح اگر جہاد نہ ہوگا، تو قسم اس خدا کی جس نے اس امت پر جہاد کو فرض قرار دیا اعلاء کلمۃ اللہ بھی ہرگز ہرگز نہ ہوگا۔

جواب نمبر ۵:

جہاد کے بغیر اعلاء کلمۃ اللہ آج تک ہوا، نہ آئندہ قیامت تک ہوگا، چند لوگوں کے کلمہ پڑھ کر اسلام میں داخل ہو جانے اور مسلمانوں ہی کی طرح نمازی، روزے دار بلکہ ممکن حد تک باشرع بن جانے کا نام اعلاء کلمۃ اللہ نہیں ہے۔ کیونکہ اعلاء کلمۃ اللہ کا مطلب ہے، اسلام کا غلبہ ہونا یعنی قانونِ اسلامی غالب ہو اور احکامِ اسلامیہ کا نفاذ ہو خلاصہ یہ کہ چند لوگوں کا مسلمان ہو جانا، یا چند مسلمانوں کا دیندار بن جانا اور بات ہے اور مسلمانوں کا بحیثیت مسلمان غالب ہونا اور اللہ کے قانون کا حکومتی سطح پر نافذ ہونا اور بات ہے۔

اور دونوں باتوں میں فرق نہ کرنا اور فرق نہ سمجھنا بہت بڑی بے وقوفی اور نادانی ہے۔

مثال:

کسی علاقہ میں ایک نواب رہتا ہے، اور لاکھوں کی تعداد میں اس کی رعیت بھی رہتی ہے اور وہ نواب کافر ہے، مگر رعایا ساری مسلمان ہے، جو کہ نماز، روزہ، زکوۃ حج و ذکر واذکار کی پابند بھی ہے، تو کیا آپ یہ کہ سکتے ہیں کہ یہاں مسلمانوں کا غلبہ اور دین کو اعلاء حاصل ہے؟

ہر گز نہیں، کیوں؟ وجہ صاف ظاہر ہے کہ جب ان لاکھوں مسلمانوں پر حکمران کافر اور قانون بھی کافروں کا نافذ ہوتا ہے، تو اسلام کا غلبہ کیسے ہوا؟ بلکہ یہ تو وہاں رہنے والے مسلمانوں کی توہین اور تذلیل ہے کہ ، تعداد میں کئی لاکھ ہونے کے باوجود بھی ایک کے سامنے بے بس ہیں۔

بخلاف اس کے اگر کسی جگہ پر نواب مسلمان ہیں اور اس کے ماتحت لاکھوں کفار ہیں جو کہ اپنے مذہب پر عمل کرتے ہیں، مگر اسلامی قانون نافذ ہے اور وہ کوئی ایسی حرکت نہیں کر سکتے جس کی شریعت نے ذمیوں کو بھی اجازت نہیں دی، تو آپ کہہ سکتے ہیں کہ یہاں پر مسلمان اگرچہ تھوڑے یا بالکل نہیں ہیں، مگر اسلام غالب ہے اور اعلاء کلمۃ اللہ حاصل ہے۔

خلاصہ کلام:

اصولِ فقہ کی کتب میں فقہانے اس بات کی تصریح فرمادی ہے کہ :

اَلْجِہَادُ حَسَنٌ بِوَاسِطَۃِ دَفْعِ شَرِّالْکَفَرَۃِ وَاِعْلَاءِ کَلَمَۃِ الْحَقِ(اصول الشاشی)

جہاد کی غرض ہے کفار کے شر کو دفع کرنا اور کلمۃ حق یعنی اسلام کا غلبہ۔

اب آپ خود ہی بنظرِ انصاف دیکھ لیجئے کہ، کیا یہ دونوں چیزیں یعنی کفار کا شر دور کرنا اور اسلام کا غلبہ جہاد کے بغیر حاصل ہو رہا ہے یا ہو سکتا ہے؟ آخر ہم کتنی تبلیغ کرلیں ہمارے اخلاق کتنے اچھے ہو جائیں، ہمارے دل میں دین کے مٹنے کا کتنا ہی درد پیدا ہو جائے، مگر کیا العیاذ باللہ ہم ان تمام چیزوں میں، حضرت پاک ﷺ اور صحابہ رضی اللہ عنہم سے آگے نکل سکتے ہیں نہیں نہیں اور ہر گز نہیں، تو پھر جب ان حضرات کو بھی تلوار اٹھانی پڑی تو، یہ کیسے ممکن ہے کہ ہم تلوار اٹھائے بغیر کفار کے شر کو دفع کرلیں اور اسلام کو بھی غالب کر دیں؟

اور فقہاء نے اس بات کی بھی تصریح فرمائی ہے۔

لَوْلَا الْکُفْرُ الْمُفْضِیْ اِلٰی الْحَرْبِ لَایَجِبُ عَلَیْہِ الْجِہَادُ(اصول الشّاشی)

یعنی جب ایسا کفر جو کہ جنگ کا سبب بنتا ہے ختم ہو جائے تو جہاد بھی ضروری نہیں رہتا۔

آپ غور فرمائیں کہ، کیا آج کفر جو جنگ کا سبب اور باعث ہے ختم ہو گیا ہے کہ، ہم جہاد چھوڑ دیں، جب ایسے غلیظ کفار موجود ہیں، جو کہ اسلام اور شعائر اللہ کی توہین کر رہے ہیں اور مسلمانوں کی عزتوں سے کھیل رہے ہیں اور عصمتوں کو برباد کر رہے ہیں تو کیا ایسے کفر کے ہوتے ہوئے، آپ یہ کہہ سکتے ہیں کہ ہم جہاد ترک کر کے بھی جہاد کے فضائل حاصل کر رہے ہیں؟

اس لئے جب تک کفار شرارتوں سے باز نہیں آتے اور جزیہ دے کر زندگی نہیں گزارتے اور اسلام غالب نہیں ہوتا، اللہ تعالیٰ کا قانون نافذ نہیں ہوتا، اس وقت تک جہاد ختم نہ ہو گا۔ اور موجودہ دعوت و تبلیغ کو جہاد سے افضل تو کجا جہاد کے برابر سمجھنا بھی صریح غلطی، نادانی اور حماقت ہے۔

فائدہ:

اصولِ فقہ کی کتب میں فقہا کرام رحمۃ اللہ علیہم اجمعین نے اس بات کی بھی تصریح فرمائی ہے کہ، وضو اور جہاد دونوں حَسَنٌ لِغَیْرِہٖ ہیں مگر دونوں میں فرق ہے وہ یہ کہ وضو میں حسن نماز کی وجہ سے ہے، اور وضو کے بعد نماز کو الگ ادا کرنا پڑتا ہے، صرف وضو کرنے سے نماز ادا نہیں ہوتی۔

مگر جہاد میں حسن اعلاء کلمۃ اللہ کی وجہ سے ہے اور جہاد کے بعد اعلاء کلمۃ اللہ کی الگ سے محنت کرنے کی ضرورت نہیں، بلکہ جہاد ہو گا تو اعلاء کلمۃ اللہ خود بخود ہو جائے گا۔

اس لئے ہماری گزارش ہے کہ اعلاء کلمۃ اللہ کی اپنی طرف سے تشریح کرنے کی بجائے اعلاء کلمۃ اللہ کی وہی تشریح کریں، جو شریعت نے کی ہے اور اعلاء کلمۃ اللہ کیلئے وہی محنت کریں جو شریعت نے بتلائی ہے۔

اللہ تعالیٰ ہمیں حق کہنے حق سننے حق سمجھنے اور حق پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

آمین یَارَبَّ الْعٰلَمِیْن۔۔

☆☆☆

اعتراض(۹)

اَلْمُجَاهِدُ مَنْ جَاهَدَ نَفْسَهٗ فِيْ طَاعَةِ اللّٰهِ(ابن ماجہ)

اس حدیث شریف میں مجاہدہ نفس کو جہاد سے تعبیر فرمایا بلکہ اس سے ایک درجہ بڑھ کر فرمایا کہ مجاہد تو وہی ہوتا ہے جو اپنے نفس کے خلاف جہاد کرے یعنی اصل اور اعلیٰ درجہ کا جہاد جہاد بالنفس ہے نہ کہ قتال لہٰذا صرف قتال کو جہاد فی سبیل اللہ قرار دینا درست نہیں ہے۔

جواب نمبرا:

حدیث شریف کا مطلب یہ ہے کہ اصلی اور حقیقی مجاہد وہ ہے جو اپنے نفس کو اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور فرمانبرداری میں ڈالے رکھے۔ یعنی جہاد تب جہاد ہوگا جب اللہ تعالیٰ ہی کی رضا کیلئے ہو اگر کسی اور مقصد کیلئے قتال کیا گیا مثلاً قومیت، عصبیت، وطنیت، ریا یا شہرت کی خاطر ہو تو یہ ہر گز جہاد نہیں ہوگا۔

گویا اس حدیث شریف میں اصل قید فِيْ طَاعَةِ اللّٰہ ہے جس کا لحاظ رکھا گیا ہے۔ یہ بالکل ایسے ہی ہے جیسا کہ ایک دوسری روایت میں ہے حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک شخص حضرت پاک ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس نے عرض کیا کہ یارسول اللہ ﷺ ایک شخص غنیمت کیلئے لڑتا ہے دوسرا شہرت اور ریاکاری کیلئے تیسرا اپنی بہادری دکھانے کیلئے لڑتا ہے تو ان میں سے اللہ تعالیٰ کے راستہ میں لڑنے والا کون شمار ہوگا۔

آپ ﷺ نے فرمایا: مَنْ قَاتَلَ لِتَكُوْنَ كَلِمَةُ اللّٰهِ هِيَ الْعُلْيَا فَهُوَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ (مشکوٰۃ)

کہ جو شخص اس لئے لڑتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا کلمہ بلند ہو تو صرف وہی اللہ کے راستہ میں لڑنے والا شمار ہوگا۔

جواب نمبر۲:

اور اگر حدیث شریف کا مطلب یہ لیا جائے جو عام طور پر لیا جاتا ہے یعنی کامل مجاہد وہ ہے جو اپنے نفس کے خلاف جہاد کرے تو آپ غور فرمائیں کہ جس طرح ایک مجاہد اپنے نفس کے خلاف مجاہدہ کرتا ہے۔ کہ گھر سے بے گھر ہونا، والدین، اولاد، اعزہ و اقارب سے دوری، بیوی کی جدائی، مال و دولت کی قربانی، بلکہ اپنی اولاد کو میدانِ جہاد میں ڈال کر موت کے منہ کے سامنے کر دینا اور سخت گرمیوں، سخت سردیوں میں حالتِ جنگ کے خوف میں نمازوں کا اہتمام، گھروں سے بے گھر ہو کر اپنے اوپر قابو رکھتے ہوئے حدود شریعت کا خیال کرنا، اپنی سب سے قیمتی چیز جان کو خطرات میں ڈال کر اللہ تعالیٰ کی رضا کی تلاش کرنا کیا اس کی کوئی مثال پیش کر سکتا

ہے؟ تو نفس کے خلاف جہاد بھی تو مجاہد سب سے بڑھ کر کرتا ہے۔

یہ انجمادِ لہو باعثِ فساد ہی ہے   جہادِ نفس کا مطلب بھی تو جہاد ہی ہے

جواب نمبر ۳:

اور اگر حدیث شریف کا مطلب یہ لیا جائے کہ اصل اور کامل مجاہد وہ ہے جو اپنے نفس کے خلاف جہاد کرے یعنی میدانِ جنگ گرم ہو مسلمانوں کی عزتوں، مال، جان، ماؤں بہنوں کی عصمت و ناموس کو خطرہ لاحق ہو، اور مسلمانوں کو حضرت کے خون کی ضرورت ہو اور حضرت پسینہ دینے سے بھی گریز کرتے ہوں، شریعت میدان میں آنے کا تقاضا کرے اور حضرت اپنے حجرہ کا دروازہ کھولنے پر بھی آمادہ نہ ہوں کہ ہم نفس کی اصلاح میں مصروف ہیں۔

تو غور کیجئے، انصاف کیجئے، سچ بتائیے اور فیصلہ کریں کیا یہ نفسِ امّارہ کی شرارت ہے یا نفس مطمئنہ کی عبادت، خدا پرستی ہے یا خواہش پرستی، تو یہ کتنا بڑا ابلیس لعین کا دھوکہ ہے اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس سے محفوظ رکھے۔ آمین

جواب نمبر ۴:

اگر کوئی شخص ارکانِ ایمان کا بھی اقرار نہ کرے اور یہ کہے کہ مومن ہونے کیلئے اللہ تعالیٰ کی ذات، رسالت محمد ﷺ، ملائکہ، قیامت، تقدیر، عذابِ قبر پر عقیدہ رکھنے کی ضرورت نہیں بلکہ کامل مومن تو وہ ہے جس سے لوگوں کی جانیں اور اموال محفوظ ہوں اور دلیل کے طور پر یہ حدیث شریف پیش کرے۔

وَالْمُؤْمِنُ مَنْ اَمِنَهُ النَّاسُ عَلٰى دِمَائِهِمْ وَاَمْوَالِهِمْ" "

کامل مومن تو وہ ہے جس سے لوگوں کی جانیں اور اموال محفوظ ہوں۔

یا کوئی شخص کلمہ طیبہ کا بھی اقرار نہ کرے اور یہ کہے کہ مسلمان ہونے کیلئے ارکان اسلام پر عقیدہ رکھنے کی ضرورت نہیں بلکہ کامل مسلمان تو وہ ہے جس کی زبان اور ہاتھ سے لوگ محفوظ ہوں اور بطور دلیل کے یہ حدیث شریف پیش کرے:

ا لْمُسْلِمْ مَنْ سَلِمَ الْمُسْلِمُوْنَ مِنْ لِّسَانِہٖ وَيَدِہٖ

کامل مسلمان تو وہ ہے جس کی زبان اور ہاتھ سے لوگ محفوظ ہوں۔

یا کوئی شخص اللہ تعالیٰ کے دین کیلئے اپنا وطن چھوڑنے والوں کی اہمیت و فضیلت کا انکار شروع کر دے اور یہ کہے کہ اصل مہاجر تو وہ ہے جو گناہوں کو چھوڑ دے اور دلیل کے طور پر یہ حدیث شریف پیش کرے:

وَالْمُہَاجِرُمَنْ ھَجَرَ الْخَطَایَ و الذُّنُوْبَ

اصل مہاجر تو وہ ہے جو گناہوں کو چھوڑ دے۔

تو آپ ایسے بدعقیدہ اور بے دین لوگوں کیلئے کیا کہیں گے؟ ظاہر ہے کہ ان جملوں کا مطلب یہ ہے کہ عقائدِ صحیحہ کے ساتھ ساتھ مومن کو چاہئے کہ حقوق العباد کا خیال بھی کرے جس طرح حقوق اللہ کی ادائیگی کرنے والے مسلمانوں کو حقوق العباد کی رعایت سے غافل نہ ہونا چاہئے اور اللہ تعالیٰ کے دین کی خاطر اپنا وطن اور ملک چھوڑنے والوں کو گناہ بھی چھوڑنے چاہئیں اسی طرح اللہ تعالیٰ کے راستے میں قتال کرنے والے کو بھی حدود شریعت کی رعایت کرنی چاہئے۔

مکمل حدیث شریف یوں ہے جو کہ بطور برکت اور فائدہ کے لکھی جاتی ہے۔

عَنْ فُضَا لَۃَ بْنِ عُبَیْدٍؓ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ فِیْ حَجَۃِ الْوِدَاعِ اَلَا اُخْبِرُکُمْ بِالْمُوْمِنِ مَنْ اَمِنَہُ النَّاسُ عَلٰی دِمَائِہِمْ وَاَمْوَالِہِمْ وَالْمُسْلِمُ مَنْ سَلِمَ الْمُسْلِمُوْنَ مِنْ لِسَانِہٖ وَیَدِہٖ وَالْمُجَاھِدِ مَنْ جَاھَدَ نَفْسَہُ فِیْ طَاعَۃِ اللّٰہِ وَالْمُھَاجِرِمَنْ ھَجَرَ الْخَطَایَاوَالذُّنُوْبَ۔ (ابن ماجہ کتاب الفتن)

فائدہ جلیلہ: (جہاد بالنفس کی حقیقت اور ایک مغالطہ)

جہاد بالنفس کا معنی یہ ہے کہ اپنے نفس اور جان کو لے کر میدانِ جنگ میں کود پڑنا ہے جس طرح جہاد بالمال کا معنی ہے اپنے مال کو اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرنا۔

دیکھئے آیت:

اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَہَاجَرُوْا وَجَاہَدُوْابِاَمْوَالِھِمْ وَاَنْفُسِہِمْ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہ (سورۃ انفال ، آیت نمبر۷۲)

اور حدیث شریف:

اَلْقَتْلٰی ثَلٰثَۃٌ مُوْمِنٌ جَاہَدَ بِنَفْسِہٖ وَمَالِہٖ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہ

قرآن وسنت میں جہاں بھی جہاد بالنفس اور جہاد بالمال آیا ہے وہاں یہ معنی ہی مراد ہے۔ مگر آج کل جہاد بالنفس کا معنی عام طور پر یہ لیا جارہا ہے کہ نفس کے خلاف جہاد کرو، نفس کی خواہشات کے خلاف جہاد کرو مگر یہ تشریح جہاد بالمال کی کیوں نہیں کی جاتی۔

اے کاش جدید دور کا کوئی دانشور اس فلسفہ پر بھی روشنی ڈالے۔

☆☆☆

اعتراض(۱۰)

قَدِمَ عَلٰی رَسُوْلِ اللّٰہِ ﷺ قَوْمٌ غُزَاۃٌ فَقَالَ قَدِ مْتُمْ بِخَیْرٍ مَقْدَمٍ مِّنَ الْجِہَادِ الْاَصْغَرِ اِلَی الْجِہادِ الْاَکْبَرِ قِیْلَ وَمَا الْجِہادُ الْاَکْبَرُ قَالَ مُجَاہَدَۃُ الْعَبْدِ ھَوَاہُ

مجاہدین کی ایک جماعت حضرت پاک ﷺ کی خدمت میں آئی تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا تم جہاد اصغر سے جہاد اکبر کی طرف خوب بہتر طور پر لوٹ آئے ہو۔ کسی نے عرض کیا کہ جہاد اکبر کیا ہے؟ تو حضرت پاک ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ بندہ کا اپنی خواہشات کے خلاف جہاد کرنا۔ (تفسیر کشاف)

اس روایت میں اس بات کی تصریح ہے کہ حضرت پاک ﷺ نے اپنی زبانِ مبارک سے مجاہدہ اور اصلاحِ نفس کو جہاد ہی نہیں بلکہ جہاد اکبر فرمایا ہے اس روایت کی اس قدر وضاحت کے بعد تو جہاد فی سبیل اللہ کا معنی صرف قتال سے کرنا کسی طرح بھی درست نہیں ہے۔

جواب نمبر ا:

آیئے ہم نہایت اختصار کے ساتھ پہلے تو اس بات کا جائزہ لیتے ہیں کہ اس روایت کے بارے میں محدثینِ کرام کیا رائے رکھتے ہیں۔

صاحبِ مختصر علامہ محمد طاہر پٹنی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

رَجَعْنَامِنَ الْجِہَادِ الْاَصْغَرِ اِلٰی الْجِہَادِ الْاَکْبَرِ ضَعِیْفٌ۔ (تذکرۃ الموضوعات)

کہ یہ روایت ضعیف ہے۔

علامہ شمس الدین ذہبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

مُحَمَّدُ بْنُ زِیَادٍ یَّقُوْلُ سَمِعْتُ ابْنَ اَبِیْ عَبْلَۃَ وَھُوَ یَقُوْلُ لِمَنْ جَاءَ مِنَ الْغَزْوِقَدْ جِئْتُمْ مِّنَ الْجِہَادِ الْاَصْغَرِ اِلٰی الْجِہَادِ الْاَکْبَرِ جِہَادُ الْقَلْبِ (سِیَرُ اَعْلَامِ النُّبَلَاء)

یہ حدیث نہیں بلکہ ابراہیم ابن ابی عبلۃ کا قول ہے۔

علامہ سید محمود آلوسیؒ مفتی بغداد فرماتے ہیں

وَالْحَدِیْثُ الَّذِیْ ذَکَرَہٗ لَا اَصْلَ لَہٗ

اس حدیث کی کوئی اصل اور بنیاد نہیں ہے (روح المعانی ج ۳)

حضرت علامہ امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں

امَّاْ الْحَدِیْثُ الَّذِیْ یَرْوِیْہِ بَعْضُھُمْ اَنَّہٗ قَالَ فِیْ غَزْوَۃِ تَبُوْكَ رَجَعْنَامِنَ الْجِھَادِ الْاَصْغَرِ اِلٰی الْجِھَادِ الْاَکْبَرِ فَلَا اَصْلَ لَہٗ

اس روایت کی کوئی اصل اور بنیاد نہیں ہے۔

جواب نمبر۲:

اگر اس کو حدیث تسلیم کر لیا جائے تو یہ قرآن کریم کی کئی آیات مبارکہ کے خلاف ہو گی اور قرآن و حدیث کے درمیان تعارض تو ہر گز ممکن نہیں لہٰذا یہ کہنا پڑے گا کہ یہ حدیث ہے ہی نہیں۔

دیکھئے: فَضَّلَ اللّٰهُ الْمُجَاهِدِيْنَ بِاَمْوَالِهِمْ وَانْفُسِهِمْ عَلَى الْقَاعِدِيْنَ دَرَجَةً۔

(سورۃ النساء ، آیت نمبر۹۵)

اللہ تعالیٰ نے مال اور جان کے ساتھ جہاد کرنے والوں کا بنسبت گھر بیٹھنے والوں کے بہت زیادہ درجہ بلند فرمایا ہے۔

اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَہَاجَرُوْا وَجَاہَدُوْا فِیْ سَبِيْلِ اللّٰهِ بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ اَعْظَمُ دَرَجَةً عِنْدَ اللّٰهِ وَاُولٰٓئِكَ ہُمُ الْفَائِزُوْنَ۔(سورۃ التوبۃ، آیت نمبر ۲۰)

جو لوگ ایمان لائے اور ہجرت کی اور اللہ کی راہ میں اپنے مال اور جان سے جہاد کیا وہ اللہ کے نزدیک بہت بڑے درجہ میں ہیں اور یہی لوگ کامیاب ہیں۔

اگر اس کو حدیث تسلیم کر لیا جائے تو اس سے شریعت کے اہم فریضہ جہاد فی سبیل اللہ کی توہین لازم آتی ہے۔

علامہ محمد بن لطفی الصباغ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث ضعیف بلکہ علامہ عراقی کے فیصلہ کے مطابق باطل ہے۔ اس لئے کہ یہ اسلام کے ایک ایسے فریضے کی شان گھٹا رہی ہے جسے رسول اللہ ﷺ نے اسلام کی کوہان ،چوٹی قرار دیا(الاسرار المرفوعہ)

جواب نمبر۳:

اس روایت پر ایک عقلی اعتراض یہ ہے کہ رجوع کا معنی ہوتا ہے ایک حالت سے دوسری حالت کی طرف منتقل ہونا تو اس روایت کا مطلب تو یہ ہوا کہ حضرت پاک ﷺ نے فرمایا کہ تم جہاد اصغر سے یعنی ایسے فریضہ قتال جس میں اصلاحِ نفس اور مجاہدہ نفس نہیں ہوتا واپس آئے ہو۔ جہاد اکبر یعنی ایسے عمل کی طرف جس میں اصلاحِ نفس اور مجاہدہ نفس ہوتا ہے۔

تو آپ خیال فرمائیں کہ اس میں العیاذ باللہ صحابہ رضی اللہ عنہم کی کس قدر توہین ہے کیا اسے ضمیر برداشت کر سکتا ہے اور کیا العیاذ باللہ صحابہ رضی اللہ عنہم کا جہاد ایسا ہی تھا کہ وہ لوگ جہاد میں تو حدودِ شریعت، اصلاحِ نفس اور مجاہدات سے غفلت برتتے تھے مگر واپس مدینہ آکر اصلاحِ نفس اور مجاہدات کی طرف متوجہ ہوتے تھے۔ جہاد میں مجاہدہ کس حد تک ہوتا ہے اس کو تو بیان کرنے کی ضرورت نہیں بلکہ قتل کرنے اور قتل ہونے ،زخمی کرنے اور زخمی ہونے سے بڑا کیا مجاہدہ ہوگا یہ قتل و قتال تو قرآن کریم کی تصریح: كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِتَالُ وَ هُوَكُرْهٌ لَّكُمْ(سورۃ بقرہ، آیت نمبر ۲۱۶)

کے مطابق نفس کو بالطبع اور بالذات ناپسندیدہ ہے۔

البتہ ایسے چند ایک واقعات کی طرف اشارہ کر دیا جاتا ہے جس سے بخوبی اندازہ ہو سکتا ہے کہ صحابہ رضی اللہ عنہم عین حالتِ جنگ میں بھی حدودِ شریعت اور اصلاحِ نفس کا کس قدر خیال فرماتے تھے۔

(۱) حضرت عبادہ بن بشیرؓ رات کو پہرہ دے رہے ہیں اور دشمن کے تیر کھا رہے ہیں مگر نماز نہیں توڑتے کیا یہ مجاہدہ نفس نہیں ہے؟

(۲) حضرت معاذؓ غزوہ بدر میں اپنا کٹا ہوا اور لٹکتا ہوا بازو سارا دن ساتھ لے کر جہاد فرماتے ہیں اور زیادہ رکاوٹ بنتا ہے تو اس کو پاؤں کے نیچے دے کر کاٹ کر پھر جہاد شروع فرماتے ہیں کیا یہ مجاہدہ نفس نہیں ہے؟

(۳) غزوہ خندق کے موقع پر حضرت پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ رضی اللہ عنہم نے اپنے آقا کے ساتھ پیٹ پر پتھر باندھ رکھے ہیں کیا یہ مجاہدہ نفس نہیں ہے؟

(۴) تین صحابہ رضی اللہ عنہم موت کے منہ میں ہیں اور باری باری شہادت نوش فرما رہے ہیں مگر اپنی پیاس برداشت کرتے ہوئے دوسرے مسلمان بھائی کو ترجیح دے رہے ہیں کیا یہ مجاہدہ نفس نہیں ہے؟

(۵) حضرت علیؓ نے یہودی کو نیچے گرا دیا جب سر قلم فرمانے لگے تو یہودی نے منہ پر تھوک دیا حضرت علیؓ نے فوراً چھوڑ دیا کہ اب میری ذات کا غصہ اس میں شامل ہو جائے گا کیا یہ مجاہدہ نفس نہیں ہے؟

(۶) سَرِیّۃ العَنبر میں صحابہ رضی اللہ عنہم ایک ایک کھجور کی گٹھلی کو چوس کر روزانہ گزارا کرتے ہیں کیا یہ مجاہدہ نفس نہیں ہے؟

یہ چند ایک واقعات بطور نمونے کے عرض کئے ہیں۔ کہ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم تو عین حالتِ جنگ میں بھی اخلاص، مجاہدات اور توجہ الی اللہ سے ذرہ برابر غافل نہ رہتے تھے۔

حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ کا ارشاد:

حضرت مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی دامت برکاتہم، مہتمم دارالعلوم کراچی تحریر فرماتے ہیں :

میرے والد ماجد مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ کسی نے شیخ الہند حضرت مولانا محمود الحسن رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا کہ:

صوفیائے کرام برسوں تک اپنے مریدوں سے جس قسم کے مجاہدے اور ریاضتیں کرواتے ہیں آنحضرت ﷺ تو اپنے صحابہ سے ایسے مجاہدے نہیں کرواتے تھے پھر صوفیائے کرام کیوں کرواتے ہیں؟

حضرت شیخ الہندؒ نے فرمایا، بعینہ الفاظ تو یاد نہیں محض نقل کر رہا ہوں۔ رفیع) بات دراصل یہ ہے کہ طریقت میں مجاہدے اور ریاضتیں مقصود نہیں ہوتے مقصود تو باطنی اخلاق کی اصلاح ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ تعلق درست اور مستحکم ہو جائے اور نفس کو اتباعِ شریعت کی عادت ہو جائے۔ مجاہدے اس مقصود کو حاصل کرنے کیلئے نفس کے علاج کے طور پر کرائے جاتے ہیں تا کہ نفس مشقت کا اور اپنی خواہشات کی مخالفت کا عادی ہو جائے۔ جب یہ عادت پڑ جاتی ہے تو اتباع شریعت آسان ہو جاتا ہے اور شریعت پر عمل کرنے کے لئے صرف راہنمائی کی ضرورت رہ جاتی ہے جسے مرشد انجام دیتا رہتا ہے۔

یہ مقصود صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو آنحضرت ﷺ کی معیت میں صرف جہاد ہی سے اس درجہ حاصل ہو جاتا تھا کہ انہیں کسی مزید مجاہدے اور ریاضت کی ضرورت نہیں رہتی تھی وہ ایک ہی جہاد میں سلوک و طریقت کے ایسے اعلیٰ مراتب طے کر جاتے تھے کہ دوسروں کو برس ہا برس کے مجاہدوں سے بھی حاصل نہ ہوں۔

کیونکہ جہاد خود ایک بڑا مجاہدہ ہے جو روحانی و باطنی ترقیات اور تعلق مع اللہ کیلئے اکسیر ہے۔

(یہ تیرے پراسرار بندے صفحہ ۱۶۹۔۱۷۰)

ایک یاداشت

جواب نمبر۴:

مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ یہ آج سے تقریباً سترہ (۱۷) برس پہلے کی بات ہے جب میں جامع مسجد بوھڑ والی گکھڑ منڈی میں پڑھتا تھا تو استاذ محترم حضرت شیخ الحدیث امام اہل السّنت والجماعت مولانا محمد سر فراز خان صفدر دامت برکاتہم نے صبح کے درسِ حدیث میں فرمایا کہ: حدیث "رَجَعْنَامِنَ الْجِہَادِ الْاَصْغَرِاِلٰی الْجِہَادِ الْاَکْبَر" (بشرطیکہ حدیث تسلیم کر لیا جائے) تو مطلب یہ ہے کہ صحابہ رضی اللہ عنہم ایک غزوہ سے واپس لوٹے ان میں بہت سے زخمی تھے اور ایک عرصہ گھر سے باہر بیویوں سے دور رہے اور شہداء کی وجہ سے دل بھی زخمی تھے تو ایسے موقع پر ان کو دوبارہ غزوہ کا حکم ملا جس پر صحابہ رضی اللہ عنہم فوراً تیار ہوگئے ۔تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: "رَجَعْتُم ْمِنَ الْجِہَادِ الْاَصْغَرِاِلٰی الْجِہَادِ الْاَکْبَر: کہ تم ایک چھوٹے جہاد سے بڑے جہاد کی طرف لوٹے ہو۔

ظاہر بات ہے یہاں تو غزوات میں سے ہی ایک غزوہ کو جہاد اصغر اور دوسرے غزوہ کو جہاد اکبر قرار دیا گیا ہے۔

اب کوئی اشکال کی بات ہی نہیں ہے۔

جہاد اکبر:

اب آیئے دیکھتے ہیں کہ جہاد اکبر کی حقیقت کیا ہے؟ ہم اس کی تفصیل بیان کئے بغیر صرف ایک حوالہ پر اکتفا کرتے ہیں۔

(۱) علامہ محمد بن علی شوکانی رحمۃ اللہ علیہ آیت کریمہ **وَجَاهِدُوْا فِی اللّٰہِ حَقَّ جِہَادِہٖ** کے تحت فرماتے ہیں:

اَلْمُرَادُ بِہٖ الْجِھَادُ الْاَکْبَرُ وَھُوَ الْغَزْوُ لِلْکُفَّارِ وَمُدَافَعَتُھُمْ اِذَا غَزَوْا بِلَادَالْمُسْلِمِیْنَ
(فتح القدیر ج۳)

کہ کافروں سے جنگ کرنا اور ان کو دفع کرنا ہی جہاد اکبر ہے۔

متاعِ جان لٹانا جہادِ اکبر ہے   فسادِ کفر مٹانا جہادِ اکبر ہے

شبہ:

مگر اس پر ایک اشکال وارد ہوتا ہے کہ قتال اور غزوہ کو جہادِ اکبر کہنا اس بات کی دلیل ہے کہ قتال اور غزوات کے علاوہ دوسرے اعمال بھی جہاد ہیں اگرچہ وہ جہادِ اصغر ہی سہی تو آپ کا یہ دعویٰ کرنا کہ جہاد کا معنی صرف قتال ہے غلط ثابت ہوا۔

پہلے عرض کیا جاچکا ہے کہ جہاد فی سبیل اللہ کا معنی ہے قتال فی سبیل اللہ مگر چونکہ بسا اوقات مناسبت کی وجہ سے مجازاً بعض دوسرے اعمال پر بھی جہاد کا اطلاق کیا گیا ہے مگر ان میں سے بھی اصل جہاد چونکہ قتال فی سبیل اللہ ہی ہے اس لئے اس پر بسا اوقات جہادِ اکبر کا اطلاق بھی کر دیا جاتا ہے۔

مگر قتال پر جہادِ اکبر کے اطلاق سے ہرگز اس غلط فہمی میں مبتلا نہ ہونا چاہیئے کہ شاید قتال کے علاوہ بعض دوسرے اعمال بھی اصطلاحی جہاد فی سبیل اللہ کے تحت داخل ہیں۔

یہ ایسے ہی ہے کہ جیسے عمرہ اور حج الگ الگ عبادات ہیں مگر چونکہ حج کے بعض افعال افعالِ عمرہ بھی ہیں جیسے احرام، سعی، حلق، قصر، طواف وغیرہ تو اس مناسبت کی بنا پر بسا اوقات عمرہ پر حجِ اصغر اور حج پر حجِ اکبر کا اطلاق کر دیا جاتا ہے۔

جیسا کہ قرآن کریم میں ہے:
بَرَاءَةٌ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖۤ اِلَى النَّاسِ يَوْمَ الْحَجِّ الْاَكْبَرِ (سورۃ توبہ ، آیت نمبر ۱)

مگر اس اطلاق اور مجازی استعمال سے کوئی شخص عمرہ کو حقیقی حج شمار کرنے لگے تو سوائے اس کے کہ اس کی عقل پر ماتم کیا جائے اور کیا کیا جاسکتا ہے؟

لطیفہ:

دینی مدارس میں آخری سال کی تعلیم کو دورہ حدیث شریف سے یاد کیا جاتا ہے اور اس سے پہلے سال کو موقوف علیہ کہا جاتا ہے کیونکہ دورہ حدیث اس پہلے سال پر موقوف ہوتا ہے جبکہ بعض حضرات دورہ حدیث کی تعلیم سے پہلے والے سال کو مشکوٰۃ شریف والا سال کہتے ہیں مگر پختون طلبہ اس بنا پر کہ مشکوٰۃ شریف والا سال دورہ حدیث کے لئے موقوف علیہ ہے اس سال کو چھوٹا دورہ کے نام سے پکارتے ہیں۔۔۔

☆☆☆

اعتراض(۱۱)

انَّ اَفْضَلَ الْجِهَادِ كَلِمَةُ عَدْلٍ عِنْدَ سُلْطَانٍ جَائِرٍ (کنز العمّال)

ظالم بادشاہ کے سامنے انصاف اور حق کی بات کہنا بے شک سب سے افضل جہاد ہے۔

اس حدیث شریف میں ظالم بادشاہ کے سامنے حق کی بات کہنے کو جہاد بلکہ سب سے افضل جہاد قرار دیا گیا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے زبان سے حق بات کہنا بھی جہاد ہے لہٰذا جہاد کا معنی صرف قتال ہی کو قرار دینا درست نہیں۔

جواب نمبر ا:

محدّثین کرام نے اس بات کی وضاحت فرمائی ہے کہ بادشاہ کے سامنے کلمہ حق کہنا اسوقت ہی جہاد کہلاتا ہے جب کلمہ حق کہنے کی پاداش میں سر قلم ہو جانے کا خدشہ بلکہ یقین ہو۔

سچ یہ ہے اظہارِ حق سلطانِ جابر کے خلاف
خدشہ ہائے جان کی خاطر ہوا افضل جہاد

اس تشریح کے مطابق تو یہ حدیث بھی قتال ہی کا مصداق بن گئی کیونکہ قتال میں دو ہی چیزیں ہوتی ہیں قتل کرنا اور قتل ہونا۔

جواب نمبر ۲:

ہم یہ بات تحریر کر چکے ہیں کہ زبان سے ادا ہونے والی ایسی تقریر جو قتال ہی کی معاون ہو وہ قتال ہی کا حصہ شمار ہوتی ہے اور اس حدیث شریف میں بھی بالکل یہی صورت ہے۔

جواب نمبر ۳:

بسا اوقات کفار کے سامنے زبان کے الفاظ تیر و تلوار سے بھی زیادہ موثر ثابت ہوتے ہیں اور وہ جہاد ہی کا حصہ ہوتے ہیں کیونکہ وہ کفار کے حوصلے پست کر کے یا کفار کے دلوں میں مسلمانوں کا رعب ڈال کر کفار کو جنگ کرنے سے باز رکھتے ہیں یا مسلمانوں کے حوصلے بلند اور انکے دلوں کو مضبوط کر کے مسلمانوں کو کفار سے جنگ کرنے پر آمادہ کرتے ہیں۔

مثال:

حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ جب حضرت پاک ﷺ عمرۃ القضاء کے لئے مکہ مکرمہ تشریف لے گئے تو عبداللہ بن رواحہؓ (اپنی گردن میں تلوار ڈالے حضرت پاک ﷺ کی اونٹنی کی مہار پکڑے ہوئے) آگے آگے چل رہے تھے اور یہ اشعار پڑھ رہے تھے

خَلُّوْ ا بَنِیْ الْکُفَّارِ عَنْ سَبِیْلِہٖ
اَلْیَوْمَ نَضْرِبُکُمْ عَلٰی تَنْزِیْلِہٖ
ضَرْباً یُّزِیْلُ الْھَامَ عَنْ مَّقِیْلِہٖ
وَیُزْھِلُ الْخَلِیْلَ عَنْ خَلِیْلِہٖ

ترجمہ:

اے کافرو ہٹ جاؤ آپ ﷺ کا راستہ چھوڑ دو، آج حضرت پاک ﷺ کی مکہ مکرمہ آمد پر تم کو ایسی مار ماریں گے جو کھوپڑیاں جسموں سے الگ کر دے گی، اور دوست کو دوست سے جدا کر دیں گے۔

حضرت عمرؓ نے فرمایا:

یَا ابْنَ رَوَاحَۃَ بَیْنَ یَدَیْ رَسُوْلِ اللہِ ﷺ وَفِیْ حَرَمِ اللہِ تَعَالٰی تَقُوْلُ شِعْرًا۔

اے ابن رواحہ تم حرم مکہ میں حضرت پاک ﷺ کے سامنے شعر پڑھتے ہو؟ (یعنی روکنا چاہا)

حضرت پاک ﷺ نے فرمایا:

خَلِّ عَنْہُ یَا عُمَرْ خَلِّ عَنْہُ یَاعُمَرْ فَلَھِیَ اَسْرَعُ فِیْھِمْ مِنْ نَّضْحِ النَّبَلِ۔

اے عمر! ان کو مت روکو کیونکہ آج عبداللہ بن رواحہؓ کے اشعار کفار پر تیروں سے زیادہ سخت ہیں۔

(شمائل ترمذی)

لہٰذا اس پوری گفتگو سے ثابت ہوا کہ صرف اس حدیث شریف کی وجہ سے مطلقاً حق بات کہنے کو جہاد فی سبیل اللہ قرار دینا قطعاً درست نہیں ہے۔

اعتراض (۱۲)

عَنْ عَبْدِاللہِ بْنِ عَمْرٍ وقَالَ جَاءَ رَجُلٌ اِلٰی رَسُوْلِ اللہِ ﷺ فَاسْتَأْذَنَہٗ فِیْ الْجِہادِ فَقَالَ اَحَیٌّ وَّالِدَاکَ قَالَ نَعَمْ قَالَ فَفِیْہِمَا فَجَاھِدْ (مشکوۃ کتاب الجہاد)۔

حضرت عبد اللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں کہ ایک شخص حضرت پاک ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور جہاد میں جانے کی اجازت مانگی تو حضرت پاک ﷺ نے پوچھا کہ تمھارے والدین زندہ ہیں؟ عرض کیا جی ہاں تو حضرت پاک ﷺ نے فرمایا کہ تم والدین کی خدمت کر کے جہاد کرو یعنی والدین کی خدمت کرو اور تمھارا یہی جہاد ہے۔

اب اس حدیث شریف میں والدین کی خدمت کرنے کو جہاد قرار دیا، تو معلوم ہوا کہ صرف قتال ہی جہاد نہیں بلکہ والدین کی خدمت کرنا بھی جہاد ہے۔

جواب نمبر ا:

اس میں شک نہیں کہ حقوق العباد میں سب سے بڑا حق والدین کی خدمت ہے۔ والد کی رضا کو رب کی رضا فرمایا گیا والدہ کے قدموں تلے جنت رکھ دی گئی ہے۔ اولاد کا مال والد کا مال قرار دیا گیا ہے اور شرک کے بعد سب سے بڑا گناہ والدین کی نافرمانی کو بتلایا گیا۔ والدین کے نافرمان کے لئے ہلاکت و بربادی کی جبرائیل علیہ السلام نے بددعا کی اور حضرت پاک ﷺ نے آمین فرمائی۔ والدہ کی نافرمانی کرنے والے کی زبان پر موت کے وقت کلمہ کا جاری نہ ہونا، روح کا بدن سے نہ نکلنا اور تڑپتے رہنا اور والدہ کے معاف کرنے پر زبان پر کلمہ کا جاری ہو جانا اور فوراً روح کا نکل جانا احادیث میں آیا ہے۔

والدین کے ان حقوق یا خدمتِ والدین پر وارد شدہ فضائل اور نافرمانی کا بہت بڑا جرم ہونا اپنی جگہ پر مسلم ہے مگر اس سے مطلقاً والدین کی خدمت کو جہاد فی سبیل اللہ قرار دینا کسی بھی طرح درست نہیں۔ کیونکہ جہاد فی سبیل اللہ کا معنی متعین ہے اور وہ ہے قتال فی سبیل اللہ۔ باقی رہا یہ اشکال کہ پھر حدیث شریف میں والدین کی خدمت کو جہاد کیوں قرار دیا گیا تو اس کا آسان اور سیدھا سا جواب یہ ہے کہ حضرت پاک ﷺ صرف نبی ہی نہ تھے بلکہ نبی ورسول ہونے کے ساتھ ساتھ مفتی، قاضی، امام، خطیب، مبلغ اور امیر المجاہدین بھی تھے۔ اگرچہ آپ ﷺ کا اصل منصب تو نبوت ہی تھا مگر امت کو تعلیم دینے کے لئے ان باقی سارے مناصب پر حضرت پاک ﷺ ہی فائز تھے۔ صحابیِ رسول ﷺ تو جہاد کی نیت کے ساتھ حاضر ہوئے مگر حضرت پاک

ﷺ نے انکی تشکیل بجائے میدانِ جنگ کے والدین کی خدمت پر کر دی لہٰذا اس صحابی کا والدین کی خدمت کرنا صرف اس بنیاد پر جہاد نہیں تھا کہ والدین کی خدمت کرنا جہاد ہے بلکہ وہ اس بنیاد پر جہاد تھا کہ وہ امیر کی اطاعت و تشکیل کے اندر تھے۔

حیلے بہانے کرکے بچائے جو جان کو
دراصل ذاتِ حق سے محبت نہیں اسے
مانا کہ والدین کی خدمت بھی ہے جہاد
لیکن محاذِ جنگ سے نسبت نہیں اسے

توضیح:

والدین کی خدمت تو بہت بڑی بات ہے اگر امیر المجاہدین کسی شخص کو عین میدان جنگ سے پیچھے بھیج دیں اور بیت الخلاء کی صفائی پر لگا دیں تو یہ بیت الخلاء کی صفائی بھی جہاد ہی کہلائے گی بایں معنی کے اس پر بھی جہاد کا مکمل ثواب ملے گا۔

یہ واقعہ صرف اس صحابیؓ کے ساتھ خاص نہیں بلکہ اسکی اور بھی بہت سی مثالیں تاریخ میں ملتی ہیں۔

مثال:

حضرت عثمانؓ بدری صحابہ رضی اللہ عنہم میں شمار ہوتے ہیں اور حضرت پاک ﷺ نے انکو بدر کے مالِ غنیمت میں سے برابر کا حصہ بھی دیا حالانکہ حضرت عثمانؓ غزوہ بدر میں شریک نہیں ہوئے تھے بلکہ اپنی بیوی اور حضرت پاک ﷺ کی صاحبزادی حضرت رقیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی بیماری کی وجہ سے ان کی دیکھ بھال میں مشغول تھے مگر ان کو بدریوں میں شمار کرنے کی وجہ صرف یہ تھی کہ حضرت عثمانؓ بیوی کی تیمارداری کے لئے خود نہیں ٹھہرے تھے بلکہ حضرت پاک ﷺ نے انکی تشکیل فرمائی تھی۔

تو کیا اس حدیث شریف کی وجہ سے کوئی شخص بھی اپنی بیوی کی خدمت اور بیمار پرسی کو جہاد کہتا ہے جب کہ دونوں میں کوئی فرق نہیں بلکہ ایک طرح حضرت عثمانؓ کا واقعہ زیادہ مضبوط ہے کیونکہ ان کو مالِ غنیمت سے حصہ بھی ملا حالانکہ جنگ میں شریک بھی نہیں تھے۔

تاریخ میں حضرت عثمانؓ کے علاوہ مزید آٹھ ایسے صحابہ رضی اللہ عنہم کے نام ملتے ہیں جو غزوہ بدر میں شریک نہ ہونے کے باوجود بدری کہلاتے ہیں وہ صرف اس وجہ سے کہ انکی تشکیل خود حضرت پاک ﷺ نے فرمائی تھی۔

وہ آٹھ صحابہ رضی اللہ عنہم یہ ہیں۔

(۱)حضرت طلحہؓ(۲)حضرت سعید بن زیدؓ(۳)حضرت ابولبابہ انصاریؓ(۴)حضرت عاصم بن عدیؓ (۵)حضرت حارث بن حاطبؓ(۶)حضرت حارث بن صمہؓ(۷)حضرت خوات بن جبیرؓ(۸)حضرت جعفرؓ۔

خلاصہ کلام:

لہٰذا اس حدیث شریف کی بناء پر بغیر امیر کی اجازت اور تشکیل کے جہاد کو چھوڑ کر از خود والدین کی خدمت میں لگے رہنا اور اس خدمت کو جہاد سمجھ کر میدانِ جنگ سے منہ موڑنا اور پھر خود کو مجاہد کہنا یا کہلوانا اپنے آپکو ہلاکت میں ڈالنے کے مترادف ہے۔

خیال است و محال است و جنوں

مسئلہ

اگر جہاد فرض عین ہو تو والدین کی اجازت کے بغیر بلکہ ان کے روکنے کے باوجود بھی جہاد میں جانا ضروری ہے ہاں کوشش ضرور کرنی چاہیئے کہ والدین بھی بخوشی اجازت دیں اور اولاد کے جہاد کے اجر و ثواب میں شریک ہو جائیں۔ اور اگر جہاد فرضِ کفایہ ہو تو بھی والدین کی اجازت اسوقت ضروری ہے جب کہ والدین کی خدمت کرنے والا اور کوئی نہ ہو۔ اور اگر والدین کی خدمت کرنے والا ہو اور والدین صرف محبت کی وجہ سے اولاد کو جہاد سے روکتے ہوں تو والدین کی اجازت ضروری نہیں (فیض الباری شرح صحیح بخاری)

ہمارے اکابر

اس موقع پر میں مناسب سمجھتا ہوں کہ بانی دارالعلوم دیوبند قاسم العلوم والخیرات حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کا واقعہ نقل کروں تاکہ ہمیں اپنے اکابر کے مزاج کو سمجھنے میں مدد ملے۔

حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ جب جہاد کی اجازت کے لئے والدہ کی خدمت میں گئے تو والدہ سے مخاطب ہو کر کہنے لگے " خدا کی راہ میں جان ومال کو فدا کر دینا ایسا ہے اور جو خوشی سے جان خدا کے حوالے کر دیتا ہے اس کا درجہ ایسا ہے (یعنی فضائل بیان کئے) کہ اب جہاد فرض ہو چکا ہے۔

یہ مسئلہ ہے کہ اطاعتِ خالق میں والدین کی اطاعت اگر معارض ہو تو وہ ساقط ہو جاتی ہے میں چاہتا ہوں کہ آپ خوشی سے مجھے اجازت دیدیں تاکہ آپ کو بھی اجر ملے۔

والدہ۔ بیٹا تم اللہ ہی کی چیز ہو خوشی سے تمھیں اللہ کے سپرد کرتی ہوں اگر تم زندہ آگئے تو تم سے مل لوں گی نہیں تو آخرت میں انشااللہ جلد ہی ملن ہو گا۔ والدہ سے اجازت کے بعد والد کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عاجزی اور نرمی سے اپنے والد سے اس عزم کا اظہار کیا۔

والد۔ ذرا میری پگڑی لے آو

مولانا نانوتوی۔ کیوں؟

والد۔ تیرے ساتھ سر کٹانے آخر میں تو جاؤں گا۔

حضرت نانوتوی۔ آپ میری وجہ سے سر کیوں کٹاتے ہیں اگر آپ کو سر کٹانا ہے تو اللہ کے لئے کٹائیے اور میرے ساتھ چلئے۔

والدین سے اجازت لے کر آپ تھانہ بھون پہنچ گئے۔

(حیات امیر شریعت ص ۱۹۱)

اللہ اکبر یہ تھے ہمارے اکابر۔

اے اللہ ہمیں بھی ان کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرما۔ آمین ے یارَبَّ العٰلَمِیْن

مثال:

میں مزید وضاحت کے لئے آخر میں ایک مثال عرض کرتا ہوں۔ دو شخص ہیں۔ ایک کا نام ریاض خان دوسرے کا نام پیاز خان۔ دونوں دکاندار ہیں ریاض خان امیر المجاہدین صاحب کے پاس حاضر ہو کر عرض کرتا ہے۔

کہ امیر محترم میری جان اور میرا مال حاضر ہے، مجھے جہاد کے لئے قبول فرمایئے حضرت امیر محترم اسکے تفصیلی حالات سننے کے بعد فرماتے ہیں کہ تم اپنی دکان پر کام کرو اور مقامی سطح پر مجاہدین کے ساتھ تعاون کرو ۔یہ شخص جنگ میں شریک ہونے کی فکر لئے ہوئے دکان بھی چلاتا ہے بچوں کو بھی پالتا ہے اور مجاھدین کا تعاون بھی کرتا ہے۔

اور دوسرا شخص پیاز خان بھی دکان چلارہاہے اور یہ کہتاہے کہ ریاض خان بھی دکاندار ہے اور امیر محترم نے اسکو فرمایاہے کہ تم دکان چلاو، بچوں کو پالو، مجاھدین کا مالی تعاون کروتو یہ تمھارا جہاد ہے اور میں دکان بھی چلاتا ہوں بچوں کو بھی پالتا ہوں بلکہ میرے تو بچے بھی ریاض خان سے ایک درجن زیادہ ہیں کیونکہ میری تین بیویاں ہیں اور میں خوب جہاد کرتا ہوں اور مجاہدین سے ماہانہ تعاون بھی کرتا ہوں تو پھر مجھے جہاد کا ثواب کیوں نہ ملے گا؟ تو آپ حضرات دونوں کی ترتیب میں فرق کرلیں امید ہے کہ میری اس مثال سے بات سمجھنے میں آسانی ہو گی کہ ریاض خان تو اطاعت امیر میں ہے مگر پیاز خان اطاعت نفس میں مبتلا ہے۔

☆☆☆

اعتراض(۱۳)

صحیح بخاری کی روایت ہے۔ حضرت پاک ﷺ کی خدمت عالیہ میں عورتوں نے حاضر ہو کر جہاد میں شرکت کی اجازت مانگی تو حضرت پاک ﷺ نے ارشاد فرمایا''جِہَادُ کُنَّ حَجٌّ مَّبْرُوْرٌ'' تمھارا جہاد حج مبرور(مقبول حج)ہے۔

اس حدیث شریف میں حج کو جہاد فرمایا حالانکہ حج تو الگ عبادت ہے اس سے قتل و قتال کا کیا تعلق ہے بلکہ ایک حدیث شریف میں صاف الفاظ کے ساتھ یہ ارشاد فرمایا گیا ہے'' اَلْحَجُّ جِہَادٌ لَا قِتَالَ فِیْہِ(تفسیر الہام الرحمن، مولانا عبید اللہ سندھی)

کہ حج ایسا جہاد ہے جسمیں قتال نہیں۔ اب تو صاف معلوم ہو گیا کہ جہاد کا معنی صرف قتال ہی نہیں، بلکہ ہر ایسی عبادت کو جہاد کہتے ہیں جس میں مشقت اور کوشش ہو۔

جواب نمبر۱:

حج ایک الگ اور مستقل عبادت ہے جب کہ جہاد فی سبیل اللہ ایک الگ اور مستقل عبادت ہے دونوں کے احکام بھی الگ الگ ہیں اور روایات میں بھی ان کو الگ الگ ذکر کیا گیا ہے۔ دیکھو صحیح بخاری ہی کی دوسری حدیث شریف حضرت پاک ﷺ سے عرض کیا گیا کہ:اَیُّ الْاَعْمَالِ اَفْضَلُ کون سا عمل سب سے افضل ہے؟

تو حضرت پاک ﷺ نے ارشاد فرمایا:
اِیْمَانٌ بِاللّٰہِ وَرَسُوْلِہٖ وَجِہَادٌ فِیْ سَبِیْلِہٖ ۔
عرض کیا ثُمَّ مَاذَا؟یعنی اس کے بعد؟
تو حضرت پاک ﷺ نے ارشاد فرمایا حَجٌّ مَّبْرُوْرٌ۔

اب دیکھئے کسی ایک حدیث کو لے کر نتیجہ اخذ کرنا تو شریعت کے مزاج سے ناواقفی کی دلیل ہے۔ اس لئے تمام روایات کو مد نظر رکھ کر فیصلہ کریں۔

جواب نمبر۲:

اگر مخصوص حالات کی وجہ سے یا حاکم کے حکم کی وجہ سے عورتوں پر بھی میدان میں نکل کر جہاد کرنا فرض ہو جائے اور کوئی عورت یہ کہے میں تو حج کروں گی میں کیوں جہاد میں جاؤں میرا تو جہاد حج ہے کیونکہ

میرے حضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے کہ عورتوں کا جہاد حج ہے۔ تو اس کی اس دلیل اور منطق کو کیا کوئی صاحبِ علم تسلیم کرنے کے لئے تیار ہو گا؟ اور کیا اس کے حج کر لینے سے فریضہ جہاد ساقط ہو جائے گا؟

جواب نمبر ۳:

حدیث شریف کا اصل مطلب اور مفہوم یہ ہے کہ عورتوں پر چونکہ عام حالات میں جہاد فرض نہیں ہے تو انکی تسلی اور اطمینانِ قلبی کے لئے ارشاد فرمایا کہ جس طرح مرد حضرات میدانِ جنگ کی صعوبتیں اور مشقتیں برداشت کرتے ہیں، اسی طرح عورتیں بھی اگر حدود اللہ کی رعایت کرتے ہوئے حج کریں اور اس میں مشقتیں برداشت کریں مگر مکمل ارکان ادا کریں تو انکو اس حج پر بھی جہاد کا اجر مل جائے گا۔

اسی بناء پر عورتوں کا جہاد صرف حج نہیں فرمایا بلکہ حَجٌ مَّبْرُوْرٌ فرمایا کیوں کہ عورت جیسی صنف نازک ذات کے لئے حج کی مشقتیں برداشت کرنا اور غیر محارم کی موجودگی میں پردہ کا اہتمام کرتے ہوئے اپنے حج کو اس طرح ادا کر جانا کہ جو حَجٌ مَّبْرُوْرٌ یعنی کامل اور مقبول ہو جائے یہ واقعۃً کسی معرکہ سے کم نہیں ہے اس بناء پر اس پر بھی جہاد کا مجازاً اطلاق کر دیا گیا۔

گو عورتوں کے واسطے حج ہے مثالِ جہاد
لیکن حج بدل تو نہیں ہے جہاد کا

حج اور جہاد میں مناسبت

کچھ کمی بیشی کے ساتھ بطور فائدہ کے استاد محترم حضرت مولانا محمد اسلم شیخوپوری صاحب دامت برکاتہم کی کتاب "خزینہ" سے عبارات نقل کی جاتی ہیں۔

(۱) جہاد میں ایک مرکز ہوتا ہے جسکے ساتھ مجاہدین مربوط ہوتے ہیں حج میں بھی ایک مرکز ہوتا ہے جس کے ساتھ سارے حاجی مربوط ہوتے ہیں۔

(۲) جہاد میں مجاہدین ایک امیر کے ماتحت ہوتے ہیں حج میں بھی امیر الحجاج مقرر ہوتا ہے۔

(۳) مجاہدین کی عام طور پر ایک مخصوص وردی ہوتی ہے اسی طرح حجاج کا بھی لباس احرام ہوتا ہے۔

(۴) مجاہدین کو بسا اوقات کئی ہفتوں غسل نصیب نہیں ہوتا جس سے حالت پراگندہ ہو جاتی ہے حاجیوں کی بھی تقریباً ایسی ہی حالت ہوتی ہے

(۵) جہاد میں ترکِ وطن ہوتا ہے حج میں بھی وطن کو چھوڑا جاتا ہے۔

(۶)جہاد میں عام طور پر مجاہدین ایک سے دوسرے اور دوسرے سے تیسرے محاذ کی طرف منتقل ہوتے رہتے ہیں۔ اسی طرح حج میں بھی مکہ سے منیٰ، منیٰ سے عرفات، عرفات سے مزدلفہ، مزدلفہ سے منٰی اور منٰی سے مکہ کوچ ہوتا رہتا ہے۔

(۷)جہاد میں نظم وضبط ہوتا ہے۔حج میں بھی اس کا اہتمام کروایا جاتا ہے۔

(۸)جہاد میں بطور خاص گناہ سے بچنے کی تلقین ہے تو حج میں بھی خصوصی طور پر تاکید ہے کہ گناہوں اور بے حیائی کی باتوں سے دور رہو۔

(۹)جہاد میں شیطان کے ایجنٹوں (کفار) کو مارا جاتا ہے۔حج میں شیطان کی تمثیل کو مارا جاتا ہے

(۱۰)جہاد میں انسانی خون پیش کیا جاتا ہے تو حج میں جانوروں کا خون پیش کیا جاتا ہے جو کہ در حقیقت فدیہ ہے انسانی خون حضرت اسماعیل علیہ السلام کا۔

(۱۱)جہاد میں فتح کے بعد مرکز کو اطلاع دی جاتی اور رپورٹ کی جاتی ہے حج میں ارکانِ حج سے فارغ ہو کر بیت اللہ جو کہ مرکز ہے حاضری دی جاتی ہے۔

(۱۲)مجاہد تکبیر کے نعروں سے فضاء کو گرم کرتے رہتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی توحید کا اعلان کرتے ہیں۔حاجی بھی تلبیہ کے ذریعے اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کا اعلان کرتے ہوئے دلوں کو ذکر اللہ سے گرم کرتے رہتے ہیں۔(خزینہ)

اب ان مناسبات کی بناء پر حج کو مجازاً جہاد قرار دینا وہ بھی صرف عورتوں کے لئے تو کیا اس سے یہ لازم آیا کہ حج کو جہاد کہتے ہوئے جہاد کے معنی میں ہی بلاوجہ توسیع کر دی جائے

جواب نمبر:۴

اَلْحَجُّ جِہَادٌ لَّا قِتَالَ فِیْہِ

بقول حضرت مولانا عبید اللہ سندھی رحمۃ اللہ علیہ حج جہاد ہی کی تربیت، تمرین اور مشق ہے تو ظاہر سی بات ہے کہ ٹریننگ میں قتل و قتال نہیں ہوتا اور نہ ہی ٹریننگ کو آپ قتال اور جہاد سے تعبیر کر سکتے ہیں ہاں البتہ وہ جہاد کے مقدمات میں سے ہوتی ہے اس لئے اسکی اہمیت قتال سے کم بھی نہیں اور اسکو قتال کا حصہ شمار کرنا بھی ایک وجہ سے درست ہے۔

حضرت مولانا عبید اللہ سندھیؒ کے اس کلام کا حاصل لکھا جاتا ہے جو حضرت نے اپنی تفسیر الہام الرحمن میں تحریر فرمایا ہے(بحوالہ خزینہ)

حج کی مشروعیت تمرین اور اعمالِ حرب کی تیاری کے لئے اور اس کا بیان سورۃ بقرۃ کی آیت ۱۹۶ تا ۲۰۳ میں ہے یہ تمام کی تمام آیتیں مسائل حج کے بارے میں ہیں اور حدیث میں وارد ہے۔

اَلْحَجُّ جِہَادٌ لَّا قِتَالَ فِیْہِ (حج ایک ایسا جہاد ہے جس میں قتال و جنگ نہیں) اس کے معنی یہ ہیں کہ اعمال حربیہ کی تمرین و ترغیب کی جائے سوائے قتال اور جنگ کے۔ اور حج کا حاصل دو چیزیں ہیں اول مسلمانوں کو حکم دیا جائے کہ اپنے نفقات ایک خاص جگہ پر جمع کریں دوم یہ کہ اعمالِ حرب و جہاد کی تمرین۔ پھر جب یہ لوگ اس پر قائم ہو جائیں اور اس تمرین سے مستفید ہوں اور ان کو خاص عادت ہو جائے اب وہ ادنی سے ادنی توجہ سے اعمال جہاد کرنے پر قادر ہوں گے۔

اِلَیْہِ تُحْشَرُوْنَ "مفسرین نے قیامت پر محمول کیا ہے اور حشر عرفات کو حشر یوم القیامہ کا ایک نمونہ لکھا ہے ہم اسی چیزوں کے استنباط اور مسائل حج بیان کرنے سے انکار کرتے ہیں، لیکن ہم انہی پر اکتفا نہیں کر سکتے، کیوں کہ یہاں سباق، مسائل حج اور مسائل جہاد ہی بیان کرنا مقصود ہے تو حشر سے مراد حشر الجنود ہے۔

کیونکہ اسلام ابتدأً متطوّعین (اطاعت گزاروں) کی قوت ہی سے قائم ہوا ہے اور حج میں صرف اعمال جہاد کی تمرین اور ترغیب دی جائے اور متطوّعین ہی کو تمرین و ترغیب دی جائے۔

پھر جب ہم نے حدیث کو پیش کر دیا۔ "اَلْحَجُّ جِہَادٌ لَّا قِتَالَ فِیْہِ" تو کس کی طاقت ہے کہ حج کو اعمالِ جہاد سے خارج کر دے، لیکن شاہان ظلم و جور اور شیاطین زہاد (قاتلھم اللہ) نے تمام اعمالِ مسلمین کو باطل اور خراب کر دیا۔

اسی طرح حج میں فدیہ کا حکم ہے کہ جو شخص معمولی بھی مناسک کی خلاف ورزی کرے اسکی جزاء اور بدلہ کا حکم فرمایا ہے۔ یہی حال نظام حرب کا ہے اگر کوئی فوجی آدمی کسی مامور بہ امر کی مخالفت کرے گا تو بغیر مجازات (بدلہ) اسکو نہیں چھوڑا جائے گا تو کیا عوام کے لئے مرد ہوں یا کہ عورتیں اعمالِ حرب کی تمرین و ترغیب اس سے بہتر طریقہ پر ممکن ہے؟

اور اعداء دینِ اسلام، نظام قرآن کی قوت اور حج کی قوت عملیہ کو اچھی طرح جانتے ہیں کہ اس سے اسلام کی عزت ہے اس لئے اعداءِ اسلام پوری قوت، پوری طاقت سے ان ہر دو کی توہین و بے عزتی اور دونوں کو ضعیف و کمزور کرنے پر تلے ہوئے ہیں۔ حج کے لئے جمع ہونے والوں پر لازم ہے کہ ان تینوں مہینوں میں چند امور اپنے لئے لازم قرار دے لیں۔ اول یہ کہ عورتوں کا نام (تک) چھوڑ دیں۔ دوم یہ کہ جو معاملات قانون میں ہیں انکی

مخالفت نہ کریں، فساد کو بالکل ترک کر دیں۔ سوم یہ کہ جنگ و جھگڑا قطعاً ترک کر دیں، جب ایک امت کی امت ان امور کو تین ماہ کے لئے اپنے اوپر لازم کر لے گی تو اپنے اندر بے شمار اوصافِ اجماعیہ عسکریہ پیدا کر لے گی اور یہ اس پر قادر ہو جائیں گے جسے انہوں نے دوران قیامِ حرم قائم کیا تھا۔ اور بغیر سلطان اور بلا حاکم کے انہوں نے اس کا التزام کیا تھا۔ اب فتح کے بعد اسکی قدرت اور طاقت رکھتے ہیں کہ اپنے لئے حکومت اجماعیہ متوسطہ بنا لیں۔ (خزینہ)

☆☆☆

اعتراض نمبر (۱۴)

اس اعتراض کو ذکر کرنے سے پہلے ایک واقعہ عرض کر دیتا ہوں جو خود میرے ساتھ پیش آیا۔ ایک مرتبہ ضلع سرگودھا کے قصبہ مڈھ رانجھا میں اپنے مجاہد ساتھیوں کے ساتھ ملاقات کی غرض سے گیا تو میرے مجاہد ساتھیوں نے کہا کہ ہماری جامع مسجد شکرانی میں تبلیغی جماعت کے حضرات آئے ہوئے ہیں اور انہوں نے تو ہمیں پریشان کر دیا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ حدیث شریف میں آیا ہے۔

مَنْ تَمَسَّكَ بِسُنَّتِیْ عِنْدَ فَسَادِ اُمَّتِیْ فَلَهٗ اَجْرُمِأَةِ شَهِيْدٍ"

جس شخص نے میری ایک سنت کو ایسے دور میں تھامے رکھا جب فساد کا دور ہو تو اسکو سو شہیدوں کا اجر ملے گا

آپ لوگ خواہ مخواہ کشمیر اور افغانستان کے پہاڑوں میں جا کر مشقتیں برداشت کرتے ہیں، گھر سے دور رہ کر والدین کو بھی پریشان کرتے ہیں اگر جہاد کے راستہ میں شہید بھی ہو گئے تو صرف اکیلے شہید ہوں گے اور ایک شہید کا اجر ملے گا اس لئے ادھر ہی رہ کر دین کی محنت کرو، ہر روز کئی کئی سنتیں زندہ کرو اور ہزاروں بلکہ لاکھوں شہیدوں کا اجر حاصل کرو۔

واقعہ یہ ہے کہ اس حدیث شریف اور اس جیسی دیگر احادیث کریمہ جو کہ دین کی اشاعت کے لئے تھیں آڑ بنا کر بعض دین دشمن منافقین یا بعض سادہ لوح دین دوست مسلمان دوسرے مسلمانوں کو دھوکہ دیتے ہیں۔ خود بھی تباہ ہوتے ہیں اور دوسروں کو بھی تباہ کرتے ہیں اس لئے میں ضروری سمجھتا ہوں کہ اس حدیث شریف کی وضاحت کر دوں۔

جواب نمبر ا:

ایک اہم بات تو یہ ذہن نشین فرمالیں کہ سنت کی دو قسمیں ہیں:

سنتِ عادت و سنتِ عبادت یعنی حضرت پاک ﷺ نے بعض اعمال اللہ تعالیٰ کی عبادت کے طور پر فرمائے اور بعض اپنے بشری اور انسانی تقاضے کی بناء پر۔ اگرچہ حضرت پاک ﷺ کی ساری زندگی عبادت ہی ہے۔

دیکھئے جیسے سر مبارک میں تیل، کنگھی اور کھانے کے بعد مسواک، سوتے وقت مسواک کھانے سے قبل ہاتھ دھونا، میٹھے کا استعمال، جوتے کا استعمال وغیرہ یہ وہ اعمال ہیں جن کو حضرت پاک ﷺ نے بطورِ عادت اور ضرورت کے استعمال فرمایا ہے۔

مگر وضو کے وقت مسواک کا استعمال، نماز کے لئے وضو، غسلِ جنابت و دیگر سارے اعمالِ شریعت نماز ،روزہ، حج وغیرہ ان اعمال کو حضرت پاک ﷺ نے عبادت کے طور پر فرمایا ہے۔

اس حدیث میں سنت سے مراد وہ سنت ہے جس کو حضرت پاک ﷺ نے عبادت کے طور پر فرمایا ہو اگرچہ ہمارے لئے وہ سنتیں بھی قابل اتباع ہیں جن کو حضرت پاک ﷺ نے عادت کے طور پر فرمایا ہے اور وہ بھی اجر وثواب سے خالی نہیں ہیں آپ اسکو مزید وضاحت کے لئے یوں بھی کہہ سکتے ہیں کہ سنت کی دو قسمیں ہیں سنتِ طبیعہ اور سنتِ شرعیہ اور واجب الاتباع سنت شرعیہ ہے نہ کہ سنت طبیعہ۔

جواب نمبر ۲:

سنت سے مراد حکمِ شرعی کو زندہ کرنا ہے جیسا کہ دوسری روایت کے الفاظ ہیں ''مَنْ اَحْیٰی سُنَّتِیْ''۔

یا حکمِ شرعی کو مضبوطی سے تھامے رکھنا جیسا کہ اسی روایت کے الفاظ ہیں اور احکاماتِ شرعیہ میں سے جس قدر ظلم حکم شرعی جہاد فی سبیل اللہ پر ہوا ہے کسی اور پر نہیں ہوا۔ غیروں نے تو کمی نہیں کی، مگر اپنوں نے بھی ہاتھ صاف کئے ہیں۔ غیروں کی عداوت تو سمجھ میں آتی ہے، مگر اپنوں کی منطق سمجھ سے بالاتر ہے۔ اور جہاد ایک ایسا شرعی حکم ہے جسکا زندہ ہونا پورے دین کا زندہ ہونا ہے اور اس کا ختم ہونا پورے دین کا ختم ہونا ہے۔ اسی بناء پر جس قدر اس حکم پر زور دیا گیا ہے شاید شریعت نے کسی اور پر اتنا زور نہیں دیا اور یہ چونکہ پورے دین کی بنیاد ہے غالباً اسی لئے حدیث مبارک میں اسکو پورا دین قرار دیا ہے، جیسا کہ حدیث شریف ہے۔

اِذَا تَبَایَعْتُمْ بِا لْعِیْنَۃِ وَ اَخَذْتُمْ بِاَذْنَابِ الْبَقَرِ وَرَضِیْتُمْ بِالزَّرْعِ وَتَرَکْتُمُ الْجِھَادَ سَلَّطَ اللہُ عَلَیْکُمْ ذُلاًّ لَا یَنْزِعُہٗ حَتّٰی تَرْجِعُوْا اِلٰی دِیْنِکُمْ

ترجمہ:

جب تم دنیاوی مال و دولت کے پیچھے پڑ جاوگے اور تم بیلوں کی دم پکڑ لوگے اور کھیتی باڑی کے پیچھے پڑ کر جہاد کو چھوڑ بیٹھو گے تو اللہ پاک تم پر ایسی ذلت مسلط فرمادیں گے جو دین کی طرف واپس آئے بغیر تم سے نہیں ہٹے گی۔

اس حدیث شریف میں دین سے مراد جہاد ہے۔

لہٰذا جہاد کرنا اس حدیث کا اعلیٰ وارفع اور سب سے بڑا مصداق ہے۔(بذل المجھود شرح ابی داؤد)۔

جواب نمبر ۳:

جس طرح اس حدیث شریف میں احیاءِ سنت کی فضیلت فرمائی ہے کہ اس سے سو شہید کا اجر ملتا ہے اگر اس کا مطلب یہ ہے کہ میدانِ جنگ میں جا کر لڑتے ہوئے شہید ہونے کی ضرورت نہیں (العیاذ باللہ) تو پھر ان احادیث کا جن میں قرآن کریم کی بعض سورتوں کی فضیلت بیان کی گئی ہے مثلاً سورۃ فاتحہ ثواب میں دو تہائی قرآن کے برابر ہے۔ اور سورۃ یٰسین قرآن پاک کا دل ہے جو شخص سورۃ یٰسین پڑھتا ہے حق تعالیٰ شانہ اس کے لئے دس قرآنوں کا ثواب لکھ دیتے ہیں۔ اور چار مرتبہ سورۃ الکافرون اور ایک روایت میں تین مرتبہ سورۃ اخلاص کے پڑھنے پر پورے قرآن پاک کے ثواب کا وعدہ کیا گیا ہے کا مطلب یہ ہے کہ مدارسِ عربیہ جن میں حفظِ قرآن کی تعلیم ہوتی ہے ان کو بند کر دیا جائے اور کیا ضرورت ہے پورے قرآن کو پڑھنے کی تو کیا کوئی کم عقل شخص بھی ایسی حماقت کر سکتا ہے؟ نہیں ہر گز نہیں تو پھر جہاد ہی کے ساتھ یہ عداوت اور بغض کیوں ہے؟

جواب نمبر ۴:

آیئے آخر میں اس حدیث شریف کا صحیح مطلب دیکھیں۔ حدیث شریف میں ایک سنت کو فساد کے دور میں مضبوطی سے تھامنے یا زندہ کرنے پر (دونوں کا مطلب ایک ہی ہے) ۱۰۰ شہیدوں کے اجر کا وعدہ کیا گیا ہے۔ اس لئے یہاں یہ بات بھی خوب سمجھ لیں کہ ایک ہوتا ہے اجر یعنی مزدوری اور ایک ہوتا ہے مقام اور مرتبہ۔ اجر، اجرت اور مزدوری الگ چیز ہے مگر مرتبہ بالکل الگ چیز ہے، ۱۰۰ شہیدوں کا اجر مل جانے سے یہ لازم نہیں آتا کہ ایک شہید کا مرتبہ اور مقام بھی مل جائے۔ اس لئے میدانِ جنگ میں جامِ شہادت نوش کرنے والے مجاہد کے لئے اللہ تعالیٰ نے جس مقام اور مرتبہ کا وعدہ فرمایا ہے اسکے ساتھ سو شہید تو کجا، لاکھوں شہداء کا اجر بھی مقابلہ نہیں کر سکتا۔

ہے بے شک سو شہیدوں کا ثواب احیائے سنت پر
مگر اس کو نہیں فوقیت حاصل شہادت پر

یہ شہید کا مرتبہ اور مقام ہی ہے کہ حدیث شریف میں آتا ہے کہ روزِ قیامت جب شہید آئے گا تو اگر اسکے راستے میں ابراہیمؑ خلیل اللہ جیسا نبی اور رسول بھی ہو گا تو اس کو بھی حکم ہو گا کہ راستہ صاف کر دو شہید آرہا ہے۔

یعنی شہید کے استقبال اور پروٹوکول کے طور پر اس کے راستے سے تمام لوگوں کو ایک طرف ہٹا کر راستہ خالی کر دیا جائے گا۔

یہ شہید کا مرتبہ اور مقام ہی ہے کہ ایک شہید قیامت کے دن خاندان کے ستر جہنمیوں کی سفارش کرے گا اور سفارش قبول بھی ہو گی۔ یہ شہید کا مرتبہ ہے کہ حضرت پاک ﷺ نے دس دس مرتبہ اللہ کے راستہ میں قتل ہونے کی تمنا کی یعنی نبوت کے باوجود شہادت کے مرتبہ کی تمنا فرمائی جو کہ اللہ تعالیٰ نے پوری فرمائی۔ کیونکہ حضرت پاک ﷺ اسی زہر کے اثر سے ہی فوت ہوئے جو آپ کو غزوہ خیبر میں ایک یہودی عورت نے دیا تھا اور زہر سے موت شہادت کی موت ہوتی ہے۔

مگر حاشا و کلاّ اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ شہادت العیاذ باللہ نبوت سے اعلیٰ مرتبہ ہے۔ مطلب یہ ہے کہ حضرت پاک ﷺ نے نبوت کے مرتبہ پر فائز ہونے کے باوجود بھی شہادت کی کئی کئی مرتبہ تمنا فرمائی ہے۔

شہید کے مرتبہ اور اجر کو ایک اور مثال سے سمجھیں۔

پاکستان کے صدر مملکت کا ایک مرتبہ اور مقام ہے، جسے آپ پروٹوکول کہہ لیں، اور ایک اسکی تنخواہ ہے جسے آپ اجر، اجرت اور مزدوی سے تعبیر کر لیں۔ اب صدر پاکستان کی اجرت تو اتنی ہے کہ شاید کسی فیکٹری کے جنرل مینیجر اور کسی بینک کے اعلی افسر کی تنخواہ اس سے کئی گناہ زیادہ ہوتی ہے مگر صدر کے مقام اور مرتبہ کو پورے ملک کے انجینئرز یا بڑی بڑی فرموں کے جی ایم وغیرہ مل کر بھی نہیں پہنچ سکتے۔ بس یہ ہی شہید کے اجر و مرتبہ کے درمیان فرق ذہن میں ملحوظ رکھیں گے۔ تو کوئی اشکال پیدا نہ ہو گا۔ اس لئے میرے دوستو اور بزرگو! دین کی محنت بھی فرمائیں اور دین کی سمجھ بھی حاصل کریں اور یوں کافروں کی اَن دیکھی چالوں کا شکار ہو کر اسلام اور دین کا حلیہ نہ بگاڑیئے، اللہ تعالیٰ ہم کو دین کی فہم عطاء فرمائے، آمین یارَبَّ الْعٰلَمَیْن۔

☆☆☆

اعتراض(۱۵)

بعض دینی حلقوں میں اس بات کو بڑی شدّومد کے ساتھ چلایا جارہا ہے کہ کوئی شخص اللہ تعالٰی کے راستے میں نکل کر ایک روپیہ اپنی جان پر خرچ کرتا ہے اسکو ایک روپے کے بدلہ میں سات لاکھ کا اجر ملتا ہے اور ایک نماز پر انچاس کروڑ نمازوں کا اجر وثواب ملتا ہے اور ہم چونکہ دین کی دعوت و تبلیغ میں لگے ہوئے ہیں اور دعوت و تبلیغ کا کام سب سے بڑا کام ہے باقی سب تو دین کی شاخیں ہیں مگر دین کی دعوت والا عمل ہی اصل اور مکمل دین ہے، لہٰذا یہ اجر وثواب بھی تبلیغ ودعوت کا کام کرنے والوں کے لئے مخصوص ہے۔ کیونکہ اصل تو اللہ کا راستہ یہی ہے اس سے پورا دین زندہ ہوتا ہے۔

جواب نمبر:۱

سب سے پہلے تو وہ حدیث دیکھیں جس سے ایک روپیہ پر سات لاکھ کا اجر وثواب اور ایک نماز پر انچاس کروڑ نمازوں کا ثواب ملتا ہے۔ پھر دیکھیں کہ ان احادیث کی حیثیت کیا ہے اور تیسرے نمبر پر دیکھیں کہ اس اجر وثواب کے اولین مستحق کون ہیں؟ اب ہم نمبر وار تینوں باتوں کو بیان کرتے ہیں۔

نمبر ا:

حضرت علیؓ، حضرت ابولدرداءؓ، حضرت ابوہریرہؓ، حضرت ابوامامہؓ حضرت عبداللہ بن عمروؓ، حضرت جابر بن عبداللہؓ، حضرت عمران بن حصینؓ روایت کرتے ہیں کہ حضرت پاک ﷺ نے ارشاد فرمایا:

مَنْ اَرْسَلَ نَفَقَةً فِیْ سَبِیْلِ اللہِ وَاَقَامَ فِیْ بِیْتِہٖ فَلَہٗ بِکُلِّ دِرْھَم سَبْعُ مِائَۃِ دِرْ ھَم وَمَنْ غَزَا بِنَفْسِہٖ فِیْ سَبِیْلِ اللہِ وَاَنْفَقَ فِیْ وَجْھِہٖ ذٰلِكَ فَلَہٗ بِکُلِّ دِرْھَمٍ سَبْعُ مِاَئَۃِ اَلْفِ دِرْھَمٍ ثُمَّ تَلَاھٰذِہٖ الْاٰیَۃَ وَاللہُ یُضَاعِفُ لِمَنْ یَّشَآءُ

جس شخص نے اللہ تعالٰی کے راستے میں کچھ خرچہ بھیجا مگر خود گھر پر ہی رہا تو اسکو ایک درہم کے بدلہ سات سو کا اجر ملتا ہے اور جس شخص نے اللہ تعالٰی کے راستے میں غزوہ کیا یعنی جنگ کی اور اللہ تعالٰی کی رضا کیلئے خرچ کیا تو اسکو ایک درہم کے بدلہ سات لاکھ درہم کا اجر ملے گا۔ پھر اسکے بعد حضرت پاک ﷺ نے یہ آیت مبارکہ تلاوت فرمائی کہ اور اللہ تعالٰی جس کے لئے چاہتے ہیں کئی گنا بڑھادیتے ہیں۔

حضرت معاذؓ روایت کرتے ہیں کہ حضرت پاک ﷺ نے فرمایا: اِنَّ الصَّلٰوۃَ وَالصِّیَامَ وَالزَّکَاۃَ یُضَاعَفُ عَلٰی النَّفَقَۃِ فِیْ سَبِیْلِ اللہِ عَزَّوَجَلَّ بِسَبْعِ مِائَۃِ ضِعْفٍ (بذل المجہود ج۴ الترغیب)

کہ اللہ تعالیٰ کی راہ میں نکل کر نماز، روزہ، ذکر کا ثواب اللہ تعالیٰ کی راہ میں روپیہ خرچ کرنے سے سات سو گنا بڑھ کر ملتا ہے۔

حاصل:

یہ ہے کہ ایک روپیہ پر چونکہ سات لاکھ ملتا ہے تو سات لاکھ کو سات سو سے ضرب دینے سے انچاس کروڑ بن گیا۔ اس حساب سے اللہ تعالیٰ کے راستہ میں نماز، روزہ، ذکر کا ثواب انچاس کروڑ بن جاتا ہے۔

نمبر:(۲)

(حدیث کی حیثیت)

یہ دونوں حدیثیں اپنی سند کے اعتبار سے حد درجہ ضعیف ہیں اس لئے انکے ضعف کو بیان کئے بغیر ان حادیث کی تشریح جائز نہیں ہے ۔(تبلیغی جماعت اور انچاس کروڑ کا ثواب از فقیہ العصر مفتی رشید احمد لدھیانوی دامت برکاتہم)

نمبر (۳)

(حدیث کا مصداق:)

اگر غور کیا جائے تو یہ بات روز روشن کی طرح واضح ہے کہ اس حدیث کے اولین اور سب سے بہترین مصداق حضرات مجاہدین کرام ہیں کیونکہ نماز، روزہ اور ذکر پر انچاس کروڑ کا ثواب تو تب ہے جب اسکو اللہ تعالیٰ کے راستے میں خرچ ہونے والے نفقات کے ثواب سے ضرب دیں اور النفقہ فی سبیل اللہ (یعنی اللہ تعالیٰ کے راستہ میں خرچ) میں تو اس بات کی تصریح ہے کہ یہ ثواب اس وقت ہے جب ایک قید پائی جائے اور وہ ہے "غَذَا بِنَفْسِہٖ" یعنی اللہ تعالیٰ کے راستے میں غزوہ کرنا اور لڑنا، تو یہ غزوہ اور لڑنے والا کام سوائے مجاہدین کے اور کون کرتا ہے اور ویسے بھی فقہاء نے اس بات کی تصریح فرمائی ہے کہ جب مطلقاً بغیر کسی تخصیص کے فی سبیل اللہ بولا جائے تو اس سے مراد بھی جہاد فی سبیل اللہ ہی ہوتا ہے۔

اس لئے یہ کہنا بالکل درست اور بجا ہو گا کہ اس حدیث کا اولین اور بہترین مصداق تو مجاہدین ہیں اگر چہ بِالتَّبع اور ضِمناً دوسرے وہ تمام حضرات بھی شامل کئے جاسکتے ہیں جو دین کے کسی بھی شعبے میں کام کر رہے ہیں۔

رحمت زخار سے کچھ بھی نہیں اس کی بعید
بخش سکتا ہے مرا مولیٰ کروڑوں کا ثواب
ہاں مگر اس کے لئے لازم ہے جاں پر کھیلنا
ورنہ یہ انعام اور آسودہ حالی میں جناب

اللہ تعالیٰ ہم سب کو یہ انعامات بلکہ اس سے بڑھ کر عطا فرمائے۔ آمین۔

اس لئے میرے دوستو بزرگو! میری گزارش ہے کہ احادیث کی تشریح کرتے وقت اللہ تعالیٰ کے خوف کو مد نظر رکھا جائے ورنہ دنیا و آخرت میں ناکام ہو جائیں گے۔ دین کی یہ کونسی خدمت ہے کہ انسان دین کا حلیہ بگاڑ کر رکھ دے اور روایت کی تشریح اور مفہوم میں اپنی مرضی سے ردوبدل شروع کر دیا جائے۔

ملحوظہ:

باقی موجودہ دور میں دعوت و تبلیغ کے کام کو کل دین اور اصل کہنا اور باقی تمام شعبوں کو دعوت و تبلیغ کا جزء اور فروع کہنا انتہائی نادانی کی بات ہے۔ اسکی تفصیل آگے آرہی ہے۔ وہاں ملاحظہ فرمائیں۔

اللہ تعالیٰ ہم کو دین میں تحریف سے محفوظ رکھے، آمین یَارَبَّ الْعٰلَمِیْن۔

☆☆☆

اعتراض(١٦)

فَوَاللّٰهِ لَاَنْ يَّهْدِىَ اللّٰهُ بِكَ رَجُلًا وَّاحِدًا خَيْرٌ لَّكَ مِنْ حُمُرِ النَّعَمِ(متفق علیہ)

غزوہ خیبر کے موقع پر حضرت پاک ﷺ نے حضرت علیؓ سے ارشاد فرمایا کہ اے علی تیری وجہ سے ایک آدمی کا ہدایت پر آجانا سو سرخ اونٹوں کے صدقہ کرنے سے بہتر ہے۔

اس لئے ہمیں بھی کافروں کے قتل پر زور خرچ کرنے کی بجائے ان کے ایمان پر آنے کی فکر کرنی چاہیے۔

جواب نمبر ا:

یہ بات تو درست ہے کہ ایک کافر کا اسلام قبول کرنا سو سرخ اونٹوں کے صدقہ کرنے سے بہتر ہے اور واقعۃً کافروں کے ایمان لانے کی فکر بھی کرنی چاہیے مگر اس سے یہ کیسے ثابت ہو گا کہ جو کافر ایمان نہ لائے بلکہ اشاعتِ اسلام کے راستہ میں رکاوٹ بن کر مزید دوسرے لوگوں کو بھی ہدایت پر آنے سے روکے تو ایسے کافروں کو قتل بھی نہیں کرنا چاہیے، جبکہ کفار کا قتل ہی تو دراصل دوسرے کفار کے اسلام میں داخل ہونے کا ذریعہ بنتا ہے۔

جواب نمبر ۲:

کیا حضرت پاک ﷺ کا ارشادِ گرامی سننے کے بعد اسی غزوہ خیبر میں حضرت علیؓ نے پھر کسی کافر کو قتل نہیں کیا؟ اور دوسرے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے کفار کو قتل کرنا چھوڑ دیا؟ اور مرحب کا حشر کس نے کیا تھا؟

جواب نمبر ۳:

اگر اس حدیث کا یہی مطلب ہے جو میرے بھائی، بزرگ اور دوست لے رہے ہیں تو پھر ان احادیث کا کیا مطلب لیں گے جس میں حضرت پاک ﷺ نے کفار کے قتل کرنے کی ترغیب دی ہے اور ایک کافر کے قتل پر جنت کی بشارت دی ہے۔

بجا ارشاد ہے ایمان لانا ایک کافر کا
مسلمانوں کے حق سرخ سو اونٹوں سے بہتر ہے
مگر سچ پوچھئے تو اس کا یہ ہرگز نہیں مطلب
فسادی کافروں کو قتل کرنا اس سے کمتر ہے

اس لئے میری دردمندانہ گزارش ہے کہ کفار کو ایمان پر لانے کی فکر اگر ضروری ہے اور یقیناضروری ہے تو سرکش کفار کی سرکشی کو توڑنے اور بد دماغ کفار کے دماغ کو درست کرنے کی فکر بھی ضروری ہے۔

تا کہ اسلام پھیل جائے اور ہمارا ایمان پختہ ہو جائے اور اسلام کے غلبہ شان وشوکت کو دیکھ کر لوگ فوج در فوج اسلام میں داخل ہوں۔اللہ تعالیٰ ہمیں سارے دین کو سمجھنے اور سارے دین پر عمل کرنے کی توفیق دے۔ آمین یَارَبَّ الْعٰلَمِیْن۔

☆☆☆

اعتراض(۱۷)

میں اس اعتراض اور اسکے جواب کو نقل کرنے سے پہلے ایک واقعہ عرض کرنا چاہتا ہوں۔۱۹۹۸ء کی بات ہے میں کابل کے مضافات میں واقع مجاہدین کے مرکز خالد بن ولید گیا تو وہاں پر مجھ سے معسکر کے اساتذہ کرام میں سے بعض نے کہا کہ معسکر میں چونکہ ہر روز بعد نماز ظہر "فضائل اعمال" کی تعلیم ہوتی ہے مگر اسمیں ایک حدیث شریف ہے جسکی وجہ سے ہم کافی پریشانی کا شکار ہیں بلکہ ہم نے تو اس پریشانی کی وجہ سے اس حدیث کی تعلیم پر پابندی عائد کر دی ہے۔ کیونکہ اس سے مجاہدین کے ذہن میں کافی الجھن پیدا ہوتی ہے اور ہمارے پاس اس حدیث شریف کا معقول جواب نہیں ہے۔

میں خود تعجب کرنے لگا کہ یہ کیسے ہو سکتا ہے؟اور کیا کوئی حدیث شریف ایسی بھی ہو سکتی ہے جو مجاہدینِ اسلام تو کیا دین کے کسی بھی شعبے پر عمل کرنے والے کسی بھی مسلمان کے لئے پریشانی کا باعث بنے۔ احادیث مبارکہ میں تو دین ہی دین ہے ان سے دین پر عمل کرنا آسان ہوتا ہے نہ کہ پریشان کن۔ قصہ مختصر یہ کہ میں نے ظہر کی نماز کے بعد اسی حدیث شریف کی تعلیم کرائی اور اس کا مطلب بیان کیا جس سے نہ یہ کہ مجاہدین بلکہ اساتذہ کرام بھی ماشاء اللہ مطمئن ہو گئے۔

پہلے میں فضائل اعمال سے وہ مکمل حدیث مع اسکی تشریح کے نقل کرتا ہوں پھر اصل صورت مسئولہ کی وضاحت۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو حق بیان کرنے کی توفیق عطاء فرمائے اور حق پر عمل کرنے کی توفیق عطاء فرمائے۔ آمین۔

عَنْ اَبِی ہُرَیْرَۃَ قَالَ کَانَ رَجُلَانِ مِنْ بُلٰی حَیٌّ مِنْ قُضَاعَۃَ اَسْلَمَا مَعَ رَسُوْلِ اللہ ﷺفَاسْتُشْھِدَ اَحَدُھُمَا وُاُخِّرَ الْاٰخَرُ سَنَۃً قَالَ طَلْحَۃُ بْنُ عُبَیْدِ اللہِ فَرَ اَیْتُ الْمُؤَخَّرَ مِنْھُمَا اُدْخِلَ الْجَنَّۃَ قَبْلَ الشَّھِیْدِ فَتَعَجَّبْتُ لِذٰلِکَ فَاَصْبَحْتُ فَذَکَرْتُ ذٰلِکَ لِلنَّبِیِّ اَوْ ذُکِرَ لِرَ سُوْلِ اللہِ فَقَالَ رَسُوْلُ اَلَیْسَ قَدْ صَامَ بَعْدَہٗ رَمَضَانَ وَصَلّٰی سِتَّۃَ اٰلَافِ رَکْعَۃٍ وَکَذَا وکَذَا رَکْعَۃً صَلٰوۃَ سَنَۃٍ۔

(فضائل اعمال: کتاب الصلوۃ، ص ۳۳۱)

ترجمہ:

حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ ایک قبیلہ کے دو صحابی ایک ساتھ مسلمان ہوئے ان میں سے ایک صاحب جہاد میں شہید ہو گئے اور دوسرے صاحب کا ایک سال بعد انتقال ہوا۔ میں نے خواب میں دیکھا کہ وہ صاحب جن کا ایک سال بعد انتقال ہوا تھا ان شہید سے بھی پہلے جنت میں داخل ہو گئے تو مجھے بڑا تعجب ہوا (کہ

شہید کا درجہ تو بہت اونچا ہے وہ پہلے جنت میں داخل ہوتے ہیں) جب صبح ہوئی تو میں نے حضور ﷺ سے خود عرض کیا یا کسی اور نے عرض کیا تو حضرت اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ وہ صاحب جن کا ایک سال بعد انتقال ہوا تھا ان کی نیکیاں نہیں دیکھتے کتنی زیادہ ہو گئیں۔ ایک رمضان المبارک کے روزے بھی ان کے زیادہ ہو گئے اور چھ ہزار اور اتنی اتنی رکعتیں نماز کی ایک سال میں ان کی بڑھ گئیں۔

جواب:

جواب سے پہلے تمہید کے طور پر چند ضروری باتیں تحریر کی جاتی ہیں

حضرت پاک ﷺ کا ارشاد گرامی ہے۔

اِنَّمَاالْاَعْمَالُ بِالنِّیَّاتِ۔ (صحیح بخاری)

اور دوسری حدیث شریف میں ہے

نِیَّةُ الْمُوْمِنِ خَیْرٌ مِّنْ عَمَلِہٖ۔ (تنبیہ الغافلین)

یعنی بسا اوقات مومن کسی نیک عمل کا ارادہ کرتا ہے مگر وہ اس عمل کو کسی عذر کی وجہ سے نہیں کر سکتا تو اسکی نیت پر اسکا اجر ضرور مل جاتا ہے۔

دیکھئے اگر کوئی شخص قرآن کریم کو حفظ کرنے کی نیت کرتا ہے اور حفظ شروع کرتا ہے اور اسکے لئے محنت بھی کرتا ہے مگر وہ ذہن کی کمزوری کی وجہ سے یاد نہیں کر سکتا یا حفظ کے درمیان اسکی موت واقع ہو جاتی ہے وہ یقیناً قیامت کے دن حفاظ کے ساتھ ہی اٹھایا جائے گا۔

اسی طرح کوئی شخص جو حج کی نیت سے گھر سے چلتا ہے مگر راستہ میں اسکی موت آجاتی ہے تو وہ یقیناً روز قیامت حاجیوں کے ساتھ ہی کھڑا ہو گا اور ان شاء اللہ، اللہ تعالیٰ اسکو محض اپنے فضل و کرم سے حج کا پورا اجر و ثواب عطا فرمائیں گے۔

دیکھئے قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ اس شخص کے بارے میں ارشاد فرماتے ہیں جو گھر سے ہجرت کی نیت سے چلا مگر راستہ میں اس کی موت واقع ہو گئی۔

وَمَنْ یُّهَاجِرْ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ یَجِدْ فِی الْاَرْضِ مُرٰغَمًا كَثِیْرًا وَّسَعَةً ۔ وَمَنْ یَّخْرُجْ مِنْ بَیْتِهٖ مُهَاجِرًا اِلَى اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ثُمَّ یُدْرِكْهُ الْمَوْتُ فَقَدْ وَقَعَ اَجْرُهُ عَلَى اللّٰهِ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِیْمًا (سورة النساء، آیت نمبر ۱۰۰)

ترجمہ: اور جو کوئی وطن چھوڑے اللہ کی راہ میں، پائے گا اس کے مقابلہ میں جگہ بہت اور کشائش اور جو کوئی نکلے اپنے گھر سے ہجرت کر کے للہ اور اس کے رسول(ﷺ) کی طرف پھر آ پکڑے اسکو موت، تو مقرر ہو چکا ہے اس کا ثواب اللہ تعالیٰ کے ہاں اور ہے اللہ بخشنے والا مہربان(تفسیر عثمانی)۔

ان روایات اور آیت کریمہ سے ثابت ہوا کہ ہر عمل کی ایک صورت ہے اور ایک حقیقت اور اصل اجر و ثواب کا مدار حقیقت پر ہی ہوتا ہے نہ کہ صرف ظاہری صورت پر اگر نیت درست نہ ہو اور عمل کی صرف ظاہری صورت پائی جائے تو اس پر آخرت میں قطعاً اجر و ثواب نہیں ملے گا۔

جیسا کہ ایک عالم قاری، دوسرا سخی، تیسرا شہید قیامت کے دن جہنم کا ایندھن بن جائیں گے کیونکہ انکی نیت اللہ تعالیٰ کی رضا کی نہیں تھی بلکہ محض ریاکاری اور شہرت مقصود تھی۔ تو یہاں پر اگرچہ علم، تعلیم، سخاوت، شہادت کی صورت موجود ہے مگر حقیقت موجود نہیں تو نتیجہ بھی مرتب نہ ہو سکا۔ اور پہلی صورتوں میں جہاں حافظ قرآن یا حاجی اور مہاجر عمل مکمل کئے بغیر ہی دنیا سے رخصت ہو گئے۔ مگر ان کو اجر کامل و مکمل ملا کیونکہ وہاں نیت درست ہونے کے ساتھ انکی محنت بھی تھی جس سے عمل کی حقیقت موجود تھی لہذا انکے پاس عمل مکمل نہ تھا مگر کامیاب رہے اور ادھر عمل مکمل ہونے کے باوجود ناکامی۔

اسی طرح شہید کے بارے میں حضرت پاک ﷺ کا ارشاد گرامی ہے۔

"مَنْ سَئَلَ اللهَ الشَّهَادَةَ بِصِدْقٍ بَلَّغَهُ اللهُ مَنَازِلَ الشُّهَدَاءِ وَاِنْ مَّاتَ عَلٰی فِرَاشِهٖ"۔(صحیح مسلم)

کہ اگر کوئی شخص صدق دل کے ساتھ اللہ تعالیٰ سے شہادت کی موت طلب کرے (اور اسکے لئے کوشش بھی کرے ورنہ تو صدق دل نہ رہا) تو اللہ تعالیٰ اسکو شہید کے رتبہ تک پہنچا دیتے ہیں اگرچہ وہ (طبعی موت کے ساتھ) اپنے بستر پر ہی فوت ہو جائے۔

اب اس حدیث شریف کی روشنی میں عرض کرنا چاہتا ہوں کہ عہد رسالت کے دونوں اشخاص صحابی ہیں اور دونوں شہید ہیں فرق صرف اتنا ہے کہ ایک کو شہادت کی حقیقت کے ساتھ ظاہری صورت یعنی اللہ تعالیٰ کے راستہ میں قتل ہونا بھی نصیب ہو گیا اور دوسرے کو صرف شہادت کی حقیقت نصیب ہوئی مگر ظاہری صورت نہ مل سکی۔

جب دونوں شہید ہیں اور دوسرے شہید کی ایک سال کی نمازیں اس پر زائد ہیں دوسرے اعمال بھی زائد ہیں تو یقیناً دوسرا شخص مرتبہ میں پہلے شخص سے کہیں آگے نکل جائے گا، اسمیں تو اشکال والی بات ہی کوئی نہ ہوئی۔

اک ظاہری شہید تھے اک معنوی شہید
دونوں ہی بارگاہِ خدا میں ہوئے سعید
اک روزہ و نماز میں فائق تھے اس لئے
عجلت کی وجہ بن گیا ان کا عمل مزید

میں نے جو کہا ہے کہ دونوں شہید تھے اسکی وجہ واضح ہے کہ جب حضرت پاک ﷺ بار بار شہادت کی موت کی تمنا فرماتے ہیں تو کیسے ممکن تھا کہ صحابی ہو اور شہادت کی تمنا نہ کرتا ہو اور کسی بھی معرکہ سے وہ پیچھے رہا ہو، وہ حضرات تو کفار کے خلاف جنگ کے حریص تھے۔

شبہ:

ہاں اس پر یہ شبہ کیا جا سکتا ہے کہ حضرت پاک ﷺ نے اس تفصیل کی نشاندہی کیوں نہ فرمائی جو کہ آپ نے بیان کی ہے؟

جواب:

تو میرے دوستو بزرگو! اسکی وہاں ضرورت ہی نہ تھی۔ کیونکہ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین تو اس نکتے کو بخوبی سمجھتے تھے ساری احادیث ان کے سامنے تھیں۔ انکو تو شبہ صرف یہ تھا کہ دنیا سے پہلے جانے والا جنت میں بعد میں کیسے داخل ہوا، اسکی وضاحت حضرت پاک ﷺ نے فرما دی کہ دوسرے کے پاس اعمال کی کثرت تھی (یعنی شہادت کے ساتھ) جو کہ جنت میں پہلے دخول کا باعث بنی۔

ملحوظہ:

اصل میں ان حضرات کو یہ اشکال اس لئے پیش آتا ہے کہ ہم صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی زندگی کو معاذاللہ اپنے اوپر قیاس کرتے ہیں وَشَتَّانَ بَيْنَ هٰؤُلَاءِ وَبَيْنَ هٰؤُلَاءِ کہ جس طرح ہم میں سے بعض بلکہ اکثر لوگ جہاد سے دور رہ کر نماز روزہ کرتے ہیں العیاذ باللہ شاید ان میں بھی ایسے ہی لوگ تھے مگر حاشا وکلّا ہرگز ہرگز ایسا نہیں تھا بلکہ ان میں سے جو بھی جہاد سے پیچھے رہا اس کی خاص وجہ یا خاص شرعی عذر تھا اور نہ وہ

لوگ تو ایسے ہیں باپ بیٹے سے پہلے اور بیٹا باپ سے پہلے جہاد میں جانے پر اصرار کر رہا ہے، دونوں میں قرعہ اندازی ہو رہی ہے، بچوں میں جنگ میں شرکت کے لئے کشتیاں ہو رہی ہیں اور عورتیں تک مدینہ طیبہ میں رہنا گوارا نہیں کرتیں۔ جن کو یہ اعتراض پیش آیا ان حضرات نے یہ سمجھا کہ خدانخواستہ شاید سال بعد فوت ہونے والا صحابیؓ ایسا ہو گا جو کہ ہماری طرح صرف نماز روزہ پر گزارا کرتا ہو گا اور جہاد میں شرکت نہ کرتا ہو گا۔ تو اسکی نمازیں جو کہ بغیر جہاد کے تھیں (یعنی ہماری طرح) شاید وہ جہاد والے اعمال اور شہادت سے آگے نکل جانے کا سبب بن گئیں، نہیں نہیں ایسا نہیں ہوا۔ بلکہ وہ دونوں نمازی دونوں روزے دار ہونے کے ساتھ ساتھ دونوں مجاہد اور دونوں شہیدِ راہِ حق تھے۔ اس لئے کوئی اشکال کی بات نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں فہم سلیم عطاء فرمائے، آمین یارَبَّ العٰلَمِیْن۔

☆☆☆

اعتراض(۱۸)

آج ایک بات بڑے بڑے، لاکھوں کے اجتماعات میں بڑی ڈھٹائی اور دیدہ دلیری کے ساتھ کی جارہی ہے کہ حکومت سے کچھ نہیں ہوتا، وزیروں، مشیروں سے کچھ نہیں ہوتا۔ صرف اعمال پر محنت کرو کیونکہ حدیث شریف میں ہے: "اَعْمَالُکُمْ عُمَّالُکُم "تمہارے اعمال ہی تمہارے حکمران ہیں۔

یعنی جیسے اعمال کروگے ویسے ہی تم پر حکمران ہوں گے اور جیسے ہی ہمارے اعمال زمین سے آسمان پر جائیں گے ویسے ہی حالات آسمان سے زمین پر اتریں گے۔

اس لئے بس اعمال کی فکر کرو یہ لڑنا، بھڑنا کافروں کا قتل چھوڑ دو، بوسنیا، چیچنیا، فلسطین اور کشمیر میں اللہ تعالیٰ کا عذاب آرہاہے۔ کیونکہ ان لوگوں نے اچھے اعمال چھوڑ دیئے تھے، جب ہمارے اعمال درست ہو جائیں گے تو ہمیں خود بخود حکومت بھی ملے گی اور عزت بھی۔

جواب نمبر ا:

العیاذ باللہ کس قدر کفریہ کلمات زبانوں سے بکے جارہے ہیں اور سادہ لوح لوگوں کو زہر کی گولیوں پر چینی لگا کر کھلائی جارہی ہیں اور ایمان کی محنت کی آڑ میں کفر کو مضبوط کیا جارہاہے اور دلوں میں نفاق کا بیج بویا جارہاہے۔

یہ اصول تو ہم بھی تسلیم کرتے ہیں کہ جیسے اعمال زمین سے آسمان پر جائیں گے ویسے ہی حالات آسمان سے زمین پر آئیں گے مگر اس سے یہ کیسے ثابت ہو گیا کہ جہاد چھوڑ دو اور کافروں کو قتل کرنا چھوڑ دو۔

کیا جہاد فی سبیل اللہ العیاذ باللہ عمل بد ہے؟ کیا کافروں کو قتل کرنا اللہ تعالیٰ کا حکم اور حضرت پاک ﷺ کی مبارک سنت نہیں؟ کیا اسلحہ رکھنا اللہ تعالیٰ کی محبت کی علامت نہیں؟ کیا جنگ کرنے والے شخص سے اللہ تعالیٰ محبت نہیں فرماتے؟ کیا جہاد کے میدان میں تھوڑی دیر کا قیام گھر کی ستر سالہ عبادت سے افضل نہیں ؟ کیا کافر کے قتل کرنے پر جنت کی بشارت نہیں؟ کیا ایک تیر چلانے پر تین آدمیوں کے لئے جنت کی خوشخبری نہیں؟ وغیرہ وغیرہ۔ یوں معلوم ہوتا ہے کہ ایسے جملے اور کلمات کہنے والے وہ اشخاص ہیں جو جہاد فی سبیل اللہ کو اعمال صالحہ میں شمار ہی نہیں کرتے۔ اگر ایسی ہی بات ہے تو پھر ان کو اپنے ایمان کی فکر کرنی چاہیے۔

جواب نمبر ۲:

یہ بھی ذہن میں رکھیں کہ شریعت کے ہر عمل کا نتیجہ بھی الگ ہے۔ ہر عملِ شرعی کا ایک مقصد ہے اگر

چہ اصل کامیابی تو آخرت کی کامیابی اور اللہ تعالیٰ کی رضامندی ہے مگر دنیا میں ہر عمل کا ایک نتیجہ ہے جو اسکی دنیاوی غرض ہے۔ جب کوئی عمل زمین سے آسمان پر جائے گا تو اسکا نتیجہ بھی آسمان سے زمین پر آئے گا اسی طرح جہاد فی سبیل للہ کا ایک مقصد اور غرض وغایت ہے۔ جب جہاد زمین سے آسمان پر جائے گا تو اسکے نتیجے بھی آسمان سے زمین پر آئیں گے۔

زمین پر جہاد ہو گا تو آسمان سے اللہ تعالیٰ فرشتوں کو مدد کے لئے اتاریں گے۔

زمین پر جہاد ہو گا تو اللہ تعالیٰ کی مدد آسمان سے نازل ہو گی، کیونکہ وعدہ ہے۔

اِنْ تَنْصُرُوْااللّٰہَ یَنْصُرْکُمْ وَیُثَبِّتْ اَقْدَامَکُمْ "(سورۃ محمد، آیت نمبر ۷)

زمین پر جہاد نہ ہو گا تو آسمان سے مساجد، مدارس، خانقاہوں اور عبادتگاہوں کی حفاظت نازل نہیں ہو گی بلکہ بربادی نازل ہو گی۔

وَلَوْلَا دَفْعُ اللّٰہِ النَّاسَ بَعْضَھُمْ بِبَعْضٍ لَّھُدِّمَتْ صَوَامِعُ وَبِیَعٌ وَّ صَلَوٰاتٌ وَّمَسَاجِدُ یُذْکَرُفِیْھَا اسْمُ اللّٰہِکَثِیْرًا'' (سورۃ الحج، آیت نمبر ۴۰)

جب زمین پر جہاد نہ ہو گا تو آسمان سے فساد اور تباہی نازل ہو گی۔

وَلَوْلَا دَفْعُ اللّٰہِ النَّاسَ بَعْضَھُمْ بِبَعْضٍ لَّفَسَدَتِ الْاَرْضُ (سورۃ البقرہ، آیت نمبر ۲۵۱)

زمین پر جہاد نہیں ہو گا تو مسلمانوں کے لئے آسمان سے ذلت نازل ہو گی۔

اِذَا تَرَکْتُمُ الْجِھَادَ فَسَلَّطَ اللہُ عَلَیْکُمُ الذِّ لَۃَ''(الحدیث)

جب زمین پر جہاد نہ ہو گا تو مسلمانوں کے لئے ایمان کی بجائے منافقت کی موت آسمان سے نازل ہو گی۔

مَنْ مَّاتَ وَلَمْ یَغْزُ وَلَمْ یُحَدِّثْ بِہٖ نَفْسَہٗ مَاتَ عَلٰی شُعْبَۃٍ مِّنْ نِّفَاقٍ(الحدیث)

خلاصہ:

خلاصہ یہ کہ آپ کے اس اصول کو تسلیم کرتے ہوئے یہ بات کہنی پڑتی ہے کہ جب جہاد زمین سے آسمان پر جائے گا تو آسمان سے عزت، مال وجان و ایمان کی حفاظت، خلافت، حدود اللہ کا قیام نازل ہو گا۔ ورنہ ذلت، غلامی، فساد، بربادی و تباہی نازل ہو گی۔ کیونکہ ان چیزوں کا تعلق جہاد کے ساتھ ہے۔

خدا کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ اگر پوری دنیا کے مسلمان، پانچوں وقت کی نماز باجماعت بلکہ تہجد، اشراق،

چاشت اوراوّابین کے بھی پابند ہو جائیں، زکوٰۃ صدقات بھی ادا کریں، رمضان تو کیا ہر جمعرات، پیر اور ایام بیض عاشوراء، اور ذوالحجہ کے دس روزے بھی رکھیں اور پورا دن قرآن کی تلاوت، ذکر اللہ اور رات پوری مصلیٰ پر گزار دیں، حرام کھانا چھوڑ دیں۔

مگر مال وجان عزت اور ایمان کا تحفظ اور خلافت کا قیام اسوقت تک خدا کی قسم، خدا کی قسم، نہیں ہو گا جب تک یہ امت جہاد نہیں کرے گی۔

کیونکہ ان چیزوں کا قیام اور وجود نماز، روزہ، زکوۃ، حج کے ساتھ نہیں بلکہ جہاد ہی کے ساتھ ہے ۔باقی نماز، روزہ، حج، زکوۃ، اپنی جگہ پر الگ الگ فریضے ہیں جن کی فرضیت تو کیا اہمیت کا انکار کرنا بھی کفر ہے۔

لائیں نہ مومنین گر قوت کو کام میں

ہر گز نہیں نجات ملے گی فساد سے

روزہ نماز و ذکر کا اپنی جگہ ثواب

لیکن نفاذِ دین تو ہو گا جہاد سے

اس لئے اگر صرف نماز، روزے اور حج، زکوۃ اور اللہ تعالیٰ کے ذکر و تلاوت سے خلافت قائم ہوتی، اللہ تعالیٰ کی مدد اترتی، اسلام پھیل سکتا، کفر شرارتوں سے باز آسکتا تو کم از کم حضرت پاک ﷺ اپنے نہتے نمازی ،روزے دار، قرآن کے قاری صحابہ رضی اللہ عنہم کو میدانوں میں لے جا کر قتل نہ کرواتے اور نہ ہی کفار کو قتل کر کے جہنم روانہ فرماتے ۔صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین بھی مکہ مکرمہ میں حرم کی نمازوں اور مدینہ منورہ (مسجد نبوی) میں حضرت پاک ﷺ کے پیچھے نمازوں کو چھوڑ کر بلادِ کفر میں جا کر جنگیں نہ کرتے۔

بلکہ دیکھئے غزوہ موتہ کے موقع پر حضرت زید بن حارثہؓ کو حضرت پاک ﷺ نے امیر لشکر بنا کر روانہ فرمایا اور یہ فرمایا کہ اگر زیدؓ شہید ہو جائیں تو جعفر بن ابی طالبؓ، جب وہ شہید ہو جائیں تو حضرت عبداللہ بن رواحہؓ جب وہ بھی شہید ہو جائیں تو جسکو چاہیں امیر بنا لیں۔ حضرت عبداللہ بن رواحہؓ نے یہ سوچ کر کہ اب شہادت تو یقینی ہے، آخری نماز محبوب ﷺ کے پیچھے پڑھتے جائیں، گھوڑا تیز رفتار ہے۔ خیر الایام، جمعہ کے دن خیر المساجد بعد الحرم، مسجد نبوی میں خیر الامام حضرت پاک ﷺ کے پیچھے نماز ادا فرمائی، جب حضرت پاک ﷺ کی نظر پڑی تو حضرت پاک ﷺ کے دریافت فرمانے پر حضرت عبداللہ بن رواحہؓ نے عرض کیا کہ

حضرت دل کی تمنا تھی کہ اپنے محبوب ﷺ کے ساتھ نماز ادا کروں گا اور پھر جلدی جلدی اپنے ساتھیوں سے جاملوں گا۔ تو حضرت پاک ﷺ نے فرمایا۔

اگر تم دنیا کی تمام چیزوں کو اللہ تعالیٰ کے راستہ میں خرچ کروگے تب بھی ان لوگوں کی صبح کا ایک سفر اور اس کا ثواب حاصل نہ کر سکوگے۔

اس لئے خدارا ایسی باتیں زبان سے نکال کر اپنی آخرت خراب نہ کریں نہ ایمان کو نفاق سے بدلیں نہ جہاد کی اہمیت کو کم کریں کیونکہ جہاد کی اہمیت کم ہوئی ہے نہ آئندہ ہوگی۔ شریعت کے ہر عمل کو اس کا درجہ دیں، اسی کا نام دین ہے، اسی کا نام اسلام ہے اور اسی کا نام ایمان اور مذہب ہے۔ ورنہ۔

گر فرقِ مراتب نہ کنی زندیقی

☆☆☆

اعتراض(۱۹)

حضرت عبداللہ بن عباسؓ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت پاک ﷺ نے ارشاد فرمایا

خَيْرُ الصَّحَابَةِ اَرْبَعةٌ وَّخَيْرُ السَّرَايَا اَرْبَعُ مِا ئَةٍ وَّخَيْرُ الْجُيُوْشِ اَرْبَعَةُ اٰلافٍ وَّلَنْ يَّغْلِبَ اثْنَا عَشَرَ اَلْفًا مِّنْ قِلَّة (مشکٰوۃ شریف، کتاب آداب السفر)

بہترین رفیق اور ساتھی چار ہیں اور بہترین چھوٹا لشکر چار سو کا ہے، اور بہترین بڑا لشکر وہ ہے جسکی تعداد چار ہزار ہو اور بارہ ہزار کا لشکر قلت کی وجہ سے شکست نہیں کھا سکتا۔

اس وقت مجاہدینِ اسلام کی تعداد لاکھوں میں ہے، مگر پھر بھی فتح ان کو کیوں نہیں ہوتی؟ جبکہ حدیث شریف میں ہے کہ مسلمان بارہ ہزار کی تعداد میں ہوں، تو کبھی بھی تعداد کے تھوڑا ہونے کی وجہ سے مغلوب نہیں ہو سکتے۔

جواب نمبر ا:

اسلام اور کفر کے مابین جاری جنگ بھی تو، آخر ایک جنگ ہی ہے اور جنگ کے بارے میں ایک اصول یاد رکھیئے کہ " اَلْحَرْبُ سِجَالٌ "، یعنی جنگ کنوئیں کے ڈول کی مانند ہے کہ، کبھی ایک فریق تو کبھی دوسرا فریق کھینچتا ہے۔ ہمیشہ ایک ہی شخص اسکو نہیں کھینچتا اور یہ وہ اصول ہے، جسکو غزوہ احد میں کفار کے سردار ابو سفیان (جو کہ بعد میں مسلمان ہو گئے تھے)، مسلمانوں کو عارضی شکست کے بعد دھراتے ہوئے کہا تھا۔

يَوْمٌ بِيَوْمِ بِبَدْرٍ وَّالْحَرْبُ سِجَالٌ"

کہ آج کی ہماری فتح بدر کی شکست کے بدلہ میں ہے، اور جنگ تو ڈولوں کی مانند ہے کبھی اوپر کبھی نیچے۔

اسکے علاوہ بھی ابو سفیان نے کچھ جملے اور نعرے لگائے تھے، جن کا حضرت پاک ﷺ نے جواب دلوایا تھا، مگر اس جملہ کا جواب نہ دیا، اور نہ ہی دلوایا۔

اسکی وجہ حضرت مولانا ادریس کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ سیرت المصطفیٰ ج۳ میں تحریر فرماتے ہیں کہ ابو سفیان کا قول "اَلْحَرْبُ سِجَالٌ" چونکہ حق تھا، اس لئے اس کا جواب نہیں دیا۔

اور حق تعالیٰ کا یہ ارشاد: "تِلْکَ الْاَيَّامُ نُدَاوِلُهَا بَيْنَ النَّاسِ" اس کا مؤید ہے۔

اس لئے کسی بھی معرکہ میں مسلمانوں کی شکست کا ہو جانا بھی اسی اصول کے تحت ہی دیکھا جانا چاہیئے۔

فائدہ: اس اصول "اَلْحَرْبُ سِجَالٌ" کو معمولی نہ سمجھیں کیونکہ یہ تو اب حدیث تقریری سے ثابت ہو گیا ہے اور حجت کا درجہ رکھتا ہے۔

فائدہ:

انتہائی اختصار کے ساتھ یہ عرض ہے کہ حدیث کہتے ہیں، حضرت پاک ﷺ کے قول و فعل اور تقریر کو۔اور تقریر کا معنی یہ ہے کہ کسی شخص نے حضرت پاک ﷺ کے سامنے کوئی کام کیا یا کوئی بات کہی آپ نے جاننے کے باوجود اس سے منع نہ فرمایا بلکہ اسے برقرار رکھا۔

جواب نمبر ۲:

اس حدیث سے یہ تو معلوم ہوتا ہے کہ مسلمان اگر بارہ ہزار کی تعداد میں ہوں، تو انکو کبھی بھی قلت تعداد کی وجہ سے شکست نہ ہوگی، مگر اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ، انکو کسی اور وجہ سے بھی شکست نہیں ہوسکتی ۔مثلاً اگر اسباب رسد کو کاٹ دیا جائے، اور سامان جنگ یعنی آلاتِ حرب و ضرب ضائع ہو جائیں۔اور بالخصوص جبکہ مسلمان ہی انکی ٹانگیں کھینچنے کا فریضہ انجام دے رہے ہوں، تو پھر مسلمانوں ہی کو شکست کیوں نہ ہوگی؟

جواب نمبر ۳:

بعض اوقات مسلمانوں کی شکست میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے کچھ خاص حکمتیں ہوتیں ہیں، جو کہ صرف شکست کی صورت میں ہی مل سکتی ہیں نہ کہ فتح کی صورت میں مثلاً

(۱) تاکہ کھرے کھوٹے، اور کچے پکے، مخلص اور غیر مخلص الگ ہو جائیں۔

(۲) تاکہ شکستہ خاطر ہو کر اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں عاجزی، ذلت اور مسکنت کے ساتھ رجوع کریں اور اس کے نتیجے میں حق تعالیٰ انکو آئندہ، عزت و فتح عطا فرمائیں۔

(۳) تاکہ مسلمانوں کے دلوں میں عجب و کبر اور فخر پیدا نہ ہو، جس سے اللہ تعالیٰ کی مدد و نصرت رک جاتی ہے، جیسے غزوہ حنین میں ہوا تھا۔

(۴) تاکہ شکست کے باوجود مسلمانوں کے حق پر قائم رہنے سے ان کے درجات بلند ہوں، اور حق تعالیٰ کا قرب خاص نصیب ہو۔

(۵) تاکہ شہادت کے شائقین اور اللہ تعالیٰ سے ملاقات کے خواہش مندوں کو شہادت کی نعمت نصیب ہو۔

(۶) تاکہ اس شہادت کے نتیجہ میں مسلمانوں کے گناہ اور خطائیں معاف ہو جائیں۔اور پاک صاف ہو کر اللہ تعالیٰ کے حضور پہنچیں۔

(۷) تاکہ اللہ تعالیٰ کفار کو مٹادے، کیونکہ جب اللہ تعالیٰ کے بندگانِ خاص کی خونریزی ہوتی ہے، تو حق تعالیٰ کی غیرت جوش مارتی ہے، اور اپنے مخصوص بندوں اور دوستوں کے دشمنوں کو صفحہ ہستی سے مٹادیتے ہیں۔

(۸) تاکہ کفار مزید دلیری، نازو غرور کے ساتھ میدان میں آئیں اور ہمیشہ کے لئے دنیا سے فنا ہو جائیں۔

(۹) تاکہ یہ ثابت ہو جائے کہ اللہ تعالیٰ کی سنت یہ ہے کہ وہ دلوں کو پھیر دیتے ہیں کبھی دوستوں کو اور کبھی دشمنوں کو فتح دیتے ہیں۔

مگر آخر کار نتیجہ اور انجام کار میں فتح تو اہلِ حق کو ہی نصیب ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ فہمِ سلیم سے نواز دیں۔
آمین یارَبَّ العٰلمین۔

شکستِ فاش بھی ہو جائے ممکن ہے ہزاروں کو،
وہ محبوب آزماتا ہے خود اپنے جانثاروں کو،
کبھی تو فتح و نصرت سے کبھی شوقِ شہادت سے،
عطا کرتا ہے مولیٰ کامرانی اپنے پیاروں کو،

تنبیہ:

اس لئے میرے بھائیو، دوستو، بزرگو! گزارش ہے کہ یہ اور ان جیسی دیگر احادیث کو سمجھنے کی کوشش کریں اور سمجھ میں نہ آئیں تو کسی صاحب علم سے رابطہ فرمائیں۔

فَاسْئَلُوْا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ (سورۃ الانبیاء، آیت نمبر ۷)

مگر خدارا شرم و حیاء فرمائیں، اور ناسمجھی کی وجہ سے مجاہدین اور جہاد پر اعتراض کر کے کفار کی پشت پناہی نہ کریں، اور نہ ہی اپنی آخرت برباد کریں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں فکر آخرت کی توفیق سے نوازیں۔
آمین یارَبَّ العٰلمین۔

گزارش:

اگر کبھی کسی محاذ سے مسلمانوں کی شکست کی خبریں موصول ہوں، تو اسکی وجہ سے مجاہدین کے اعمالِ صالحہ میں کیڑے نہ نکالے جائیں، بلکہ اپنے گریبان میں نگاہِ تفکر دوڑایئے، کہ کہیں ہماری بد بختی اور اعمال بد کی نحوست کی وجہ سے مجاہدین کو شکست کا سامنا نہ کرنا پڑتا ہو۔ نیز اس پر بھی غور کریں کہ ایسے وقت میں مجاہدین کی ہمت بندھانے کی ضرورت ہوتی ہے، نا کہ ان کے زخموں پر نمک چھڑکنے کی۔ اس لئے ایسے وقت میں مجاہدین کی زیادہ سے زیادہ ہر قسم کی جانی مالی لسانی مدد کرنے کے ساتھ ساتھ اللہ تعالیٰ سے مجاہدین کی فتح و نصرت اور کفار کی شکست کی دعاء کا معمول بنایئے اور اسلام کے معمولی نقصان میں بھی اپنا نقصان سمجھیں۔

جواب نمبر ۴:

مجاہدین کی شکستیں دیکھنے والوں کو مجاہدینِ اسلام کی تاریخی فتح، فتح افغانستان بھی مد نظر رکھنی چاہیے جہاں بے آسرا مجاہدین نے اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے دنیا کی سپر طاقت کو زیر کر دیا۔

"فَاعْتَبِرُ وْ يَاأُولِى الْاَبْصَارِ" (الحشر۔۲)

جواب نمبر ۵:

اور دوسرے مقامات پر جاری جہاد کے بارے میں بھی آپ یہ تو کہہ سکتے ہیں کہ، فتح میں تاخیر ہو رہی ہے مگر یہ نہیں کہہ سکتے کہ مجاہدین کو شکست ہو رہی ہے، بلکہ شکست تو کفار کو ہو رہی ہے جسکو وہ خود تسلیم بھی کرتے ہیں۔

☆☆☆

اعتراض نمبر (۲۰)

جہاد کے لئے حکومت اور مرکز کا قیام شرط ہے، حکومت کے بغیر جہاد بالکل جائز نہیں ہے۔

کیونکہ خود حضرت پاک ﷺ نے جب تک مدینہ منورہ میں حکومت اور مرکز قائم نہیں فرمایا، اسوقت تک جہاد شروع نہیں کیا۔

جواب نمبر ۱:

جہاد کی دو قسمیں ہیں اقدامی، دفاعی۔

اقدامی جہاد:

اسلام کو عزت و شوکت اور قوت حاصل ہو اور مزید فریضہ جہاد کو جاری رکھنے کے لئے مسلمانوں کا ایک دستہ اور قافلہ کافروں کی طرف پیش قدمی کر رہا ہو۔ جہاد کی یہ قسم فرضِ کفایہ ہے۔ اسکے لئے والدین کی اجازت، جنگ سے پہلے کفار کو اسلام کی دعوت اور بعض کے ہاں طاقت کا توازن شرط ہے اسی طرح اس جہاد میں مسلمانوں کے لئے ایک مرکز اور حکومت بھی شرط ہے اور یہ جہاد بھی ہر وقت جاری رہنا ضروری ہے اگر کسی وقت یہ جہاد موقوف ہو گیا تو پوری امت گناہ گار ہو گی اور چند ایک کے ادا کرتے رہنے سے پوری امت اس کے چھوڑنے کے گناہ سے محفوظ رہے گی۔ جیسے نمازِ جنازہ۔

دفاعی جہاد:

کفار نے مسلمانوں کے ملک پر چڑھائی کر دی یا کفار نے مسلمانوں کی ایسی زمین پر قبضہ کر لیا جو ایک گھنٹہ بھی خلافت کے زیر اثر رہی ہو تو سب سے پہلے قرب و جوار کے مسلمانوں پر اور انکے کم ہونے یا نہ کرنے کی صورت میں دنیا کے تمام مسلمانوں پر کفار کو دفع کرنا فرض ہو جاتا ہے اور جہاد کی اس قسم کے لئے کوئی شرط نہیں حتیٰ کہ اسلام کی دعوت دینا بھی شرط نہیں، نہ ہی حکومت اور نہ ہی والدین کی اجازت شرط ہے۔ اور بیوی کے لئے شوہر کی اور باندی و غلام کے لئے آقا کی اجازت بھی شرط نہیں ہے۔

آج کل پوری دنیا میں اسی قسم کا دفاعی جہاد ہو رہا ہے، کہیں بھی اقدامی جہاد نہیں ہو رہا۔ اللہ تعالیٰ وہ وقت بھی جلد لائے کہ جب اقدامی جہاد شروع ہو۔

جواب نمبر ۲:

باقی رہا یہ اعتراض کہ حضرت پاک ﷺ پر اسوقت تک جہاد کا حکم نازل نہیں ہوا جب تک آپ ﷺ نے مرکز قائم نہیں کیا اور حکومت اسلامیہ کی بنیاد نہیں رکھی۔ تو میری گزارش صرف اتنی ہے کہ اگر جہاد کے لئے حکومت کی شرط کی بنیاد صرف یہ ہی بات ہے تو پھر دوسرے وہ تمام احکام جو کہ اسوقت نازل ہوئے جب حضرت پاک ﷺ مرکز اور حکومتِ اسلامیہ کی بنیاد رکھ چکے تھے جیسے روزہ، زکوۃ اور میراث وغیرہ تو کیا ان احکام کے لئے بھی مرکز اور حکومت کے قیام کی شرط ہے؟ اگر نہیں اور یقیناً نہیں تو پھر یہ جہاد کے لئے کیوں شرط ہے۔ دونوں کے درمیان فرق کی وجہ بھی ہونی چاہیے۔ اللہ تعالیٰ ہم کو دین کی صحیح سمجھ عطا فرمائے۔ آمین۔

ہو نہیں سکتا بھلا کیونکر جہاد
اے مرے مخلص، حکومت کے بغیر
آخر ش میراث وروزہ اور زکوٰۃ
سب ہی نافذ ہیں خلافت کے بغیر

جواب نمبر ۳:

جہاد تو خود حکومتِ اسلامیہ اور خلافت قائم کرنے کے لئے کیا جاتا ہے اب اگر حکومت کو شرط قرار دیں تو جہاد کے قائم کرنے کے لئے تو منطق کی اصطلاح میں (دور) لازم آتا ہے جو کہ باطل ہے۔

جواب نمبر ۴:

اس سلسلہ میں عہدِ رسالت کا واقعہ مد نظر رہنا چاہئے۔

۶ھ میں حضرت پاک ﷺ عمرہ کے ارادہ سے مکہ تشریف لے جارہے تھے کہ کفار نے حدیبیہ کے مقام پر روک لیا، اور وہاں مشرکینِ مکہ اور حضرت پاک ﷺ کے درمیان ایک معاہدہ طے پایا جسکی شرائط نہایت سخت تھیں جن میں ایک شرط یہ تھی کہ کفار میں سے کوئی شخص مسلمان ہو کر مدینہ چلا جائے تو اسکی واپسی ضروری ہے جبکہ اگر کوئی شخص العیاذ باللہ مرتد ہو کر مدینہ سے مکہ چلا جائے تو اسکی واپسی نہیں ہوگی۔ اس معاہدہ کے بعد حضرت ابو بصیرؓ مسلمان ہو کر مکہ مکرمہ سے مدینہ منورہ آگئے، تو کفار کے مطالبہ پر حضرت پاک ﷺ نے ان کو مکہ مکرمہ سے آنے والے دو آدمیوں کے حوالہ کر دیا اور حسب وعدہ واپس فرما دیا۔

راستہ میں حضرت ابو بصیرؓ نے دونوں آدمیوں سے کہا کہ یہ تلوار جو تمہارے ہاتھ میں ہے بڑی زبردست ہے ذرا دکھاو، وہ کافر ذرا سی تعریف پر پھول گیا اور یہ کہہ کر کہ میں نے بہت سے لوگوں پر اس کا تجربہ کیا ہے، تلوار حضرت ابو بصیرؓ کے حوالہ کر دی۔ آپ نے ایک آدمی کا کام اسی تلوار سے تمام کر دیا اور دوسرا وہاں سے بھاگ گیا۔ حضرت ابو بصیرؓ مدینہ میں دربارِ رسالت میں حاضر ہو کر عرض کرنے لگے کہ، حضرت آپ نے حسب وعدہ واپس فرمایا اور میرا ان سے کوئی معاہدہ نہیں، مگر حضرت ابو بصیرؓ اس خوف سے کہ شاید دوبارہ کفار کے مطالبہ پر حضرت پاک ﷺ مجھے واپس کر دیں۔ مدینہ سے دور سمندر کے کنارے ڈیرا لگالیا اب ہر شخص مکہ سے مسلمان ہوتا اور انکے پاس پہنچ جاتا یہ مختصر سی جماعت تیار ہو گئی۔ (ان افراد کی تعداد ستر ہو گئی تھی اور علامہ سھیلیؒ کے بقول تین سو ہو گئے تھے۔ زرقانی ج ۲) اور ادھر سے کفار کے راستے کو بند کر دیا اور کفار پر حملے کرتے رہے۔ جو قافلہ ادھر سے گزرتا اس سے جنگ کرتے۔ حتیٰ کہ کفار نے پریشان ہو کر حضرت پاک ﷺ کی خدمت میں گزارش کی کہ آپ ان کو مدینہ منورہ بلالیں۔ اب دیکھئے کہ یہ حضرات کس حکومت کے تحت جہاد کر رہے تھے اور کیا ان کا جہاد غیر شرعی تھا؟ ان کے اس مبارک عمل کے برحق ہونے پر حضرت پاک ﷺ کی خاموشی ہی بہت بڑی دلیل ہے۔

فائدہ جلیلہ:

آخر میں حضرت استاد محترم حضرت مولانا زاہد الراشدی دامت برکاتہم کے "اوصاف" اخبار میں شائع ہونے والے کالم "نوائے قلم" کا تذکرہ کرنا ضروری سمجھتا ہوں جو کہ اس موضوع کے حوالہ سے بہت خوب ہے اور مقصد کو بھی خوب واضح کرتا ہے۔ دیکھئے۔

کسی جنگ کے جہاد ہونے کا پہلا درجہ یہ ہے کہ باقاعدہ اسلامی ریاست قائم ہو اور امیر المومنین کی طرف سے جہاد کا اعلان کیا جائے۔ لیکن جہاں اسلامی ریاست موجود نہ ہو یا مسلم حکمران خود غیر مسلمان اور حملہ آور قوتوں کا یرغمال بنا ہوا ہو وہاں اعلانِ جہاد کا یہ فریضہ علمائے کرام کی طرف منتقل ہو جاتا ہے۔ یہ ایک مسلمہ فقہی اصول ہے اور بہت سے ایسے شرعی احکام ہیں جن کا نفاذ حکومت پر موقوف ہے مگر کوئی اسلامی حکومت موجود نہیں ہے یا مسلم حکومت اس ذمہ داری کو قبول کرنے سے گریز کر رہی ہے۔

مثلاً: اقامتِ صلوۃ، اقامتِ جمعہ وعیدین، نکاح وطلاق کے تنازعات اور زکوۃ کی وصولی اور مصرف وغیرہ جیسے معاملات میں خلاء کو قبول نہیں کیا جائے گا اور احکام کے تسلسل کو باقی رکھنے کے لئے علماء کرام اس فریضہ کو

سنبھال لیں گے۔ جب کہ ہر دور میں علماء کرام نے اس ذمہ داری کو قبول کیا اور نبھایا ہے۔ اسی طرح جہاں مسلم حکومت موجود نہ ہو یا موجود ہو اور کافروں کے نرغے میں ہو اور اس وقت کے معروضی حالات جہاد کا تقاضا کرتے ہوں تو علماء کا فرض بن جاتا ہے کہ وہ اس خلا کو پر کریں، اور ایسی صورت میں انکے اعلان اور فتوی سے ہی کوئی جنگ " شرعی جہاد " کی حیثیت اختیار کرے گی۔

☆☆☆

اعتراض(۲۱)

اگر حکومتِ اسلامیہ کا قیام جہاد کے لئے شرط نہیں تو بھی ایک امیر کا ہونا تو شرط ہے۔ جب تک ایک امیر نہ ہو گا اسوقت تک جہاد شرعی نہیں ہو سکتا۔ لہٰذا ان دنوں مجاہدین جو کہ مختلف جماعتوں کے اندر بٹے ہوئے ہیں اور ہر ایک کا الگ امیر ہے ان کا جہاد بھی شرعی جہاد نہیں۔

جواب نمبر ا:

یہ ایک ایسا لغو سوال ہے جسکی بنیاد قرآن ہے نہ حدیث، فقہ ہے نہ تاریخ۔ بلکہ یہ سوال ہی اسلامی تاریخ اور فقہ اسلامی سے ناواقفیت پر مبنی ہے بلکہ اسکے پیچھے ایک خاص چال کار فرما ہے جسکی طرف عام طور پر ذہن منتقل نہیں ہوتا۔

کفار کے مقابلہ کرنے کے واسطے
ترکش میں میرے دوستو تیر ہونا چاہیے
جرات، خلوص، عزم مصمم ہے لازمی
کس نے کہا کہ ایک امیر ہونا چاہیے

ہوا یہ کہ جب انگریز کے خلاف مختلف علمائے حق نے جہاد کا پرچم بلند کیا اور انگریز کو خاک چاٹنے کے علاوہ اور کوئی صورت نظر نہ آئی۔ تو اس نے اپنے ایجنٹ مرزا غلام احمد قادیانی کے ذریعہ سے ایک پمفلٹ شائع کرایا جسکی عبارت یہ تھی کہ "مسلمانو! جہاد تم پر فرض نہیں کیونکہ تمہاری قوت کم ہے اور بغیر قوت کے جہاد نہیں ہوتا۔ تمہارا ایک امیر بھی نہیں ہے اور بغیر ایک امیر کے جہاد نہیں ہوتا" ۔ یہ ہے اس اعتراض اور شوشے کی بنیاد جس نے مسلمانوں کے اندر سے جہاد جیسی عظیم طاقت کو کھرچنے کی کوشش کی ہے۔

جواب نمبر ۲:

ہم پہلے عرض کر چکے ہیں کہ جہاد کی دو قسمیں ہیں اقدامی جہاد اور دفاعی جہاد۔ اقدامی جہاد کے لئے کچھ شرائط ہیں مگر دفاعی جہاد کے لئے تو کوئی شرط نہیں ہے اور اس دور میں دنیا کے کسی بھی خطے میں اقدامی جہاد نہیں ہے بلکہ صرف دفاعی جہاد ہے۔

جواب نمبر ۳:

زیادہ مثالوں کی ضرورت نہیں صرف ۱۹ ویں صدی کو دیکھ لیں ایک ہی وقت پر کتنی اسلامی تحریکیں چل رہی تھیں اور جہاد ہو رہے تھے۔ مگر امیر تو ہر ایک کا الگ تھا شاملی کے میدان سے لیکر امام شامل کے میدان تک اسکی مثالیں موجود ہیں۔

جواب نمبر ۴:

اگر یہ شرط لگا دی جائے تو جہاد کا وجود ہی ختم ہو جائے گا۔ کیونکہ بسا اوقات بلکہ اکثر اوقات ایسا ہوتا ہے کہ خلافتِ اسلامیہ نہ ہونے کی وجہ سے مسلمانوں نے دنیا کے کونے کونے میں جو جہاد شروع کر رکھے ہیں، ان کا ایک امیر پر اتفاق تو کجا آپس میں مسلسل رابطہ تک ممکن نہیں ہوتا ہے۔

جواب نمبر ۵:

اس کے لئے بھی حضرت ابو بصیرؓ کا واقعہ مشعلِ راہ ہے کہ انہوں نے حضرت پاک ﷺ کی موجودگی میں اپنا جہاد جاری رکھا۔ حالانکہ ان کا اپنا الگ امیر تھا اور یہ اس وقت کے امیر المجاہدین حضرت پاک ﷺ کی امارت کے اندر جہاد نہیں کر رہے تھے۔ حالانکہ حضرت پاک ﷺ کی موجودگی میں دوسرے شخص کا یوں جہاد کرنا بظاہر کتنا عجیب معلوم ہوتا ہے مگر بات وہی ہے کہ یہاں پر صورت ایسی تھی کہ ایک امیر کے ماتحت جہاد کرنا ممکن ہی نہ تھا۔

کیونکہ اگر وہ حضرت پاک ﷺ کے حکم سے کاروائی کرتے تو یہ معاہدہ حدیبیہ کی خلاف ورزی تھی اور اس کی حضرت پاک ﷺ سے العیاذ باللہ ہر گز توقع نہ کی جاسکتی تھی اس لئے یہاں ایک ہی صورت ممکن تھی کہ وہ حضرات الگ تھلگ اپنا الگ امیر مقرر کر کے جہاد میں مصروف رہیں۔ حق تعالیٰ ہمیں بھی ہر حال میں جہاد کرنے کی توفیق دے۔ آمین یارَبَّ العٰلَمِین۔

یہ حیلہ چل نہیں سکتا کبھی سرِ محشر — کہ اہلِ حق کا جہاں میں کوئی امیر نہ تھا
تجھے تو عقل تھی تو کیوں نہ شریک ہوا — بتا کہ تیرے کماں میں کوئی بھی تیر نہ تھا

☆☆☆

اعتراض(۲۲)

جہاد کے لئے ضروری ہے کہ مسلمانوں کے پاس نفری اور اسلحہ کی تعداد دشمن سے زیادہ ہو یا کم از کم برابر ہو کیونکہ اگر اسلحہ اور افرادی قوت مسلمانوں کے پاس نہ ہوگی اور جنگ میں کود پڑیں گے تو پھر یہ جہاد نہیں بلکہ خودکشی ہوگی جو کہ حرام ہے اور شریعت اسکی اجازت نہیں دیتی۔

جواب نمبرا:

مسلمانوں کا سب سے بڑا ہتھیار اخلاص اور صبر و توکل اور ایمانی طاقت ہے اور جہاد کا اصل مدار بھی ایمان، توکل اور اعتماد علی اللہ پر ہی ہے اور مسلمان صرف درجہ اسباب میں حسبِ استطاعت جو میسر ہو اسکو لے کر میدان میں آجاتا ہے۔

جب مسلمان خالص اللہ کی ذات پر بھروسہ کرتے ہوئے میدان جہاد میں آتا ہے اور اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کے حوالے کرتے ہوئے عرض کرتا ہے کہ یااللہ جو میرے بس میں تھا میں نے کیا۔ اب آئندہ دشمنوں پر غالب کرنا یہ تیرا کام ہے۔

اِذْ تَقُوْلُ لِلْمُؤْمِنِيْنَ اَلَنْ يَّكْفِيَكُمْ اَنْ يُّمِدَّكُمْ رَبُّكُمْ بِثَلٰثَةِ اٰلافٍ مِّنَ الْمَلٰٓئِكَةِ مُرْدِفِيْن

تو پھر آسمان سے مدد کے لئے فرشتے اترتے ہیں۔(آل عمران، آیت نمبر ۱۲۴)

فَثَبِّتُوْاالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا

اور مسلمانوں کے دلوں کو مضبوط کر دیا جاتا ہے۔(سورہ الانفال، آیت نمبر ۱۲)

سَنُلْقِي فِيْ قُلُوْبِ الَّذِيْنَ كَفَرُواالرُّعْبَ

اور کافروں کے دلوں میں رعب ڈال دیا جاتا ہے۔(الانفال، آیت نمبر ۱۲)

فِئَةٌ تُقَاتِلُ فِيْ سَبِيْلِ اللهِ وَاُخْرٰى كَافِرَةٌ يَّرَ وْنَهُمْ مِّثْلَيْهِمْ رَاَيَالْعَيْنِ اور مسلمانوں کی تھوڑی تعداد کافروں کی نگاہ میں زیادہ کرکے اللہ تعالیٰ دکھاتے ہیں۔(آل عمران، آیت نمبر ۱۳)

اِذْ يُرِ يْكَهُمُاللهُ فِيْ مَنَامِكَ قَلِيْلًا۔(الانفال، آیت نمبر ۴۳)

تو پھر پتھر گولیوں کا کام کرتے ہیں جیسے داود علیہ السلام کے ساتھ ہوا کہ حضرت داود علیہ السلام نے جالوت کو پتھر مارا اسی سے اس جرنیل اور کافروں کے ایسے بادشاہ کا جو ہزاروں پر اکیلا بھاری ہوتا تھا، کام تمام ہو گیا۔

مٹی بارود کا کام کرتی ہے جیسے کہ بدر و حنین میں حضرت پاک ﷺ کے ساتھ ہوا کہ آپ کی مٹھی بھر ریت سے کافروں کی آنکھیں چندھیا گئیں۔ گویا کہ آج کی اصطلاح اور زبان میں کافروں پر شیلنگ کر دی گئی۔

درخت کی ٹہنیاں تلوار بن جاتی ہیں جیسے غزوہ بدر میں حضرت عکاشہؓ کے ساتھ ہوا کہ حضرت پاک ﷺ نے حضرت عکاشہؓ کو درخت کی ٹہنی پکڑائی جو ان کے ہاتھ میں جاتے ہی تلوار بن گئی۔

اور کہیں دریا مسخر کر دیا جاتا ہے اور دریا پر گھوڑے یوں دوڑتے ہیں جیسے خشکی پر میدان میں۔ جیسے حضرت علاء حضرمیؓ کے ساتھ ہوا۔

اور کہیں مجاہد کی ایک آواز پر درندے جنگلوں کو خالی کر دیتے تھے۔ جیسے حضرت سفینہؓ کی آواز پر افریقہ کے جنگلات کو درندے خالی کر رہے ہیں کہ جنگل میں محمد ﷺ کے غلاموں نے رات بسر کرنی ہے۔

یہی صبر و توکل اور اخلاص ایک ایسا ہتھیار ہے جسکی وجہ سے مسلمان ہمیشہ غالب اور ناقابل تسخیر رہا ہے اور یہ اللہ تعالیٰ کی نصرت و مدد کے واقعات صرف عہدِ رسالت ﷺ یا عہدِ صحابہؓ کے ساتھ مخصوص نہیں ہیں بلکہ آج بھی مجاہدین کا یہی اخلاص نت نئی کامیابیوں کی نئی راہیں کھول رہا ہے اور ظاہری سازو سامان اور اسلحہ کا حصول بھی در حقیقت ان کے اخلاص اور صبر و توکل کا مرہون منت ہے۔

دیکھئے! ماضی قریب میں روس جیسی سپر طاقت کا مٹھی بھر مجاہدین کے ہاتھوں تباہ و برباد ہو جانا، ایک مجاہد کی مٹھی بھر کنکریوں سے چودہ ٹینکوں کو آگ لگ جانا اور جل کر خاک ہو جانا۔ خالی ہاتھ مجاہدین کا مسلح روسیوں کو گرفتار کرنا، مجاہدین کے لئے پرندوں کا جہاز کے حملہ سے قبل اطلاع دے کر ریڈار کا کردار ادا کرنا۔ محض دعاء سے طیاروں اور ٹینکوں کا تباہ ہو جانا، معرکہ جنگ میں بالکل اجنبی لوگوں کا مجاہدین کی طرف سے لڑنا جسکا اقرار خود روسی کافر قیدی کرتے ہیں ان سب واقعات میں صرف یہی کہا جا سکتا ہے کہ ان مجاہدین کی حفاظت اللہ تعالیٰ کی نہ اونگھنے والی آنکھ کر رہی ہے اور انشااللہ کرتی رہے گی۔ کیونکہ

ذَالِکَ بِاَنَّ اللہَ مَوْلٰی الَّذِیْنَ آمَنُوْا وَاَنَّ الْکَافِرِیْنَ لَا مَولٰی لَھُمْ۔

اللہ تعالیٰ ایمان والوں کا مولا اور مدد گار ہے اور کافروں کا کوئی مدد گار نہیں ہے۔ (سورۃ محمد، آیت نمبر ۱۱)۔

نہ قوت پر نہ طاقت پر نہ کثرت اور جماعت پر جہاد فی سبیل اللہ کی بنیاد نصرت پر
سروں پہ رکھ کے سودائے تلاشِ منزل مقصود سفر کرتے رہیں گے اشہبِ شوق شہادت پر

جواب نمبر ۲:

اگر یہ اصول اور فلسفہ تسلیم کر لیا جائے کہ مسلمانوں کی تعداد کم ہو تو لڑنا خود کشی ہے۔ اس سے اسلام کی ساری تاریخ داغدار ہو جائے گی کیونکہ ایسا بہت کم ہوا ہے کہ مجاہدین کی تعداد دشمن سے زیادہ یا برابر ہوئی ہو۔ بلکہ اکثر کفار مادّی قوت میں مسلمان سے بڑھ کر ہی رہے ہیں۔ آیئے تاریخ کے آئینے میں چند واقعات سے

اس بات کا جائزہ لیتے ہیں۔

حضرت طالوت علیہ السلام کے جیش کی تعداد ۳۱۳ تھی۔ جبکہ مد مقابل لاکھوں کی تعداد میں مسلح فوج تھی۔

(۱)جنگ بدر۔ مسلمان تین سو تیرہ(۳۱۳)، کفار ایک ہزار ۱۰۰۰۔

(۲)جنگ احد۔ مسلمان سات سو(۷۰۰)، کفار تین ہزار ۳۰۰۰۔

(۳)جنگ خندق۔ مسلمان تین ہزار(۳۰۰۰)، کفار چوبیس ہزار ۲۴۰۰۰ سے زائد

(۴)غزوہ خیبر۔ مسلمان سولہ سو(۱۶۰۰)، کفار بیس ہزار ۲۰۰۰۰۔

(۵)غزوہ موتہ۔ مسلمان تین ہزار(۳۰۰۰)، کفار دولاکھ ۲۰۰۰۰۰۔

(۶)جنگ قادسیہ۔ مسلمان تیس ہزار(۳۰،۰۰۰)، کفار ایک لاکھ ۱۰۰۰۰۰ ایرانی

(۷)جنگ یرموک۔ مسلمان بتیس ہزار(۳۲،۰۰۰)، کفار دولاکھ ۲۰۰۰۰۰ رومی

(۸)جنگ اسپین۔ مسلمان بارہ ہزار(۱۲۰۰۰)، کفار ایک لاکھ ۱۰۰۰۰۰۔

(۹)جنگ یرموک۔ مسلمان ساٹھ(۶۰)، کفار ساٹھ ہزار ۶۰۰۰۰۔

جواب نمبر۳:

اگر قلتِ افراد اور کم سامانی بلکہ بے سروسامانی کے ساتھ میدانِ جنگ میں آنے کا نام خودکشی ہے تو پھر ان واقعات کے بارے میں آپ کیا ارشاد فرمائیں گے۔

(۱)جب فاتح مصر حضرت عمرو بن العاصؓ نے حضرت عمرؓ سے تین ہزار افراد کی کمک مدینہ سے طلب کی تو حضرت عمرؓ نے صرف تین حضرات، حضرت خارجہ بن حزافہؓ، حضرت زبیر بن عوامؓ اور حضرت مقداد بن اسودؓ کو روانہ فرمایا اور فرمایا کہ یہ تین نہیں، تین ہزار ہیں۔

(۲)حضرت براء بن مالکؓ مسیلمہ کذاب کے تعاقب میں اس باغ کی چار دیواری سے تنہا اندر پھلانگ گئے ،جہاں مسیلمہ پناہ لئے ہوئے تھا۔ کیا العیاذ باللہ یہ خودکشی تھی؟ اور کیا کسی صحابی نے ان کو روکا تھا؟

جواب نمبر۴:

چلو اس بات کو تسلیم کر لیتے ہیں کہ مسلمانوں کے پاس کفار سے زیادہ یا کم از کم کفار کے برابر اسلحہ اور افرادی قوت کا ہونا ضروری ہے تو پھر اس کا کیا مطلب ہے کہ آدمی ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر بیٹھ جائے اور یہ عذر ہی

جنگ سے بچنے کے لئے کافی ہو گا کہ ہمارے پاس طاقت نہیں اس لئے جہاد نہیں کرتے بلکہ شریعت مطہرہ نے تو حسبِ استطاعت جہاد کی تیاری کا حکم دیا ہے اور دیگر احکام سے بڑھ کر دیا ہے۔

دیکھئے! قرآن کریم کی آیت:

وَاَعِدُّوْالَهُمْ مَااسْتَطَعْتُمْ مِنْ قُوَّةٍ وَّمِنْ رِّبَاطِ الْخَيْلِ

کہ دشمن کے خلاف اپنی استطاعت کے مطابق تیاری کرو۔(الانفال، آیت نمبر ۶۰)

یہ واحد حکم شرعی ہے جس کے کرنے کی کوئی انتہا نہیں، بلکہ جس قدر استطاعت ہو تیاری واجب ہے۔ اگر ہم دس جہاز بنا سکتے ہیں اور نو بناتے ہیں تو یقینا مجرم ہوں گے، کیونکہ ہمیں مستطعتم کا حکم ہے۔

اسی طرح اگر کسی شخص نے اسلحہ چلانا سیکھا اور بعد میں بھول گیا تو وہ بھی مجرم ہے حدیث شریف میں ہے،

مَنْ عَلِمَ الرَّمْیَ ثُمَّ تَرَكَهٗ وَفِیْ رِوَايَةٍ ثُمَّ نَسِیَ فَلَيْسَ مِنَّا۔

جس شخص نے اسلحہ سیکھا پھر چھوڑ دیا اور ایک روایت کے مطابق بھلا دیا وہ ہم میں سے نہیں ہے۔ (مسلم ج۱)

کیا یہ حدیث ان لوگوں کے لئے درس عبرت نہیں جنہوں نے آج تک اسلحہ چلانا سیکھا ہی نہیں۔ بلکہ وہ اسلحہ کو قابل نفرت و حقارت سمجھ کر اس سے نفرت کرتے ہیں اور دوسرے لوگوں کے دلوں میں شبہات ڈالتے ہیں۔ ایسے لوگوں کو اپنے ایمان کی فکر کرنی چاہیے۔ یہ لوگ انسانوں کے روپ میں شیاطین ہیں۔

اللہ تعالیٰ ان کے شر سے پوری امت کو محفوظ رکھے۔ آمین یارَبَّ العٰلمین۔

اللہ رب العزت نے ایسے ہی بہانے بنانے والے منافقین کے بارے میں کہا ہے کہ،

وَلَوْاَرَادُوا الْخُرُوْجَ لَاَعَدُّوْا لَهٗ عُدَّةً

یعنی اگر یہ لوگ جہاد کرنا چاہتے تو یہ جہاد کی تیاری بھی کرتے۔(التوبہ، آیت نمبر ۴۶)

صرف بہانے اور عذر ہی نہ بناتے رہتے۔ لہٰذا جو لوگ یہ شوشے چھوڑ رہے ہیں، ان کے بارے میں بھی غور کریں، بلکہ وہ اپنے بارے میں خود غور کریں کہ کیا وہ اسلحہ کے ساتھ جہاد کی تیاری بھی کرتے ہیں یا صرف شوشے چھوڑ کر جہاد کو کمزور کر کے کفار کی مدد کرتے ہوئے اندر کے نفاق کو ظاہر کر رہے ہیں۔

جواب نمبر۵:

یہ دراصل منافقین کے بہانے ہیں، جن کو قرآن نے ذکر کیا ہے کہ منافقین جہاد سے جان چھڑاتے تھے جہاد کا نام سن کر ان پر غشی کے دورے پڑتے تھے مگر اپنی بزدلی چھپانے اور اندر کی خباثت اور نفاق کو چھپانے کے لئے طرح طرح کے بہانے بناتے تھے جن کا تفصیلی ذکر تو آئندہ آئے گا فی الحال میں ان کا ایک بہانہ عرض

کرتا ہوں۔ وہ یہ کہ غزوہ احد کے موقع پر حضرت پاک ﷺ نے مدینہ سے باہر نکل کر جنگ لڑنے کا فیصلہ فرمالیا تو منافقین یہ کہہ کر راستے سے واپس آگئے کہ

لَوْ نَعْلَمُ قِتَالًا لَّا تَّبَعْنَا كُم

(کہ اگر ہم اس کو جنگ سمجھتے تو تمہارا ساتھ بھی دیتے)۔(آل عمران، آیت نمبر۱۶۷)

یعنی منافقین بھی یہ سمجھتے تھے کہ یہ کفار کے ساتھ جنگ نہیں بلکہ خودکشی ہے کیونکہ ہم تو تعداد میں تھوڑے ہیں اور ہمارے پاس اسلحہ و سامانِ جنگ بھی کم ہے اس لئے ساتھ تو نہیں دے سکتے اگر ہم اسکو واقعی جنگ سمجھتے تو ضرور تمھارا ساتھ بھی دیتے۔

نوٹ:

اس آیت کی کئی تفسیریں ہیں ایک یہ ہے جو میں نے نقل کی ہے۔

ہمارے اکابر:

آخر میں ایک واقعہ اپنے حضرات کا نقل کرتا ہوں تاکہ اکابر کا مزاج بھی سمجھ میں آجائے اور اکابر کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق بھی مل جائے۔

انگریز کے خلاف جب جہاد کرنے کے لئے حضرت حاجی امداداللہ مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ اور دوسرے حضرات اکابر تشریف فرما ہوئے اور مشورہ شروع ہوا تو اس موقع پر حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ سے گفتگو کرتے ہوئے قاسم العلوم والخیرات حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ حضرت کیا وجہ ہے آپ دشمنان دین و وطن سے جہاد کو فرض بلکہ جائز بھی نہیں فرماتے۔

مولانا شیخ محمد تھانوی: ہمارے پاس تو اسلحہ ہے اور نہ ہی آلاتِ جہاد ہیں، ہم بالکل بے سروسامانی میں کیا کر سکتے ہیں؟

حضرت نانوتوی: اتنا بھی نہیں کہ جتنا غزوہ بدر میں تھا؟

اس پر حضرت شیخ مولانا محمد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ خاموش ہوگئے۔ مگر حافظ محمد ضامن شہید رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا" بس مولانا بات سمجھ میں آگئی"۔ (نقش حیات حضرت مدنی ج۲ص)

حقیقتِ حال:

پھر جب انگریز کے خلاف علماء کرام حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مدنی قدس سرہ کے ہاتھ پر بیعت کر چکے اور معرکہ شاملی بھی رونما ہو گیا اور انگریز کے خلاف علماء نے مسلسل کوشش شروع کی اور حضرت شیخ الہند حضرت مولانا محمود الحسن رحمۃ اللہ علیہ گلی گلی، کوچہ کوچہ لوگوں کو دعوت جہاد دیتے ہوئے نظر آئے اور انگریز کو اپنی شکست روزِ روشن کی طرح نظر آنے لگی تو انگریز نے مرزا غلام احمد قادیانی بدبخت کو کھڑا کیا جس نے نبوت کا دعوٰی کر ڈالا۔ جس کا اصل مقصد جہاد کو امتِ مسلمہ کے دلوں سے ختم کرنا تھا۔ اس مقصد کے لئے مرزا نے ایک پمفلٹ شائع کیا اور مسلمانوں میں تقسیم کروایا جسکی عبارت یہ تھی۔

مسلمانو! تم پر جہاد فرض نہیں ہوا، کیونکہ تمھاری قوت کم ہے بغیر قوت کے جہاد ""نہیں ہوتا اور تمھارا ایک امیر بھی نہیں بغیر ایک امیر کے جہاد نہیں ہو نہی ہوتا۔

اے اللہ تو ہمیں ایمان کامل عطا فرما اور منافقین کے ذمرہ سے دور رکھ۔ شیاطین کی چالوں سے محفوظ فرما ۔ آمین یارَبَّ العٰلمینَ۔

☆☆☆

اعتراض(۲۳)

جہاد میں تو سب سے پہلے کفار کو ایمان کی دعوت دینا شرط ہے۔ جبکہ مجاہدین، کفار کو بغیر ایمان کی دعوت دیئے قتل کر رہے ہیں جو کہ بالکل جائز نہیں، اس صورت میں خلافِ شریعت جہاد کرنے کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کی مدد کیسے آسکتی ہے؟ اور ان کفار کے جہنم میں جانے کا وبال بھی مجاہدین کے سر پر ہو گا۔

جواب نمبر۱:

یہ بات پہلے بھی عرض کی جاچکی ہے کہ جہاد کی دو قسمیں ہیں اقدامی اور دفاعی۔ کفار کو اقدامی جہاد میں دعوت دینا شرط ہے اور اس دور میں پوری دنیا میں کہیں بھی اقدامی جہاد نہیں ہو رہا۔

جواب نمبر۲:

کفار کو اقدامی جہاد میں بھی ایمان کی دعوت دینا اسوقت شرط ہے جبکہ کفار کو کسی بھی طرح سے اسلام کا علم نہ ہو، مگر اس دور میں اسلام اتنا عام ہے کہ کفار کو اسلام کے بارے میں خوب علم ہے بلکہ معلومات کی حد تک تو بعض کفار کو مسلمانوں سے بھی زیادہ علم ہے۔

طاقت سے اچھا ہے دعوت کا اہتمام
پر شرط یہ نہیں ہے دفاعی جہاد کی
کیا ان کو دینِ حق کا کوئی علم ہی نہیں
جو وجہ بن رہے ہیں زمیں پر فساد کی

جواب نمبر۳:

کفار کو میدانِ جنگ میں دعوت دی جاتی ہے تو بھی ہر کافر کو نہیں دی جاتی، بلکہ صرف کفار کے سرداروں اور مقتداؤں کو جیسا کہ صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا فارس اور روم کی تمام جنگوں میں معمول رہا اور حضرت پاک ﷺ نے بھی فارس و روم کے بادشاہوں کو ہی دعوت دی تھی نہ کہ ان کی رعایا کے ہر فرد کو جیسا کہ اس روایت میں تفصیلی طور پر منقول ہے۔

مثال نمبر ۱:

میں حضرت پاک ﷺ کا ایک والانامہ نقل کر دیتا ہوں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

مِنْ مُّحَمَّدٍ رَّسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ اِلٰی كِسْرٰی عَظِيْمِ فَارِسَ سَلَامٌ عَلٰی مَنِ اتَّبَعَ الْهُدٰی وَاٰمَنَ بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وشَهِدَاَنْ لَّاَاِلٰهَ اِلَّااللّٰهوَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ وَاَنَّ مُحَمَّدً اعَبْدُهٗ وَرَسُوْلَهٗ اَدْعُوْكَ بِدِعَايَةِاللّٰهِ فَاِنِّی اَنَارَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَی النَّاسِ كَافَّةً لِّيُنْذِرَمَنْ كَانَ حَيًّا وَّيَحِقَّ الْقَوْلُ عَلَى الكَافِرِ يْنَ اَسْلِمْ تَسْلَمْ فَاِنْ تَوَلَّيْتَ فَاِنَّ عَلَيْكَ اِثْمَ الْمَجُوسِ۔(شمائل ترمذی)

بسم اللہ الرحمن الرحیم اللہ کے رسول محمد ﷺ کی طرف سے کسریٰ کے نام جو فارس کا سردار ہے سلامتی اس شخص کے لئے جو ہدایت اختیار کرے اور اس کے رسول ﷺ پر ایمان لائے اور اس بات کا اقرار کرے کہ اللہ وحدہ لاشریک لہٗ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد ﷺ اس کے بندے اور رسول ہیں تجھ کو اللہ کی پکار (یعنی کلمہ) کی دعوت دیتا ہوں اس لئے کہ میں اللہ کا وہ رسول ہوں جو تمام جہان کی طرف اس لئے بھیجا گیا ہوں کہ ان لوگوں کو ڈراؤں جن کے دل زندہ ہیں (یعنی ان میں کچھ عقل ہے) اور تا کہ اللہ کی حجت کافروں پر پوری ہو جائے تو اسلام لے آ۔ تا کہ سلامتی سے رہے ورنہ تیرے ماننے والے مجوس کا وبال تجھ پر ہو گا۔

ملحوظہ:

شاہ فارس کا نام پرویز اور لقب کسری تھا اور اسکی طرف حضرت پاک ﷺ کا خطِ مبارک لے کر جانے والے صحابی کا نام حضرت عبداللہ بن خذافہ سہمیؓ تھا۔

مثال نمبر ۲:

حضرت سلیمان علیہ السلام نے جب ملکہ سبا بلقیس کو دعوت دی تو ان کے الفاظ یہ تھے جسے قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے نقل فرمایا ہے

اِنَّهٗ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّ حِيْم اَنْ لَّا تَعْلُوْعَلَیَّ وَاْتُوْنِیْ مُسْلِمِيْنَ (سورۃ نمل، آیت نمبر ۳۱)

بے شک اللہ کے نام کے ساتھ جو بڑا مہربان اور نہایت رحم والا ہے تم نہ سرکشی کرو مجھ پر اور آؤ میرے پاس فرمانبردار بن کر۔

جواب نمبر ۴:

گذشتہ روایات سے ثابت ہوا کہ دعوت بھی صرف اجمالی دی جاتی تھی نہ کہ تفصیلی۔ اور وہ بھی منت سماجت کے ساتھ نہیں بلکہ سینہ تان کر اور مجاہدانہ لب ولہجہ میں۔ تلوار لٹکا کر، مسلح ہو کر۔

اس لئے ہمارے حضرت پاک ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کا عمل ہی حجتِ شرعیہ ہے نہ کہ ہماری عقل۔ یہ الگ بات ہے کہ اگر عقل گناہوں کی وجہ سے ماری نہ جائے تو وہ شریعت کے خلاف نہیں سوچتی۔

قولِ فیصل:

میں آخر میں اس ضمن میں فقہ کی مشہور و معتبر کتاب مختصر القدوری کی شرح "اَلْجَوْهَرَةُ النَّيِّرَةُ" کا حوالہ دے کر بات ختم کرتا ہوں جو کہ اس بارے میں قول فیصل کی حیثیت رکھتی ہے۔

لَا يَجُوْزُ اَنْ يُّقَاتِلَ مَنْ لَّمْ تَبْلُغِ الدَّعْوَةُ فِىْ اِبْتِدَاءِ الْاِسْلَامِ اَمَّا فِىْ زَمَانِنَا فَلَا حَاجَةَ اِلٰى الدَّعْوَةِلِاَنَّ الْاِسْلَامَ قَدْ فَاضَ وَاشْتَهَرَ فَمَا مِنْ زَمَانٍ اَوْ مَكَانٍ اِلَّا وَقَدْ بَلَغَهُ بَعْثُ النَّبِىِّ صلى الله عليه وسلم وَدُعَائُهٗ اِلٰى الْاِسْلَامِ فَيَكُوْنُ الْاِمَامُ مُخَيَّرًابَيْنَ الْبَعْثِ اِلَيْهِمْ وَتَرْكِهٖ وَلَاَنْ يُّقَاتِلَهُمْ جَهْرًااَوْخُفْيَةً۔

ابتداءِ اسلام میں بغیر دعوت دیئے کفار کے ساتھ قتال جائز نہیں تھا مگر ہمارے زمانہ میں کفار کو اسلام کی دعوت کی کوئی ضرورت نہیں۔ کیونکہ اب ایسی کوئی جگہ نہیں جہاں پر اسلام کی دعوت نہ پہنچی ہو۔ اب امام کو اختیار ہے کہ کفار کو دعوت دے یا نہ دے اور اس بات کا بھی اختیار ہے کہ کفار کے ساتھ قتال آمنے سامنے کرے یا خفیہ طور پر کفار کو قتل کرے۔

خلاصہ کلام:

یہ ہے کہ یہ بات دلائل سے ثابت ہو چکی ہے کہ اب کفار کو قتل کرنے سے پہلے اسلام کی دعوت دینے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔

☆☆☆

اعتراض(۲۴)

جہاد کے لئے جس درجہ کے قوی ایمان کی ضرورت ہے وہ ہمارے اندر نہیں ہے اس لئے پہلے اپنے ایمان پر محنت کرنی چاہیے۔ جب ایمان بن جائے تو پھر جہاد کریں۔

جس طرح حضرات صحابہ کرام رضی للہ عنہم کے ایمان پر حضرت پاک ﷺ نے تیرہ سال محنت فرمائی اسکے بعد جہاد کا حکم دیا۔

جواب نمبرا:

سب سے پہلے تو یہ بات ذہن نشین کریں کہ کسی ایک صحابیؓ کے ایمان پر بھی حضرت پاک ﷺ نے مکمل تیرہ سال محنت نہیں فرمائی۔ بلکہ نبوت ملنے کے پہلے ہی دن تو کوئی بھی شخص ایمان نہیں لایا۔ سب سے پہلے جس شخصیت کے سامنے آپ نے وحی والے قصہ کو بیان فرمایا، وہ حضرت پاک ﷺ کی زوجہ محترمہ حضرت خدیجہ الکبری رضی اللہ تعالیٰ عنہاہیں۔ مگر وہ تو نبوت کے تیرہ سال بعد تک زندہ ہی نہ رہی تھیں۔ اور حضرت ابو بکر صدیقؓ، حضرت علیؓ، حضرت زید بن حارثہؓ پہلے دن تو ایمان نہ لائے تھے۔ نہ معلوم یہ بات کہاں سے چلی۔ اور کس شخص نے چلائی کہ "حضرت پاک ﷺ نے پہلے تیرہ سال ایمان پر محنت فرمائی اور اس کے بعد حکم جہاد نازل ہوا۔"

جواب نمبر۲:

یہ بھی حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور حضرت پاک ﷺ پر بہت بڑا بہتان ہے، جس سے ایمان کے جانے کا خدشہ ہے کہ انکے ایمان پر تیرہ سال محنت ہوئی تو ان کا ایمان مکمل ہوا۔

کیونکہ امت کا اجماعی عقیدہ ہے کہ جس شخص نے حضرت پاک ﷺ کی ایمان کی حالت میں زیارت کی تو پہلی ہی نظر میں اس کا ایمان کامل اور مکمل ہو گیا اور وہ ہر قسم کی مالی اور جانی قربانی کے لئے تیار ہو گیا۔

دیکھیئے! حضرت زُنیرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی آنکھیں کفار نے نکال دیں۔ حضرت لَوبینہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی چمڑی ادھیڑی گئی اور اس سے بڑھ کر حضرت سُمیّہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے جسم کے نازک حصہ پر ابو جہل بد بخت نے نیزہ مارا پھر انکی دونوں ٹانگوں کو اونٹوں کے ساتھ باندھ کر مخالف سمت چلا دیا۔ جسم کے دو ٹکڑے ہو گئے مگر ایمان میں لچک نہ آئی۔ یہ دوچار واقعات میں نے صرف نازک خواتین کے سنائے ہیں کہ ان کا ایمان کس قدر مضبوط تھا اور کتنی بڑی مصیبتیں برداشت کر گئیں۔ مردوں کے واقعات سے تاریخ بھری پڑی ہے۔ حضرت

بلال، حضرت خباب، حضرت یاسر کے واقعات تو بہت مشہور ہیں۔ اس لئے العیاذ باللہ یہ ان مقدس شخصیات پر بہتان اور الزام ہے کہ انکے ایمان بننے میں تیرہ سال لگ گئے۔

جواب نمبر ۳:

قابل غور بات یہ ہے کہ اگر جہاد کے لئے ایمان کامل کی ضرورت ہے تو اسکی وجہ صرف یہ ہو سکتی ہے کہ جہاد میں مشکلات اور مصائب بہت زیادہ ہوتے ہیں، جن کو برداشت کرنے کے لئے ایمان کامل کی ضرورت ہے ۔مکہ میں اس اعتبار سے یہ مصائب بہت بڑھے ہوئے تھے۔ جہاد میں تو مقابلہ کیا جاتا ہے اور آدمی اگر تکلیف سہتا ہے تو تکلیف دیتا بھی ہے۔ اگر زخمی ہوتا ہے تو زخمی کرتا بھی ہے۔ اگر قتل ہوتا ہے تو قتل کرتا بھی ہے۔ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں۔

اِنْ تَكُوْنُوْا تَاْلَمُوْنَ فَاِنَّهُمْ يَاْلَمُوْنَ كَمَا تَاْلَمُوْنَ ۚوَتَرْجُوْنَ مِنَ اللّٰهِ مَالَا يَرْجُوْنَ،وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا حَكِيْمًا

ترجمہ:

اگر (مسلمانو) تم تکلیف اٹھاتے ہو تو وہ (کفار) بھی تکلیف اٹھاتے ہیں جیسا کہ تم تکلیف اٹھاتے ہو اور تم اللہ سے اس چیز کی امید رکھتے ہو جس کی وہ امید نہیں رکھتے، اور اللہ جاننے والا، حکمت والا ہے۔ (سورۃ النساء، آیت نمبر ۱۰۴)

مکہ میں تو اسکی بھی اجازت نہ تھی بلکہ صرف مصیبت برداشت کرنے کا حکم تھا۔ جب مصائب بہت بڑھ گئے تو ہجرت کا حکم مل گیا۔ اس لئے مکہ میں صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے ایمان پر محنت نہ تھی، بلکہ کفار اور مشرکین پر محنت ہوتی تھی اور ان کو اسلام کے حلقہ میں لانے کی فکر اور کوشش ہوتی تھی۔ مگر کم علم لوگوں نے کس طرح پورے نقشہ کو بدل دیا اور دین کے حلیہ کو بگاڑ کر رکھ دیا۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو معاف فرمائے۔

جواب نمبر ۴:

چلئے ہم مان لیتے ہیں کہ مکہ مکرمہ میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ایمان پر تیرہ سال محنت ہوئی پھر جہاد کا حکم نازل ہوا۔ تو جو صحابہ رضی اللہ عنہم مدینہ منورہ میں مسلمان ہوئے ان کے ایمان پر اتنی محنت کیوں نہ کی گئی؟ اور ان کو بغیر ایمان پر محنت کرنے کے کیوں جہاد کے میدانوں میں کھڑا کر دیا گیا۔ العیاذ باللہ۔

آج تو مجاہدین پر الزام ہے کہ یہ بغیر ایمان پر محنت کے بچوں کو میدان جہاد میں لے جاتے ہیں اور مروا دیتے ہیں۔ تو میرے بھائیو! مدینہ منورہ میں جو لوگ مسلمان ہوئے اور بغیر ایمان کی محنت کے وہ جہاد میں گئے اور

شہید ہو گئے تو انکی العیاذ باللہ، بقول آپ کے ایمان ناقص ہونے کے ساتھ میدان جہاد میں چلے جانے کی ذمہ داری کس کے سر پر ہو گی؟ جبکہ حضرت پاک ﷺ تو خوشخبریاں دے رہے ہیں۔ دیکھئے صرف ایک واقعہ، ایک شخص حضرت پاک ﷺ کی خدمت میں آیا اور عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ! میں پہلے مسلمان ہو جاؤں یا پہلے جہاد کروں؟ حضرت پاک ﷺ نے فرمایا کہ پہلے مسلمان ہو جاؤ، پھر جہاد کرو اس نے لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ پڑھا اور میدان میں کود گیا اور لڑتا ہوا شہید ہو گیا۔ حضرت پاک ﷺ نے خود اسکو قبر میں رکھا اور قبر سے جلدی جلدی باہر تشریف لائے۔ صحابہ رضی اللہ عنہم ڈر گئے کہ کہیں اسکو عذاب تو نہیں ہو رہا۔ حضرت پاک ﷺ نے فرمایا، نہیں ایسی کوئی بات نہیں۔ میں اس لئے جلدی باہر آگیا ہوں کہ اسکی حوریں وہاں پہنچ گئی تھیں۔ پھر آپ ﷺ نے فرمایا: ”عَمِلَ قَلِيْلًا وَّ اُجِرَ كَثِيْرًا“۔ کہ اس شخص نے عمل تھوڑا کیا مگر اجر بہت زیادہ حاصل کیا۔

(بخاری شریف)

اب ذرا غور فرمایئے نہ تو اس شخص کے ایمان پر محنت ہوئی بلکہ اس کو نماز تک کا موقع نہ ملا اور میدان جنگ میں لڑتا ہوا جامِ شہادت نوش کر گیا پھر دربارِ نبوت سے یہ بشارات کیسی اور کیوں ہیں؟

جواب نمبر ۵:

اگر اس دور میں ایمانی کمزوری کی وجہ سے جہاد میں شامل نہ ہونے کا مفروضہ تسلیم کر لیا جائے تو نعوذ باللہ، اللہ تعالیٰ پر یہ الزام ہو گا کہ ایسی چیز کا حکم دے دیا جس پر عمل ممکن ہی نہیں۔ کیونکہ جب حضرت پاک ﷺ کی زیارت اور صحبت بلکہ حضرت پاک ﷺ کے پیچھے نماز پڑھنے کے باوجود بھی ایمان بننے کے لئے تیرہ سال کا عرصہ درکار ہے تو پھر ہمارا ایمان تو بن ہی نہیں سکتا پھر جہاد کو فرض کرنے کا کیا فائدہ ہوا؟ اور اللہ تعالیٰ نے العیاذ باللہ امت پر ظلم کیا ہے کہ اس چیز کا حکم دیا جسکی امت میں صلاحیت ہی نہیں ہے۔

جواب نمبر ۶:

آخر ایمان کے کامل ہونے کا کوئی معیار بھی ہے کہ جس پر پہنچ کر ایمان کامل اور مکمل ہو اور جہاد کے حکم پر عمل کیا جاسکے!!! یا قیامت تک امت کے تمام افراد بغیر ایمان کے کامل ہونے کے ہی مرتے رہیں گے؟

جواب نمبر ۷:

حقیقت یہ ہے کہ جہاد فی سبیل اللہ ایک ایسا فریضہ ہے کہ اس پر عمل کرنے سے ناقص الایمان لوگوں کا ایمان بھی کامل ہوتا ہے اور اس سے ایمان بڑھتا ہے۔ کیونکہ اس میں اللہ تعالیٰ کی مدد و نصرت کے واقعات کا

مشاہدہ ہوتا ہے۔ شہدا کے خون کی خوشبو ایمان کو معطّر کر دیتی ہے ۔جس کا جی چاہے آئے اور اسکا مشاہدہ کرے۔اور تو اور قرآن کریم نے اعلان فرمایا ہے کہ جہاد میں تو صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا ایمان بھی بڑھتا تھا۔

اَلَّذِیْنَ قَالَ لَھُمْ النَّاسُ اِنَّ النَّاسَ قَدْ جَمَعُوْالَکُمْ فَاخْشَوْھُمْ فَزَادَھُمْ اِیْمَانًاوَّقَالُوْاحَسْبُنَااللّٰہُ وَنِعْمَ الْوَکِیْلُ

(آل عمران، آیت نمبر ۱۷۳)

ترجمہ:

جن کو کہا لوگوں نے کہ مکہ والے آدمیوں نے جمع کیا ہے سامان تمھارے مقابلہ کو سو تم ان سے ڈرو۔اور زیادہ ہوا ایمان ان کا۔اور بولے کافی ہے ہم کو اللہ اور کیا خوب کارساز ہے وہ۔(تفسیر عثمانی)

وَلَمَّا رَاٰی الْمُؤْمِنُوْنَ الْاَحْزَابَ قَالُوْا ھٰذَامَا وَعَدَنَااللّٰہُوَرَسُوْلُہٗ وَصَدَقَ اللّٰہُ وَرَسُوْلُہٗ وَمَازَادَھُمْ اِلَّا اِیْمَانًا وَ تَسْلِیْمًا

ترجمہ:

اور جب دیکھا مسلمانوں نے فوجیں تو بولے کہ یہ وہی ہے جو وعدہ دیا تھا اللہ نے ہم کو اور اسکے رسول ﷺ نے۔سچ کہا اللہ نے اور اس کے رسول ﷺ نے۔ اور ان کا اور بڑھ گیا یقین اور اطاعت کرنا۔

(سورۃ الاحزاب، آیت نمبر ۲۲)

نہ کیجئے انتظار اے دوست ایمانِ مکمل کا
کہ خود ایمان کی تکمیل ہو جائے گی میدان میں
وہ جس کی جستجو میں سارا ہی عالم ہے سرگرداں
اک ایسے پھول کی تحصیل ہو جائے گی میدان میں

☆☆☆

اعتراض(۲۵)

ہم مجاہدین کو دیکھتے ہیں کہ ان کے اعمال شریعت کے مطابق نہیں۔انکی شلواریں ٹخنوں سے نیچے ہوتی ہیں ۔انکی داڑھی بالکل مونڈھی ہوئی ہوتی ہے ۔یا حدِ واجب سے بھی کم تراشی ہوئی ہوتی ہے۔ انکے گھر کا ماحول شریعت کے مخالف ہوتا ہے۔یہ تصویریں کھنچواتے ہیں،وغیرہ وغیرہ۔

لہٰذا ان کے اس عمل کو جہاد نہیں قرار دیا جاسکتا۔ کیونکہ اگر یہ مجاہد ہوتے، تو پہلے خود کو ٹھیک کرتے پھر جہاد کرتے۔اس لئے مجاہدین کو چاہئے کہ پہلے اپنے اعمال کی اصلاح کریں پھر جہاد کریں۔

جواب نمبر ا:

جہاد فی سبیل اللہ ایک ایسا فریضہ ہے کہ اگر پوری دنیا کے مسلمان ملکر نماز جیسی فرض عبادت بھی ترک کر دیں، تو جہاد کا فریضہ ساقط نہیں ہوتا۔ کیونکہ جہاد الگ فرض ہے۔ نماز روزہ الگ فرائض ہیں۔ کوئی ایک دوسرے کے لئے شرط نہیں۔

جیسے دیکھئے اگر کوئی شخص روزہ رکھے مگر نماز نہ پڑھے تو اسکی نماز نہ پڑھنے سے، روزہ تو باطل نہ ہو گا، بلکہ نماز کے چھوڑنے کا گناہ ہو گا۔ مگر روزہ کا فریضہ ادا ہو جائے گا۔ اگرچہ ناقص ہی کیوں نہ ہو۔

عام لوگ تو کجا اگر حاکم وقت بھی بد عمل اور ظالم ہو جائے، تو بھی جہاد تو ساقط نہیں ہوتا۔

صریح حدیث ہے۔

اَلْجِہَادُ مَاضٍ مُذْ بَعَثَنِیَ اللہُ اِلٰی اَنْ یُقَاتِلَ اٰخِرُ ھٰذِہِ الْاُمَّۃِ الدَّجَّالَ لَا یُبْطِلُہٗ جَوْرُجَائِرٍ وَّلَا عَدْلُ عَادِلٍ۔

جہاد میری بعثت سے لے کر دجال کے قتل تک جاری رہے گا، کسی ظالم اور نہ ہی کسی عادل (بادشاہ) کے عدل سے یہ ختم ہو گا۔

جواب نمبر ۲:

قرآن کریم نے نماز کی حکمت بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ:"اِنَّ الصَّلٰوۃَ تَنْھٰی عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْکَرِ" (العنکبوت، آیت نمبر ۴۵)

بے شک نماز روکتی ہے بے حیائی اور برائی سے۔

کیا اس آیت سے یہ نتیجہ اخذ کیا جاسکتا ہے کہ، جو لوگ فواحش و منکرات میں مبتلا ہیں، جنکے گھر میں ٹی وی

ہیں، جو تصاویر کھینچواتے ہیں، اور جو عورتیں پردہ نہیں کرتیں، یہ سارے لوگ نماز کو ترک کر دیں؟ انکی نماز قبول نہیں؟ کیونکہ نماز تو وہ ہوتی ہے جو گناہوں سے روک دے۔ مگر ان لوگوں کی نمازیں تو گناہوں سے نہیں روک رہیں۔ اسی طرح قرآن کریم نے روزہ کی حکمت بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا۔

لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ "(البقرۃ آیت نمبر ۱۸۳) تاکہ تم متقی ہو جاؤ۔

کیا اس سے یہ ثابت کیا جاسکتا ہے کہ، جو لوگ داڑھی منڈاتے ہیں، شلوار ٹخنوں سے نیچے رکھتے ہیں اور گناہوں سے نہیں بچتے، وہ لوگ روزہ بھی چھوڑ دیں، کیونکہ ان کا روزہ، روزہ ہی نہیں ہے، روزہ تو وہ ہوتا ہے جو گناہوں سے روک دے۔ اور انکا روزہ تو گناہوں سے نہیں روک رہا۔ تو جس طرح گناہوں کے باوجود گناہ گار شخص کا روزہ اور اس کی نماز ادا ہو جاتی ہے، تو اسی طرح جہاد کے ساتھ ساتھ گناہ کرنے والے مجاہدین کا جہاد بھی ادا ہو جاتا ہے۔

پڑھتے ہیں جب صلوٰۃ گناہوں کے باوجود
دیتے ہیں جب زکوٰۃ گناہوں کے باوجود
پھر کس لئے کریں نہ بھلا خود بتایئے
کافر سے دو دو ہاتھ گناہوں کے باوجود
کیوں ہے تجھ کو گراں جو مجاہد کو بخش دے
مولائے کائنات گناہوں کے باوجود
لیکن مجاہدین سے یہ التماس ہے
تقویٰ کا اہتمام ہی اپنی اساس ہے

جواب نمبر ۳:

ہم دیکھتے ہیں ایک شخص دین سیکھنے کے لئے گھر سے نکلتا ہے، اور وہ نماز میں سستی کرتا ہے، بلکہ بعض ایسے واقعات بھی ہیں کہ بعض لوگ نشہ بھی کر رہے ہیں، اور دین سیکھنے اور پھیلانے کے لئے سفر بھی کر رہے ہیں۔ اب اگر ان کے بڑوں سے کہا جائے کہ اس شخص کو روک دو۔ اگر باز نہ آئے تو اسکو جماعت سے نکال کر گھر بھیج دو۔ تو جواب ملتا ہے کہ بھائی ہم نکالیں تو یہ زیادہ خراب ہو جائے گا۔ اسکو پینے دو ان شاءاللہ دین کی محنت کی برکت سے ٹھیک ہو جائے گا۔ مگر اسی طرح کا واقعہ اگر کسی مجاہد کے ساتھ پیش آجائے۔ یعنی جہاد میں کوئی ایسا شخص نظر

آجائے، تو اسکی ذات تو کیا خود جہاد پر اعتراضات شروع کر دیے جاتے ہیں۔ اس رویہ کو سوائے جہاد کے ساتھ عداوت اور بغض کے اور کوئی نام نہیں دیا جاسکتا۔ کیونکہ اگر دل میں جہاد اور مجاہدین کی محبت ہوتی، تو ایسے مجاہد کے بارے میں بھی کہا جاسکتا تھا کہ، یہ بھی آہستہ آہستہ ٹھیک ہو جائے گا۔

اللہ تعالیٰ ہماری حفاظت فرمائے، آمین۔

جواب نمبر ۴:

حقیقت یہ ہے کہ یہ مجاہدین پر الزامات اور بہتانات ہیں کہ، مجاہدین غیر شرعی افعال کے مرتکب ہوتے ہیں۔ ہوتا یہ ہے کہ بعض افراد یا بعض جماعتیں اپنے مخصوص مفادات کی بنا پر جہاد کا نام استعمال کرتی ہیں اور مجاہدین کی بدنامی کا باعث بنتی ہیں۔ لہٰذا انکو دیکھ کر جہاد پر اعتراض کرنا ایسے ہی ہے جیسے کوئی چور مسجد میں آئے اور نمازی کا جوتا چوری کر لے، یا کسی کی جیب تراش لے تو آپ یہی کہیں گے کہ یہ چور تھا، جو مسجد میں چوری کے لئے آیا تھا نہ کہ نمازی تھا، جو کہ چوری کر کے چلا گیا۔ اس چوری کی خاطر مسجد میں آنے والے شخص کو دیکھ کر فریضہ نماز یا دیگر مخلص نمازیوں پر کوئی عقل مند شخص اعتراض نہیں کرتا۔

واقعہ:

میں ایک مرتبہ سفر جہاد میں کینیا کے شہر نیروبی میں تھا۔ پتہ چلا کہ پاکستان سے تبلیغی جماعت کے کچھ حضرات ایک سال کے لئے چل رہے ہیں اور مرکز میں قیام پذیر ہیں۔ تو میں بھی انکی زیارت کے لئے حاضر ہوا۔ مگر وہ حضرات بجائے میری حوصلہ افزائی کرنے کے یا کم از کم ہم وطن ہونے کی وجہ سے محبت کا اظہار کرتے، الٹا میری سرزنش شروع کر دی اور طرح طرح کے اعتراضات اور شبہات سے میری مہمان نوازی کی ۔ ان میں ایک ڈاکٹر تھے جن کا تعلق صوبہ پنجاب کے شہر وزیر آباد سے تھا، ان کا ایک ہی بیٹا ہے اور وہ بھی ماشااللہ مجاہد، جس کا ان کو سخت رنج تھا، وہ فرمانے لگے کہ مولانا صاحب! یہ کیسا جہاد ہے کہ مجاہدین تصویریں کھنچوا رہے ہیں، داڑھیاں کٹا رہے ہیں، سڑکوں پر نکل کر اپنی تصویریں اور مووی بنوا کر امریکہ سے کشمیر کی آزادی کی بھیک مانگ رہے ہیں۔ کیا یہ سنت ہے اور کیا اسی کا نام جہاد ہے؟

(میں سمجھ گیا کہ ڈاکٹر صاحب کو کن لوگوں کو دیکھ کر مجاہدین کے جہاد پر شبہہ ہوا ہے)۔

میں نے عرض کیا کہ اگر جہاد شرعی نہیں ہو رہا، تو تبلیغ و دعوت کا کام بھی شرعی نہیں ہو رہا۔ دیکھئے بعض لوگ اپنے سر پر سبز پگڑیاں باندھے ہوئے سنت کا نام لیتے ہیں، مگر وہ تو سراسر شرک اور بدعات کو رواج دے

رہے ہیں۔ تو کیا بدعت کی ترویج اور اشاعت کا نام تبلیغ ہے ؟ تو ڈاکٹر صاحب فوراً فرمانے لگے ہم تو یہ کام نہیں کرتے وہ لوگ اور ہیں آپ ان کو دیکھ کر ہمارے کام پر اعتراض نہیں کر سکتے۔ تو میں نے بھی فوراً عرض کیا کہ جن کارناموں کا ذکر آپ نے فرمایا وہ ہم بھی نہیں کرتے، بلکہ وہ تو اور لوگ ہیں۔ تو جس طرح ان بدعتی لوگوں کے کام کو دیکھ کر ہم اہل حق کی دعوت و تبلیغ پر اعتراض نہیں کر سکتے۔ تو پھر چند دوسرے ایسے ہی لوگوں کے کام کو دیکھ کر جہاد پر کیسے اعتراض کیا جا سکتا ہے ؟

جواب نمبر ۵:

اگر کوئی شخص گناہوں کے ساتھ بھی جہاد کرتا رہتا ہے، اور اللہ کے راستہ میں لڑتا ہوا شہید ہو جاتا ہے تو اسکے سارے گناہ معاف ہو جانے کا وعدہ ہے۔ بلکہ صرف یہ نہیں کہ اسکے اپنے گناہ معاف ہوں گے۔ بلکہ یہ اپنے خاندان کے مزید ستر ایسے آدمیوں کی بھی سفارش کرے گا، جن پر دوزخ واجب ہو چکی ہو گی اور اسکی سفارش قبول بھی ہو گی۔

شہادت تو بڑی نعمت الٰہیہ ہے۔ میں صرف ایک واقعہ عہدِ نبوت کا عرض کرتا ہوں جس سے آپ کو یہ بات بخوبی سمجھ آجائے گی کہ اگر کوئی شخص بد عمل ہو، اور جہاد میں شریک ہو تو حضرت پاک ﷺ کا ایسے شخص کے ساتھ طرز عمل کیا تھا، اور ہمارا طرز عمل کیا ہے۔

عَنِ ابْنِ عَائِذٍ قَالَ خَرَجَ رَسُوْلُ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم فِیْ جَنَازَةِ رَجُلٍ فَلَمَّا وُضِعَ قَالَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ لَا تُصَلِّ عَلَیْهِ یَارَسُوْلَ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم فَاِنَّهُ رَجُلٌ فَاجِرٌ فَالْتَفَتَ رَسُوْلُ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم اِلٰی اَصْحَابِهٖ فَقَالَ هَلْ رَّاٰهُ اَحَدٌ مِّنْكُمْ عَلٰى عَمَلِ الْاِسْلَامِ فَقَالَ رَجُلٌ نَعَمْ یَارَسُوْلَ اللهِ حَرَسَ لَیْلَةً فِیْ سَبِیْلِ اللهِ فَصَلّٰى عَلَیْهِ رَسُوْلُ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم وَحَثّٰى عَلَیْهِ التُّرَابَ وَقَالَ اَصْحَا ب یَظُنُّوْنَ اَنَّكَ مِنْ اَهْلِ النَّارِ وَاَنَا اَشْهَدُ اَنَّكَ مِنْ اَهْلِ الْجَنَّةِ وَقَالَ یَا عُمَرُ اِنَّكَ لَا تُسْئَلُ عَنْ اَعْمَالِ النَّاسِ وَلٰكِنْ تُسْئَلُ عَنِ الْفِطْرَةِ۔ (مشکوۃ کتاب الجہاد)۔

حضرت ابن عائذؓ فرماتے ہیں کہ حضرت پاک ﷺ ایک شخص کا جنازہ پڑھانے کے لئے تشریف لائے ،جب میت کو رکھا گیا تو حضرت عمر فاروقؓ نے عرض کیا کہ یارسول اللہ ﷺ اس شخص کی نماز جنازہ نہ پڑھیں کیونکہ یہ تو فاسق (یعنی بد عمل) ہے۔ حضرت پاک ﷺ اپنے صحابہ رضی اللہ عنہم کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا تم میں سے کسی شخص نے اسکو کوئی نیک عمل کرتے ہوئے دیکھا ہے؟

تو ایک شخص نے عرض کیا جی ہاں یارسول اللہ ﷺ اس نے ایک رات میدانِ جہاد میں پہرا دیا تھا تو حضرت پاک ﷺ نے اسکی نماز جنازہ پڑھائی۔ پھر اپنے مبارک ہاتھوں سے اسکی قبر پر مٹی ڈالی اور مزید ارشاد

فرمایا کہ تیرے ساتھی تو یہ گمان کرتے ہیں، کہ تو جہنم میں جائے گا مگر میں گواہی دیتا ہوں کہ تو پکا جنتی ہے۔ پھر حضرت پاک ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اے عمر! تجھ سے لوگوں کے اعمال کے بارے میں نہیں پوچھا جائے گا لیکن دین کے بارے میں پوچھا جائے گا۔

اب میرے دوستو اور بزرگو! دیکھیں اگر ہمارے علاقہ میں کسی ایسے شخص کا جنازہ ہو، جس نے چند دن جہاد میں گزارے ہوں اور پھر بد اعمالیوں میں خدانخواستہ مبتلا ہو گیا ہو، بلکہ اگر کسی ایسے شخص کا جنازہ آجائے، جو کبھی بد عمل رہا ہو اگر چہ وہ اس سے توبہ بھی کر چکا ہو، ہمارا طرز عمل کیا ہوتا ہے اور ہماری ایک بالشت کی زبان کیا کچھ زہر اگلتی ہے۔

اور حضرت پاک ﷺ کا مبارک عمل کیا ہے، اور ہمارے لئے حجت تو حضرت پاک ﷺ کا مبارک عمل ہے، نہ کہ دین کے نام لیوا چند لوگوں کی افواہیں اور شوشے۔

اللہ تعالیٰ ہم کو پورے دین کی سمجھ عطا فرمائے۔ آمین یَارَبَّ الْعٰلَمِیْن۔

میری ذاتی رائے:

میں تو یہ کہتا ہوں کہ موجودہ وقت میں، جہاد فرضِ عین ہونے کے بعد، نماز چھوڑ کر جہاد کرنے والا مجاہد، جہاد کو چھوڑ کو بیت اللہ کے طواف کرنے والے عابد سے افضل ہے۔

ایک وجہ تو یہ ہے کہ یہ دونوں ایک ایک گناہ کے مرتکب ہیں۔ مجاہد نماز کو چھوڑ کر کبیرہ گناہ کا ارتکاب کرتا ہے، تو عابد اور صوفی بھی ایک فرض عین کو چھوڑ کر گناہ کبیرہ کا مرتکب ہے۔ مگر دونوں کے گناہ میں زمین آسمان کا فرق ہے۔ مجاہد کے جرم کا نقصان تو صرف اسکی ذات کو ہو گا، جبکہ اس صوفی اور عابد کے گناہ کا نقصان اسکی ذات کو بھی ہو گا اور پوری امت کو بھی ہو گا۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ اگر مجاہد میدان جنگ میں لڑتا ہوا شہید ہو گیا، تو اسکے لئے وعدہ ہے "اَلسَّیْفُ مَحَّاءٌ لِّلذُّنُوْبِ"۔ کہ تلوار گناہوں کو مٹا دینے والی ہے۔

اور اَلْقَتْلُ فِیْ سَبِیْلِ اللہِ یُکَفِّرُ کُلَّ شَیْئٍ اِلَّا الدَّیْن"۔(مسلم)

اللہ تعالیٰ کے راستہ میں قتل ہو جانا، سوائے قرض کے ہر چیز کا کفارہ ہے۔

مگر عابد کے لئے اس فرضِ عین کے ترک پر تو کوئی بخشش کا وعدہ نہیں، بلکہ اس کے بارے میں نفاق کی موت کا ڈر ہے۔ قیامت کے دن اس کے جسم پر واضح داغ یعنی ترک جہاد کے نشانات ہونے کی وعید ہے۔

ہاں اگر اللہ تعالیٰ اپنا فضل فرمادیں تو اور بات ہے۔

تنبیہ:

میری ان گزارشات کا ہر گز مطلب یہ نہیں کہ مجاہدین میں بالکل خامیاں نہیں۔ کیونکہ مجاہدین بھی انسان ہیں، نہ کہ فرشتے۔ اور ان سے غلطیاں ہو سکتی ہیں، بلکہ ہوتی ہیں۔ مگر ان غلطیوں کی وجہ سے جہاد کو چھوڑا نہیں جا سکتا ہے، اور نہ ہی جہاد پر اعتراضات کئے جاسکتے ہیں۔ ہاں البتہ احسن طریقہ سے مجاہدین کی بھی اصلاح کی ضرور کوشش کرنی چاہیے۔

ملحوظہ:

یہ بات بھی طے شدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی مدد و نصرت بھی اسی وقت آئے گی، جب مجاہدین اللہ تعالیٰ کو راضی رکھیں گے اور اپنے اعمال کی اصلاح کی فکر میں لگے رہیں گے۔ اس لئے اگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی فتح میں تاخیر مسواک چھوٹنے کی وجہ سے ہو سکتی ہے، تو پھر ہم کس باغ کی مولی ہیں؟

اس لئے مجاہدین کو بطورِ خاص چاہئے کہ، وہ اپنی زندگی دین کے مطابق رکھیں اور ظاہر و باطن کا خیال فرمائیں، بلکہ عام لوگوں سے زیادہ اپنے اعمال کو سنت کے مطابق بنائیں۔ فرائض و واجبات کے علاوہ سنن اور مستحبات کی بھی رعایت کریں۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو پورے دین پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

☆☆☆

اعتراض(۲۶)

فدائی حملہ

اس دور میں کفار کے خلاف ایک بہت موثر ہتھیار خود کش اور فدائی حملے ہیں، مگر اس پر کئی قسم کے اعتراضات کئے جارہے ہیں مثلًا یہ کہ خود کش حملہ میں انسان کو اپنی موت کا یقین ہوتا ہے، جبکہ کفار کے نقصان کا محض تخمینہ اور اندازہ ہوتا ہے۔اور اپنے آپ کو یوں موت کے منہ میں پھینک دینا تو خودکشی کے مترادف ہے۔

دوسرا اعتراض:

یہ کیا جارہا ہے جب یہ حملے عوامی مقامات پر ہوں اسمیں کفار کے بوڑھے مرد، عورتیں اور بچے بھی قتل ہو جاتے ہیں۔حالانکہ شریعت نے بوڑھے مردوں اور بچوں کو قتل کرنے سے منع کیا ہے۔

تیسرا اعتراض:

یہ کہ اسمیں کئی مرتبہ مسلمانوں کی بھی ہلاکت واقع ہو جاتی ہے اور مسلمانوں کو قتل کرنا تو کسی صورت بھی جائز نہیں۔کیونکہ جہاد تو مسلمانوں کی جان کے تحفظ کے لئے فرض کیا گیا ہے۔

اس دور میں اس قسم کے کئی اعتراضات سامنے آرہے ہیں۔ہم بالترتیب اسی طرح ہر ایک اعتراض کا جائزہ لیتے ہیں۔اللہ تعالیٰ مجھے حق اور سچ لکھنے کی توفیق عطا فرمائے۔آمین۔

خود کش اور فدائی حملہ خود کشی کے مترادف ہے۔جسکی شریعت کسی حال میں اجازت نہیں دیتی۔اور قرآن کریم نے تو صاف الفاظ میں ارشاد فرمایا ہے۔"وَلَا تُلْقُوْا بِاَيْدِيْكُمْ اِلَى التَّهْلُكَةِ"۔

کہ اپنے آپ کو ہلاکت میں نہ ڈالو۔

جواب:

محترم قارئین!خود کش اور فدائی حملہ میں بنیادی طور پر دو باتیں ہی قابل اشکال ہیں۔

نمبر(۱)۔۔اپنی موت کا یقین ہونے کے باوجود یہ کاروائی کرنا۔

نمبر(۲)۔۔مجاہد کو ہر حال میں اس انداز میں کاروائی کرنی چاہیے جس سے اپنا نقصان نہ ہونا، یا پھر کم سے کم ہو مگر اسمیں تو پہلے اپنا نقصان ہوتا ہے، بعد میں دوسروں کا۔جہاں تک پہلی بات کا تعلق ہے، یعنی اپنی موت کے

یقین ہونے کے باوجود دشمن پر حملہ آور ہونا، جسے خود کشی کا نام دیا جارہاہے۔ اسکے جواز پر تو اگرچہ بہت سے تاریخی واقعات کو بطور تائید اور دلیل کے پیش کیا جاسکتا ہے۔ مگر صرف ایک ہی واقعہ کے پیش کرنے پر اکتفا کرتا ہوں اور ان شاء اللہ اہلِ بصیرت کے لئے وہ ایک ہی کافی ہو گا۔

حضرت پاک ﷺ نے حارث بن عمیرؓ کو شرجیل بن عمرو غسانی کے نام دعوتی خط دے کر بھیجا۔ تو اس ظالم نے مقام موتہ میں حضرت حارثؓ انکو شہید کر دیا، اس بناء پر حضرت پاک ﷺ نے جمادی الاولیٰ ۸ھ کو تین ہزار کا لشکر حضرت زید بن حارثہؓ کی امارت میں موتہ روانہ فرمایا اور یہ ارشاد فرمایا کہ، اگر زیدؓ شہید ہو جائیں ، تو تم اپنا امیر جعفر بن ابی طالبؓ کو بنالو اور اگر وہ بھی شہید ہو جائیں، تو تم اپنا امیر عبد اللہ بن رواحہؓ کو بنالو، اگر وہ بھی شہید ہو جائیں، تو پھر مسلمان جس کو چاہیں اپنا امیر بنالیں۔ اسی وجہ سے اس غزوہ کو غزوہ جیش الامراء بھی کہتے ہیں۔

اور یہ لشکر مدینہ منورہ سے اس کیفیت اور یقین کے ساتھ روانہ ہوا کہ، ان تینوں حضرات کو اپنی شہادت کا سو فی صد یقین تھا۔ میں بطورِ استدلال کے عرض کرتا ہوں کہ یہ ممکن ہے کہ گرنیڈ پھٹ جائے، بارود کی آگ کے شعلے بلند ہوں، بلکہ ایٹم بم گر پڑے، گولی لگے اور جسم سے آر پار ہو جائے، مگر موت واقع نہ ہو جیسا کہ اس حوالے سے میدانِ جہاد کے بے شمار واقعات موجود ہیں۔

مگر یہ ناممکن ہے کہ حضرت پاک ﷺ کسی کے بارے میں ارشاد فرمادیں اور وہ قتل نہ ہو۔ اب یہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین اپنے جسم کے ساتھ بم باندھ کر، خود کش اور فدائی حملہ کرنے والے سے بھی زیادہ موت کے یقین کے ساتھ میدان قتال میں کود پڑے تھے۔ لہٰذا موت کے یقین ہو جانے کی وجہ سے اگر حملہ کرنا خود کشی ہوتا تو، صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم ایسا اقدام کبھی نہ کرتے۔ بلکہ ان کو اپنی موت کا یقین، دشمن کی شکست اور موت سے بھی زیادہ تھا۔

رہی دوسری بات کہ مجاہد کو ہمیشہ کاروائی اس انداز میں کرنی چاہیے کہ، اس کا اپنا نقصان نہ ہو یا پھر کم سے کم ہو، مگر جب صورت حال ایسی ہو اپنا نقصان کرائے بغیر دشمن کا نقصان ممکن نہ ہو، جیسے کہ افغان جہاد میں دیکھا ہے کہ، دشمن مورچوں کے باہر بارودی سرنگیں لگا دیتے تھے، اور مجاہدین جہاں تک ممکن ہو تارات کی تاریکی میں بارودی سرنگیں صاف کرتے۔ مگر جو بارودی سرنگیں دشمن کے مورچوں کے بالکل قریب ہوتیں

،اس کے صاف کرنے کی ایک ہی صورت ہوتی کہ۔ حملہ کے وقت کوئی مجاہد بنامِ خدا اس پر چڑھے اور اپنی جان کی قربانی دے کر، دوسروں کے لئے راستہ صاف کرے، تو اسکی شریعت کی طرف سے اجازت ہے۔

اور ایسے واقعات تو تاریخِ اسلام میں بھی بے شمار مل جاتے ہیں۔ مثال کے طور پر دیکھئے! جب مسیلمہ کذاب قلعہ بند ہو گیا اور قلعہ کا دروازہ بند تھا اور قلعہ کے دروازے کو کھولنے کی اسکے علاوہ کوئی صورت نہ تھی کہ، چند لوگ اپنی جانوں پر کھیل کر قلعہ کی دیوار پھلانگ کر اندر گھسیں، تو اس کے لئے حضرت براء بن مالکؓ نے اپنے ساتھیوں سے فرمایا کہ، مجھے آپ لوگ ایک ٹوکرہ میں بٹھا کر لمبی لکڑی سے ٹوکرہ باندھ کر دیوار تک پہنچاؤ۔ چنانچہ ایسا ہی کیا گیا تو، حضرت براء بن مالکؓ دیوار پر سے قلعہ کے اندر پھلانگ گئے اور بہت سوں کو قتل کرنے کے بعد قلعہ کا دروازہ کھولنے میں بالآخر کامیاب ہو گئے، اور یہی واقعہ مسلمانوں کی فتح کا سبب بنا تھا۔

اب آیئے اس آیت کریمہ

وَلَا تُلْقُوْا بِاَيْدِيْكُمْ اِلَى التَّهْلُكَةِ (کہ اپنے آپ کو ہلاکت میں مت ڈالو)

کی طرف، اس آیت سے پیدا شدہ اس اعتراض کا جواب بھی تاریخ اسلام کے سچے واقعات میں موجود ہے۔

حضرت ابو عمران فرماتے ہیں کہ مہاجرین صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین میں سے ایک شخص قسطنطنیہ کے جہاد میں دشمنوں کی صفوں میں گھس گیا اور دلیرانہ حملے شروع کر دیئے جس پر کسی شخص نے یہ کہا کہ یہ شخص اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈال رہا ہے۔

اس پر حضرت ابو ایوب انصاریؓ فرمانے لگے اس آیت کا صحیح مطلب ہم خوب جانتے ہیں۔ کیونکہ یہ آیت ہمارے بارے میں نازل ہوئی تھی۔ ہوا یوں کہ جب اللہ تعالیٰ نے اسلام کو غالب کر دیا تو، انصار صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے باہمی مشاورت کی کہ، ہمیں اللہ تعالیٰ نے حضرت پاک ﷺ کی صحبت اور خدمت کی توفیق دی۔ ہم نے خوب جہاد کیا، اب اسلام پھیل گیا ہے اور اسلام غالب آ گیا اور کفر مغلوب ہو گیا ہے۔ ہم ان جنگوں کی وجہ سے اپنے گھر بار کھیتی باڑی اور بچوں کی طرف دھیان نہ دے سکے۔ لہٰذا اب ہمیں اس طرف توجہ دینی چاہیے ۔ تو اس پر یہ آیت نازل ہوئی کہ جہاد کو چھوڑ کر اپنے بچوں اور کھیتی باڑی میں مصروف ہو کر، اپنے آپ کو ہلاکت میں مت ڈالو۔

حضرت ابوایوب انصاریؓ کے بیان کردہ اس آیت کے شانِ نزول کے مطابق یہ آیت تو، ان حضرات کے لئے ہے جو میدان جنگ میں نہیں جاتے، اپنا مال میدان جنگ میں نہیں خرچ کرتے، تو گویا وہ اپنے آپ کو ہلاک اور برباد کرتے ہیں، مگر بد قسمتی سے کم علم لوگوں نے میدان جنگ میں جان پیش کرنے کو ہی، جان کا ہلاک کرنا سمجھ لیا ہے۔ اب آپ کی مرضی، اس آیت کی وہ تفسیر کریں جو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کرتے تھے یا وہ تفسیر کریں جو کم علم اور جاہل اشخاص کرتے ہیں۔

اور ایک روایت میں ہے، جنگ قسطنطنیہ میں ایک شخص نے حضرت براء بن عازبؓ سے سوال کیا کہ، اگر میں اکیلا دشمن کی صفوں میں گھس جاؤں اور پھر اسی حالت میں وہاں قتل ہو جاؤں، تو کیا اس آیت کے تحت اپنے آپ کو ہلاک کرنے والا تو نہ ہوں گا۔

حضرت براابن عازبؓ نے فرمایا کہ نہیں نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ کو فرمایا ہے کہ :فَقَاتِلْ فِيْ سَبِيْلِ االلهِ لَا تُكَلَّفُ اِلَّا نَفْسَكَ۔

اے نبی ﷺ اللہ کی راہ میں لڑتا رہ تو اپنی جان کا ہی مکلف (اور مالک ہے اسی کو تکلیف دے) (تفسیر ابن کثیر)

یہ آیت تو خدا کی راہ میں خرچ کرنے سے رک جانے والوں کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔ اس آیت کے تحت مفسرین کرام نے بہت سی روایات جمع فرمائی ہیں، مگر بندہ نے اختصار کے پیش نظر ذکر نہیں کیں۔

خلاصہ کلام:

اپنی جان کی پرواہ کیے بغیر دشمنوں پر ٹوٹ پڑنا اور اپنی جان کو داؤ پر لگا کر دشمن کی تباہی کا بندوبست کرنا ، یہ ہلاکت نہیں بلکہ سعادت ہے۔ البتہ جہاد سے دور رہ کر بزدلی اور بخل کا مظاہرہ کرنا، پھر مزید اس پر زبان درازی کرنا دراصل ہلاکت در ہلاکت ہے، اور تباہی و بربادی ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں فہم سلیم عطا فرمائیں۔

آمین یَارَبَّ الْعٰلَمِیْن۔

استفتاء وافتاء:

اس سلسلہ میں ہفت روزہ ضرب مومن ۵ تا ۱۱ ربیع الاول ۱۴۲۱ھ بمطابق ۹ تا ۱۵ جون ۲۰۰۰ ملاحظہ فرمائیں۔

سری نگر کے نو خیز مجاہد آفاق احمد شہید کے ایک خوفناک بمبار حملہ کے بعد جس نے سرینگر فوجی ہیڈکوارٹر میں قیامت برپا کر دی تھی، مختلف حلقوں میں یہ سوال ابھرنے لگا کہ، اس نوعیت کے حملوں کی شرعی حیثیت کیا ہو گی؟ چونکہ افغانستان اور جہاد کشمیر کی بیس سالہ تاریخ میں اس نوعیت کا پہلا واقعہ تھا، اس لئے اس سوال کا اٹھنا فطری بات تھی۔ ضرب مومن نے اپنے قارئین کو ان کے دلچسپ ترین موضوع پر صحیح معلومات بہم پہنچانے کے لئے ملک کے مقتدر ادارہ جامعۃ العلوم الاسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن اور دارلافتاء والارشاد سے با ضابطہ استفتاء کر کے پوچھا گیا کہ کیا آفاق، بلال شہید رحمۃ اللہ علیہا کی طرح اپنی گاڑی میں بارود بھر کر، یا اپنے جسم سے بم باندھ کر بھارتی افواج یا دیگر ظالم یا طاقتور کفار پر بمبار حملہ کرنا، جسمیں حملہ آور مجاہد کی موت یقینی ہو ۔ جائز ہے یا نہیں۔ بعض لوگوں کے ذہنوں میں خودکشی کے حوالہ سے خلجان پایا جاتا ہے۔ اگر یہ جائز ہے تو، اسے جہاد اور اس موت کو شہادت کہا جا سکتا ہے یا نہیں؟

جامعۃ العلوم الاسلامیہ علامہ بنوری ٹاون اور دارالافتاء والارشاد کے مفتی حضرات نے متفقہ طور پر تاریخی فتوی جاری کرتے ہوئے فرمایا کہ، اس نوعیت کا بمبار حملہ نہ صرف جائز ہے، بلکہ جہاد اور شہادت کا اعلیٰ ترین درجہ ہے۔ فتویٰ میں ایسے اقدام کو قابل رشک اور لائق تقلید بناتے ہوئے، جان کی بازی لگا دینے والے مجاہد کی شہادت کو اعلی درجہ کی شہادت قرار دیا ہے۔

دونوں کے متفقہ فتوی میں واضح کیا گیا ہے کہ، اللہ کے راستہ میں سر دھڑ کی بازی لگا دینے اور اپنی قیمتی جان کی قربانی دینے کی اس سے بڑھ کر کوئی صورت ممکن نہیں۔ اسے خودکشی سمجھنا، نہ صرف اس ولولہ انگیز جہاد اور شہادت کی حقیقت سے لاعلمی ہے، بلکہ خودکشی کی ماہیت اور تعریف اس کے اسباب اور اغراض سے بھی ناواقفیت کی دلیل ہے۔ خودکشی کرنے والے کا مقصد خود کو ہلاک کرنا ہوتا ہے۔ وہ اللہ کی رحمت سے مایوس اور دنیویہ ہموم و غموم میں ڈوبا ہوا شخص ہوتا ہے، وہ اپنی جان کو اللہ کے حکم کے خلاف استعمال کرتا ہے، جبکہ بمبار حملہ آور مجاہد کا ہدف اللہ تعالیٰ کے سب سے افضل ترین حکم جہاد پر عمل کر کے کفار کے پرخچے اڑانا اور ان پر اسلام کی دھاک بٹھانا مسلمانوں کو جرات دلانا اور جہاد اور شہادت کے حیرت انگیز فضائل حاصل کر کے اپنے رب کے ہاں سرخرو ہو کر حاضر ہونا ہے۔

دارالافتاء والارشاد کے تہلکہ خیز فتاویٰ میں بہت سے دلائل کی روشنی میں مجاہدین کو مشورہ دیا گیا ہے کہ اب جبکہ مسلمانوں کو نیست ونابود کرنے کے لئے مشرق ومغرب کے کفار اور ان کے ایجنٹ متحد ہو چکے ہیں ۔اسلام کو صفحہ ہستی سے مٹانے پر، منصوبہ ساز آئمۃ الکفر خود کو ہر طرح سے محفوظ سمجھتے ہوئے، ظلم وزیادتی، نا انصافی اور سفاکی کی تمام حدیں پھلانگ چکے ہیں۔ دوسری طرف مجاہدین کے پاس وسائل کی قلت اور اسباب کے فقدان کی وجہ سے ، کفار کی وحشت وبربریت میں روز بروز اضافہ ہو تا جارہا ہے۔ ایسے میں مجاہدین کے پاس اسلام اور اہل اسلام کو مکمل تباہی سے بچانے کے لئے، اس کے سوا کوئی چارا نہیں کہ وہ اس نوعیت کے حملوں کو منظم کر سکیں، جس کا بایں ہمہ ترقی یافتہ اور جدید ترین ٹیکنالوجی سے لیس، مغرور کفار کے پاس کوئی توڑ نہیں۔

فتویٰ کے مطابق ایسا سر فروشانہ حملہ ایمانی طاقت، دینی حمیت، اسلامی غیرت، جذبہ جہاد، شوق شہادت ، ظالم وسفاک طاقتور کو مرعوب کرنے کا بے مثال مظاہرہ اور بہادری کی آخری حد ہے۔ زمانۂ خیر القرون میں اس کے بعد بھی اس سے ملتے جلتے سر فروشانہ حملوں کی مثالیں موجود ہیں۔ فتوی میں قرآن وحدیث، صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے آثار، خیر القرون کے سر فروش مجاہدین کے حالات اور کتب فقہ کے دلائل سے استنباط کر کے آفاق شہید کے خوفناک حملہ کو اللہ کی رضا اور اسلام کی سربلندی کے لئے جرات وبہادری کی اعلیٰ ترین روایت قرار دیا ہے۔

جامعہ بنوری ٹاون نے اپنا تاریخی فتوی جامعہ کے دارالافتاء کے سربراہ جناب حضرت مفتی عبد السلام چاٹگامی، جامعہ کے شیخ الحدیث اور نگران تخصص فی الفقہ جناب مفتی نظام الدین شامزئی اور جناب مفتی عبدالمجید دین پوری کے دستخطوں کے ساتھ جاری کیا ہے۔

ایک خواب

ایک نوجوان نے خواب میں حضور اکرم ﷺ کی زیارت کی۔ انہوں نے دیکھا کہ رحمت للعالمین ﷺ نے ان کو کندھوں پر اٹھار کھا ہے۔ یہ خواب دیکھ کر نوجوان کی عجیب کیفیت ہوگئی اور اسکی تعبیر لینے کے لئے ایک عالم دین کے پاس جا پہنچے۔ ان عالم دین نے تعبیر بتائی کہ اللہ آپ سے کوئی بڑا کام لے گا۔ لہٰذا اب راہِ راست پر آجائیں۔ چنانچہ وہ نوجوان عشق نبی ﷺ سے سرشار ہو کر میدان جہاد میں کود پڑا۔

یہ وہی نوجوان ہے جسکو دنیائے اسلام کمانڈر بلال شہید رحمۃ اللہ علیہ کے نام سے جانتی ہے۔ جس نے ۲۸ رمضان المبارک ۱۴۲۱ھ پیر کے روز، سہ پہر ۲ بجکر پچاس منٹ پر (۱۰۰ کلو) ڈھائی من بارود سے لدی کار

میں کلمہ طیبہ کا ورد کرتے ہوئے، انڈین فوج کے سری نگر میں واقع پندرہویں کور ہیڈ کوارٹر پر قیامت بن کر ٹوٹ پڑے اور بھارتی فوج کے گنجان آباد مقام پر ہولناک دھماکہ کر دیا، جس سے درجنوں بھارتی فوجی موقع پر ہی ڈھیر ہو گئے، جبکہ متعدد مضبوط بیرکیں زمیں بوس ہو گئیں۔(ضرب مومن ۵ تا ۱۲ ربیع الاول ۱۴۲۱ھ)

☆☆☆

ضمیمہ مسئلہ خودکش حمل

مجاہدین کے خودکش حملے کیسے جائز ہیں؟ جب کہ یہ تو خودکشی ہے جو کہ شریعتِ مطہرہ میں حرام ہے۔

جواب:

اس کا جواب اگرچہ بندہ نے کسی قدر اختصار کے ساتھ اس وقت دیا تھا جب کہ اڈیالہ جیل راولپنڈی میں مقدمہ قتل ۳۰۲ میں بند تھا۔ مگر کتاب شائع نہ ہوئی تھی کہ بندہ رہا ہونے کے ایک سال بعد دوبارہ بلکہ سہ بارہ گرفتار ہو کر، ایک ماہ کے لئے نظر بند کر کے سرگودھا جیل میں پہنچا دیا گیا۔ تو آج پھر دل میں داعیہ پیدا ہوا کہ ،اس مسئلہ پر مزید بھی کچھ لکھنا چاہیے۔ تو نہایت ہی اختصار کے ساتھ عرض ہے کہ خودکش حملہ پر اعتراض کرنے والے حضرات کے اس بارے میں مندرجہ ذیل شبہات ہیں۔ جن کا جائزہ میں نہایت ہی اختصار کے ساتھ لے رہا ہوں۔

نمبر(۱) یہ خودکشی ہے۔

جس کا جواب یہ ہے کہ خودکشی نہیں ہے، بلکہ کفر کشی ہے۔ کیونکہ بچہ بچہ جانتا ہے، یہ حملے اپنی جان دینے کے لئے نہیں، بلکہ کفر کی جان لینے کے لئے ہوتے ہیں۔ اور مقصد صرف یہ ہوتا ہے کہ، جس ہدف اور ٹارگٹ تک دشمن تک ویسے پہنچنا ممکن نہ ہو، اس آخری حربہ اور داؤ کو استعمال کر کے پہنچا جا سکے۔

بالفاظ دیگر یوں کہہ سکتے ہیں کہ یہ قتلِ نفس نہیں، جس کی شریعت میں ممانعت آئی ہے اور جسے حرام قرار دے کر اس پر سخت سے سخت وعیدیں سنائی گئیں ہیں۔ بلکہ یہ فداءِ نفس ہے، یعنی اپنی سب سے قیمتی چیز جان کو بھی، اللہ تعالیٰ کی خوشی کی خاطر اس کے دین پر فدا اور قربان کر دینا اور یہ عمل قابل ملامت نہیں، بلکہ قابلِ تحسین ہے۔

اگر جان لیتے ہوئے جان دے
عداوت نہیں ہے، محبت ہے یہ
نہیں خودکشی ہے یہ کافر کشی
ہلاکت نہیں ہے سعادت ہے یہ

نمبر(۲) جس طرح جہاد کے لئے زنا اور شراب نوشی کسی حال میں جائز نہیں، اگرچہ اس سے جہاد کو کتنا ہی فائدہ ہو۔ اسی طرح خودکش حملہ بھی جائز نہیں، اگرچہ اس سے جہاد کو کتنا ہی نفع ہوتا ہو۔

جواب نمبر ا:

اس کا ایک جواب تو یہ ہے: یہ اعتراض وہ شخص کرتا ہے جو کہ خودکشی اور خودکش حملہ (فدائی حملہ) میں فرق نہیں کرپاتا۔ کیوں کہ خودکش حملہ اور خودکشی میں اتنا فرق ہے، جتنا کہ مردار کے عفونت زدہ جسم اور شہید کے مبارک اور پاک وجود میں ہوتا ہے۔ خودکشی کرکے جان دینے والا تو، اپنی جان سے تنگ، اللہ تعالیٰ سے ناراض اور اللہ تعالیٰ کی رحمت سے مایوس ہوتا ہے۔ جب کہ کفرکش اور فدائی حملہ کرکے جان دینے والا شہادت کا متوالا، حق تعالیٰ کے دیدار کا مشتاق، اور اللہ تعالیٰ کی رحمت کا طالب ہوتا ہے۔

جواب نمبر ۲:

دوسرا جواب یہ ہے کہ زنا، شراب نوشی اور قتل میں ایک بہت بڑا فرق ہے۔ وہ یہ ہے کہ زنا نہ مسلمان عورت کے ساتھ جائز ہے اور نہ ہی کافرہ عورت کے ساتھ۔ اسی طرح شراب نہ ہی مسلمان کو حلال ہے، اور نہ ہی کافر کو۔ جب کہ قتل کرنا مسلمانوں کو تو جائز ہی نہیں۔ البتہ کافروں کو قتل کرنا نہ صرف جائز، بلکہ بہت بڑی عبادت ہے۔ لہٰذا ان دونوں میں اتنے بڑے فرق کے ہوتے ہوئے قتل کو زنا یا شراب پر قیاس کرنا، بہت بڑی حماقت اور نادانی ہے۔

حق تعالیٰ ہمیں اس فرق کو سمجھنے کی توفیق عطا فرمائے۔

نمبر (۳)۔ خودکش اور فدائی حملہ میں بہت سے بے گناہ مارے جاتے ہیں۔

جواب نمبر (۱)

اس کا ایک جواب تو یہ ہے کہ کافر خواہ یہودی ہو یا عیسائی، ہندو ہو یا کوئی اور تمام کے تمام من حیث القوم اس قدر مجرم ہیں کہ، کوئی بھی ان میں سے بے گناہ نہیں۔ بلکہ اب تو ان کے اس جرم میں ان کی عورتیں بھی اکثر و بیشتر شریک ہی نظر آتی ہیں۔ لہٰذا کوئی کافر تو براہ راست مجرم ہے اور کوئی معاون۔ بے گناہ ان میں کوئی بھی نہیں ہوتا۔

جواب نمبر (۲) دوسرا جواب یہ ہے کہ اس قسم کے معاملات میں، اصل اعتبار تو مقصود کا ہوتا ہے، تبعی اور ضمنی چیزوں کا اعتبار نہیں ہوتا ہے۔ اور خودکش حملوں میں اصلی مقصد تو بڑے سورماؤں کا قتل یا ان کی معیشت کو تباہ و برباد کرنا۔ ہوتا ہے۔ اگرچہ اس میں ضمنی اور تبعی طور پر دوسرے بھی رگڑے میں آ ہی جاتے ہیں۔ لہٰذا ان کو بھی رگڑا لگ ہی جائے تو کیا حرج ہے

خود کش حملہ کے جواز پر قرآن کریم سے استدلال

حسنِ ترتیب کا تقاضا تو یہ تھا کہ میں اس دلیل کو خود کش حملہ کے جواز پر دیئے جانے والے دلائل میں سب سے پہلے اور مقدم رکھتا۔ مگر چونکہ یہ دلیل سب سے آخر میں مجھے دستیاب ہوئی اس لئے اس کا تذکرہ بھی آخر ہی میں کر رہا ہوں۔ ہوا یوں کہ یکم رمضان المبارک ۱۴۲۵ء بروز ہفتہ گکھڑ منڈی ضلع گوجرانوالہ میں، دورہ تفسیر القرآن الکریم کے دوران جہاد کے موضوع پر سبق پڑھانے کی غرض سے حاضری ہوئی، تو وہاں طلباء نے جہاد کے موضوع پر مختلف۔ سوالات کئے۔ ان کے جواب بندہ نے اپنی علمی استعداد کے مطابق دینے کی کوشش کی۔ واپسی پر اپنے گاؤں ۸۷ جنوبی ضلع سرگودھا کی مسجد میں حاضر ہوا۔ جہاں شیخ التفسیر حضرت مولانا منیر احمد صاحب دامت برکاتہم دوسرا سالانہ دورہ تفسیر القرآن الکریم پڑھا رہے تھے۔ اور حضرت کی خدمت میں حاضر ہوا اور ان کو گکھڑ منڈی میں طلباء کی طرف سے ہونے والے مختلف سوالات اور اپنی طرف سے دیئے گئے مختلف جوابات کا ذکر کیا۔ حضرت نے خصوصی طور پر پوچھا کہ خود کش حملے کے جواز پر آپ کیا دلائل دیتے ہیں۔ تو میں نے اختصار کے ساتھ ایک دو دلیلوں کا تذکرہ کیا۔

تو حضرت نے فرمایا کہ میں خود کش حملے کے جواز پر قرآن کریم سے یہ دلیل دیا کرتا ہوں۔

اللہ رب العزت قرآن کریم میں ارشاد فرماتے ہیں کہ ”وَاَعِدُّوْا لَھُمْ مَّا اسْتَطَعْتُمْ مِّن قوةٍ وَّمِنْ رِّبَاطِ الْخَيْلِ تُرْهِبُوْنَ بِهٖ عَدُوَّ اللهِ وَعَدُوَّكُمْ“۔ (سورۃ توبہ، آیت نمبر ۶۰)

اور جس قدر ہو سکے تم ہر ایسی قوت اور گھوڑوں کے ذریعے تیاری کرو، جس سے تم اللہ کے اور اپنے دشمنوں کو ڈراؤ۔

اس آیت کریمہ میں اللہ رب العزت نے ہر اس ہتھیار کو تیار کرنے کا حکم دیا ہے، جس سے کافر ڈرتے ہوں، اور ان پر رعب طاری ہوتا ہو، اور حقائق بتلا رہے ہیں کہ، اس دور میں کفار جس قدر خود کش حملہ سے ڈر تے ہیں، شاید ہی کسی اور چیز سے ڈرتے ہوں۔ لہٰذا خود کش حملہ کو کفار کے خلاف بطور اسلحہ کے استعمال کرنا اس آیت کریمہ سے ثابت ہے۔

ملحوظہ:

طلباء اور علماء کے لئے عرض کروں گا کہ خود کش حملے کا جواز، قرآن کریم سے بطور دلالۃ النص ثابت ہے۔

خود کش حملے کی فقہی حیثیت

امام ابو بکر جصاصؒ نے احکام القرآن میں لکھاہے کہ، امام محمدؒ نے اپنی کتاب "السیر الکبیر" میں لکھا ہے کہ، اگر اکیلا شخص ایک ہزار کے لشکر پر تنہا حملہ آور ہو جائے، تو اس شرط کے ساتھ جائز ہے کہ، یا اسے بچ نکلنے کی امید ہو، یا فتح کی امید ہو، یا کسی قسم کا دینی نفع یا مسلمانوں کے فائدہ کی توقع ہو اور اگر نہ بچنے کی نکلنے کی امید ہو اور نہ ہی غالب آنے کی توقع ہو اور نہ ہی مسلمانوں کا کسی قسم کا فائدہ ہو، البتہ ایسی کاروائیوں سے کفار پر رعب طاری ہو تا ہو، تو یہ جائز ہے، کیونکہ اس میں بھی مسلمانوں کا نفع اور شاندار فتح ہے۔

موجودہ دور میں کفار کے خلاف کئے جانے والے خود کش حملوں سے دشمن پر جو رعب طاری ہو تا ہے، وہ کسی صاحب بصیرت پر مخفی نہیں اور دشمنان اسلام کو دہشت زدہ رکھنا مطلوب شریعت ہے لہٰذا ثابت ہوا کہ خود کش حملہ اسلام کی شاندار فتح ہے۔

نمازِ عشق

کسی نے کہا جہاد کے لئے نماز اور داڑھی شرط ہے۔ حالانکہ نماز مستقل فریضہ ہے، جہاد مستقل فریضہ ہے ، داڑھی مستقل واجب ہے، داڑھی بھی ضروری، نماز بھی ضروری اور جہاد بھی ضروری ہے۔ آکر دیکھو تو سہی ، خدا کی قسم! جو نمازیں مجاہد پڑھتے ہیں شاید کسی کو نصیب ہوں۔

نمازِ عشق ادا ہوتی ہے   تلواروں کے سائے میں

گولیوں کی بارش ہو رہی ہوتی ہے اور مجاہد کہتا ہے "اَلْحَمْدُ لِللهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنْ" اس وقت اللہ کی حمد بیان کرنے میں جو لطف محسوس ہو تا ، جہاد سے باہر رہ کر کہیں محسوس نہیں ہو تا "اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ"، یا اللہ ہمیں سیدھے راستے پر چلایئے، جس راستے پر انبیاء علیہم السلام چلے ، صدیقین چلے ، شہداء چلے۔ اور موت سامنے کھڑی ہوتی ہے۔ اسی نماز میں مزہ آتا ہے جس میں یقین ہو تا ہے کہ کسی بھی وقت گولی لگے گی اور نماز پڑھتے پڑھتے، مولیٰ کریم کے پاس جا پہنچیں گے ، اگر مجاہدین بے نمازی ہوتے تو آسمان سے فرشتے ، انکی مدد کے لئے نہ آتے۔ روسی جرنیلوں نے قسم کھا کر کہا کہ فرشتے اترتے ہم نے اپنی آنکھوں سے دیکھے ہیں۔ فرانس کا ایک صحافی افغانستان کے جہاد کی رپورٹنگ کرنے گیا، چند دن جنگوں کے اندر رہا، واپس آکر مسلمان ہو گیا۔ کہنے لگا" میں نے ان کے خدا کو میدانوں میں لڑتے دیکھا ہے"۔

اگر یہ فاسق ہوتے تو کس طرح سے اتنی بڑی کامیابی حاصل کرتے جہاد تو قلوب کی اصلاح کر دیتا ہے۔ اس لئے میدانِ جہاد میں شیطان نہیں آسکتا۔ کیونکہ وہ فرشتوں کو دیکھ کر وہاں رک نہیں سکتا۔ حدیث میں آتا ہے کہ مجاہد جو بھی دعاء کرے گا انبیاء علیہم السلام کی دعاء کی طرح قبول ہو گی۔ کیونکہ مجاہد کے کسی عمل میں بھی نفس پرستی نہیں ہوتی۔

اعتراض(۲۷)

خودکش اور فدائی حملوں میں بوڑھے مرد، عورتیں اور بچے قتل ہو جاتے ہیں جبکہ احادیث میں انکو قتل کرنے کی صاف طور پر ممانعت وارد ہوئی ہے۔

جواب:

اسمیں شک نہیں کہ حضرت پاک ﷺ نے بوڑھوں، عورتوں اور بچوں کو جنگ میں قتل کرنے سے منع فرمایا ہے۔ مگر یہ اسوقت ہے جب کہ بوڑھے، عورتیں اور بچے جنگ میں شریک نہ ہوں اور اگر یہ جنگ میں شریک ہوں یا جنگی کافروں کی مدد کرتے ہوں خواہ مشورہ دیں، مالی تعاون کریں، جنگ کرنے پر آمادہ کریں، جاسوسی کریں غرض یہ کہ اگر کسی بھی طریقہ سے یہ کفار کے مددگار ثابت ہوں تو ان کا قتل جائز بلکہ باعثِ اجر و ثواب ہے۔

وہ طفل ہے کہ ہے پاگل، ضعیف یا زن ہے
جو دشمنوں کا معاون ہے وہ بھی دشمن ہے

امام ابو جعفر احمد بن محمد طحاویؒ نے اپنی معروف کتاب "شرح معانی الاثار" میں ایک باب قائم فرمایا ہے۔

بَابُ الشَّيْخِ الْكَبِيْرِ هَلْ يُقْتَلُ فِىْ دَارِالْحَربِ اَمْ لَا۔

کہ جنگ میں بوڑھے کو قتل کرنا جائز ہے کہ نہیں۔

اور اس کے تحت حدیث نقل فرمائی اور پھر یہ فیصلہ دیا۔

حدیث:

حضرت پاک ﷺ نے حنین کی لڑائی سے فارغ ہونے کے بعد حضرت ابو عامرؓ کو لشکر دے کر اوطاس کی طرف روانہ فرمایا تو وہاں پر حضرت ربیع بن رفیعؓ نے دُرَید بن صِمَّہ کو پالیا اور اسکے اونٹ کی نکیل پکڑ لی۔ پہلے سمجھے کہ شاید یہ کوئی عورت ہے دیکھا تو وہ بوڑھا مرد ہے۔ درید نے حضرت ربیعؓ سے کہا تمھارا کیا ارادہ ہے حضرت ربیعؓ نے فرمایا کہ میں تجھے قتل کرنا چاہتا ہوں۔ تلوار سے درید ہ پر وار کیا مگر اسکو کچھ اثر نہ ہوا تو درید نے کہا

بِئْسَمَا سَلَحَتْكَ اُمُّكَ خُذْ سَيْفِىْ هٰذَا مِنْ مُؤخِرِ الرَّحْلِ ثُمَّ اضْرِبْ وَارْفَعْ عَنِ الْعِظَامِ وَارْفَعْ عَنِ الدَّمَاغِ فَاِنِّى كَذٰلِكَ كُنْتُ اَقْتُلُ الرِّجَالَ۔

تیری ماں نے تجھ کو اچھی طرح ہتھیار پکڑنا بھی نہیں سکھایا۔ یہ میری تلوار کجاوے سے لے اور پھر وار کر

مگر ہڈیوں اور دماغ سے علیحدہ رکھ کیونکہ میں بھی آدمیوں کو اس طرح قتل کرتا تھا۔

علامہ طحاویؒ آگے فرماتے ہیں۔

فَلَمَّا قُتِلَ دُرَيْدٌ وَهُوَ شَيْخٌ كَبِيْرٌ فَانٍ لَا يَدْفَعُ عَنْ نَفْسِهٖ فَلَمْ يَعِبْ ذَالِكَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ عَلَيْهِمْ دَلَّ اَنَّ الشَّيْخَ الْفَانِىَ يُقْتَلُ فِیْ دَارِالْحَرْبِ وَاَنَّ حُكْمَهٗ فِیْ ذٰلِكَ حُكْمُ الشَّيْبَانِ لَا حُكْمُ النِّسْوَانِ۔

جب درید قتل کیا گیا حالانکہ وہ اتنا بوڑھا تھا کہ اپنا دفاع بھی نہ کر سکتا تھا تو حضرت پاک ﷺ نے اسکو برا نہ منایا تو یہ دلیل ہے اس بات کی کہ دارالحرب میں بوڑھے کو قتل کیا جا سکتا ہے اور اسکا حکم نوجوان مردوں کا ہے نہ کہ عورتوں کا۔

اور وہ احادیث جن میں بوڑھوں کو قتل نہ کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ جیسے حضرت بریدہؓ کی روایت جس میں ہے کہ حضرت پاک ﷺ کا ارشاد فرمایا: لَا تَقْتُلُوْا شَيْخًا كَبِيْرًا۔ کہ بوڑھوں کو قتل نہ کرو۔

کا جواب دیتے ہوئے حضرت علامہ طحاوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

وَ النَّهْىَ عَنْ رَسُوْلِ اللهِ ﷺ فِیْ قَتْلِ الشُّيُوْخِ فِیْ دَارِالْحَرْبِ ثَابِتٌ فِی الشُّيُوْخِ الَّذِيْنَ لَا مَعُوْنَةَ لَهُمْ عَلٰى شَيْئٍ مِنْ اَمْرِالْحَرْبِ مِنْ قِتَالٍ وَلَا رَاْيٍ وَحَدِيْثُ رُوَيْدَ عَلَى الشُّيُوْخِ الَّذِيْنَ لَهُمْ مَعُوْنَةٌ فِی الْحَرْبِ كَمَا كَانَ لِرُوَيْدٍ

دارالحرب میں بوڑھوں کو قتل کرنے کی ممانعت ایسے بوڑھوں کے بارے میں ہے جو جنگ میں کسی بھی طرح تعاون نہ کریں اور روید ان بوڑھوں میں سے تھا جو جنگ میں تعاون کر رہے تھے۔

اور ایسے بوڑھے جو جنگ میں تعاون کریں اگرچہ وہ قتال نہ بھی کریں تو بھی انکو قتل کرنا جائز ہے۔ کیونکہ بسا اوقات جنگ میں مشورہ اور رائے سے تعاون کرنا، جنگ میں شرکت کرنے سے بھی زیادہ اہمیت رکھتا ہے۔

امام طحاویؒ کے الفاظ یہ ہیں: فَلَا بَاْسَ بِقَتْلِهِمْ وَاِنْ لَّمْ يَكُوْنُوْا يُقَاتِلُوْنَ لِاَنَّ تِلْكَ الْمَعُوْنَةَ الَّتِیْ تَكُوْنُ مِنْهُمْ اَشَدَّ فِیْ كَثِيْرٍمِنَ الْقِتَالِ وَلَعَلَّ الْقِتَالَ لَا يَلْتَئِمُ لِمَنْ يُقَاتِلُ اِلَّا بِهَا فَاِذَاكَانَ كَذَالِكَ قُتِلُوْا۔

اور ایسی عورت جو جنگ میں کسی بھی ذریعے سے تعاون کرتی ہو اس کے قتل کے جائز ہونے کے بارے میں علامہ طحاوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

وَفِیْ قَتْلِهِمْ دُرَيْدُ بْنَ الصَّمَّةَ لِلْعِلَّةِ الَّتِیْ ذَكَرْنَادَلِيْلٌ عَلٰى اَنَّهُ لَا بَاْسَ بِقَتْلِ الْمَرْءَةِ اِذَا كَانَتْ اَيْضًا ذَاْتَ تَدْبِيْرٍ فِی الْحَرْبِ كَالشَّيْخِ الْكَبِيْرِ ذِی الرَّائِیِ فِی الْحَرْبِ

درید بن صمہ بوڑھے کو جنگ میں تعاون کرنے کی وجہ سے قتل کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ ایسی عورت کو بھی قتل کرنے میں کوئی حرج نہیں جو لڑائی میں تدبیر اور رائے رکھتی ہو۔

اور جس طرح ایسے بوڑھے اور عورت کو قتل کرنا جائز ہے اسی طرح ایسے نابالغ بچوں کو بھی قتل کرنا جائز ہے۔ جیسا کہ فقہاءِ کرام نے اس بات کی کتب فقہ میں تصریح فرمادی ہے۔ اس کے لئے فقہ کی کوئی بھی چھوٹی سے چھوٹی یا بڑی سے بڑی کتاب دیکھی جاسکتی ہے۔

فائدہ:

درید بن صمہ کو جب قتل کیا گیا تو، اسکی عمر ایک سو ساٹھ برس تھی (رمز الحقائق)۔

ملحوظہ:

ممکن ہے کہ کسی شخص کے ذہن میں یہ بات آجائے کہ اب جو شہروں میں کاروائیاں کی جارہی ہیں۔ جیسا کہ مقبوضہ فلسطین میں یا کچھ عرصہ قبل امریکہ، ورلڈ ٹریڈ سنٹر میں ہوئی۔ اسمیں تو بے گناہ بچے اور عورتیں اور بوڑھے قتل ہوتے ہیں۔ تو اس سلسلہ میں عرض یہ ہے کہ اس وقت کی تحقیق کے مطابق دنیا میں شاید ہی کوئی ایسا مرد یا عورت آپ کو ملے جو کہ مسلمانوں کے خلاف اپنی حیثیت کے مطابق جنگ میں تعاون نہ کر رہا ہو۔ یہ ہماری صرف غلط فہمی ہے۔ وگرنہ کافروں کا ہر فرد جوان ہو، کہ بوڑھا مرد ہو، کہ عورت بچہ ہو، کہ بچی ہر شخص اپنی اپنی استطاعت کے مطابق تعاون اور پشت پناہی کر رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ یہ سوچ مسلمانوں کو بھی نصیب فرمادیں کہ ان کا ہر شخص میدانِ جنگ میں کود پڑے تو انشااللہ کفار کا تیا پانچہ ہونا دنوں کی بات ہے

فائدہ:

رجب ۱۴۲۲ھ کی رات امارت اسلامی افغانستان پر امریکی حملہ کے بعد امریکی صدر بش نے ایک خطاب کیا جس میں اس نے واضح الفاظ میں کہا کہ " امریکہ کا ہر فرد فوجی ہے "(دیکھئے روزنامہ اوصاف ۲۰ رجب ۱۴۲۲ھ ۱۸ اکتوبر ۲۰۰۱، سوموار)۔

اب جب کہ کفار خود ہی اس حقیقت کو تسلیم کر رہے ہیں کہ کفار کا ہر فرد فوجی حیثیت سے مسلمانوں کے خلاف برسرِ پیکار ہے تو پھر انکی عوام کے قتل کے جواز میں کیا شبہ کیا جاسکتا ہے۔

☆☆☆

اعتراض (۲۸)

خودکش اور فدائی حملے خصوصاً جو کسی بھی عوامی مقام پر ہوں تو اسمیں مسلمان بھی ہلاک ہو جاتے ہیں جب کہ مسلمان کو ہلاک کرنا تو ازروئے شریعت سخت اور بہت بڑا جرم ہے۔

جواب:

اسمیں کوئی شک نہیں کہ مسلمانوں کا قتل بہت بڑا جرم ہے۔ مگر اسوقت جب کہ مسلمان کا ہی قتل کرنا اور ہلاک کرنا مقصود ہو مگر یہاں صورت حال مختلف ہے۔

ہماری بحث اس صورت میں ہے کہ ہم قتل تو کفار کو کرنا چاہتے ہیں اور اسکے لئے عوامی مقامات کا تعین کرنے کی کئی وجہیں اور حکمتیں ہو سکتی ہیں۔ مثلاًوہ کفار کا تجارتی مرکز ہوتا ہے جس سے کفار کی معیشت پر زد پڑ سکتی ہے، یا وہ ایسی جگہ ہے جہاں پر ایسے پرزہ جات بنتے یا فروخت ہوتے ہیں جو جنگوں میں انتہائی اہمیت رکھتے ہیں۔ یا وہاں بعض بڑے سر خیل اور سر کردہ کفار کے عزیز ہوتے ہیں جن کو قتل کرنے سے سر کردہ افراد کو ذہنی طور پر صدمہ سے دوچار کر کے انکو نفسیاتی دباؤمیں لانا مقصود ہوتا ہے یا کسی عوامی مقام پر حملہ کر کے عوام کو کفار کی حکومت کے خلاف میدان میں لانا مقصود ہوتا ہے، خیر اس طرح کی بے شمار حکمتیں ہر موقع کے مناسب ہوتی ہیں جنکی وجہ سے کسی بھی عوامی مقام کا انتخاب کیا جاتا ہے۔

مگر ایسے عوامی مقامات میں ایسے مسلمان بھی ہوتے ہیں اور انکے دل میں دنیا کی محبت رچی ہوتی ہے۔ وہ انہی مقامات پر جو کہ فحاشی وعیاشی کے اڈے یا دولت کی پوجا اور سودی کاروباری مقامات ہوں وہاں پر ہی ان کو قلبی راحت اور روح کو سکون ملتا ہے اور ایسے مسلمانوں کو وہاں سے جدا کرنا مجاہدین کے بس میں نہیں ہوتا۔

خلاصہ:

یہ کہ ایسے حملے جس میں کفار کو ہلاک اور قتل کرنا مقصود ہو اور مسلمانوں کا قتل مقصود نہ ہو مگر مسلمانوں کے قتل کے بغیر کفار کا قتل ممکن نہ ہو تو فقہائےِ کرام نے اس کی اجازت دی ہے ایسے مواقع پر مسلمانوں کے قتل کی پرواہ نہیں کرنی چاہیے اور بنام خدا کاروائی کر گزرنی چاہیے۔

مسئلہ:

اگر آپ کسی قلعہ پر حملہ آور ہوں اور اس کے اندر کوئی مسلم تاجر یا قیدی ہو تو اگرچہ اس قلعہ پر حملہ آور ہونے میں مسلم تاجر اور مسلم قیدی کو قتل کرنے کا نقصان ہو گا، مگر انکی وجہ سے پورے کفار کو اگر قتل نہ کیا جائے تو یہ نقصان اس سے بھی بڑا ہو گا اس لئے یہاں بڑے نفع کی خاطر چھوٹے نقصان کو برداشت کر لیا جائے ۔(الہدایہ)

مسئلہ:

اگر آپ کفار پر حملہ آور ہوں اور وہ مسلمان بچوں کو بطور ڈھال کے استعمال کریں تاکہ مسلمان ان بچوں کی وجہ سے قتل نہ کریں گے تو بھی مسلمان بچوں کو قتل کئے بغیر اگر کفار کی گردن تک پہنچنا ممکن نہ ہو تو مسلمان بچوں کو بھی قتل کرنے سے دریغ نہ کیا جائے۔(مختصر القدوری)

مسئلہ:

ایسی صورتوں میں جو مسلمان قتل ہوں گے، انکی دیت اور ضمان بھی واجب نہ ہو گی۔ دیت ایک چٹی اور ضمان ہے اور جہاد فریضہ ہے اور فریضہ کی ادائیگی پر چٹی اور ضمان واجب نہیں ہوا کرتی۔(حاشیہ قدوری)

☆☆☆

اعتراض (۲۹)

حضرت پاک ﷺ کی ذاتِ مبارکہ پر العیاذ باللہ یہ الزام عائد کیا جاتا ہے کہ آپ ﷺ نے کبھی بھی کسی کافر کو خود قتل نہیں کیا۔ بلکہ صرف کفار کو دعوت دے کر مسلمان کیا ہے تا کہ یہ سارے کافر جنت میں جانے والے بن جائیں۔

جواب:

شریعت مطہرہ میں بعض ایسے مسائل بھی مسنون ہیں جن کو حضرت پاک ﷺ نے خود نہیں فرمایا بلکہ صرف اس کی ترغیب دی ہے اور حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو ان کے کرنے کا حکم ارشاد فرمایا تھا۔ جیسے اذان اور اقامت۔ یہ بھی حضرت پاک ﷺ کی سنت ہے۔ اگرچہ یہ اعمال حضرت پاک ﷺ نے خود نہیں فرمائے۔ دوسرے الفاظ میں یوں سمجھیں کہ بعض اعمال شریعت حضرت پاک ﷺ کی فعلی سنت سے ثابت ہیں اور بعض دوسرے اعمال حضرت پاک ﷺ کی قولی سنت سے ثابت ہیں۔ کفار کا قتل کرنا حضرت پاک ﷺ کی سنت قولی اور سنت فعلی دونوں سے ثابت ہے۔ دونوں کی تفصیل ملاحظہ فرمائیں۔

کافر کو قتل کرنے کی ترغیب وبشارت

حضرت پاک ﷺ نے کفار کو قتل کرنے کی ترغیب پھر اس پر جنت کی بشارت بھی دی ہے۔ حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ حضرت پاک ﷺ نے فرمایا

اَفْشُوْا السَّلَامَ وَاَطْعِمُوْا الطَّعَامَ وَاضْرِبُوْا الْهَامَ تُوْرِثُوا الْجَنَانَ۔ (مشکوۃ کتاب الجہاد)

سلام پھیلاؤ، کھانا کھلاؤ اور کفار کی کھوپڑیاں اڑاؤ اور جنت کے وارث بن جاؤ۔

آقا ﷺ کا حلم ودرگزر اپنی جگہ مگر — آقا ﷺ نے کیا قتال کی ترغیب نہیں
ثابت نہیں ہے آپ سے کافر کا قتل کیا — کیا لشکروں کی آپ نے ترتیب نہیں

حضرت پاک ﷺ نے کفار کے قتل ہونے پر خوشی منائی۔

جنگ بدر میں ابو جہل کے قتل ہونے پر حضرت پاک ﷺ نے نعرہ تکبیر بلند کیا اور سجدہ شکر ادا فرمایا اور بعض روایات کے مطابق حضرت پاک ﷺ نے دو رکعت نفل بطور شکرانے کے ادا فرمائے۔

حضرت عمیر بن عدیؓ نابینا صحابی نے گستاخِ رسول ﷺ عصما یہودیہ عورت کو قتل کیا تو حضرت پاک ﷺ نے ارشاد فرمایا: اِذَااَحْبَبْتُمْ اَنْ تَنْظُرُوْا اِلٰی رَجُلٍ نَصَرَاللهَ وَرَسُوْلَهٗ بِالْغَیْبِ فَانْظُرُوْا اِلٰی عُمَیْرِ بْنِ عَدِیٍّ ۔(الصارم المسلول علی شاتم الرسول، ابن تیمیہ)۔

اگر ایسے شخص کو دیکھنا پسند کرو جس نے اللہ تعالیٰ اور اسکے رسول ﷺ کی غائبانہ مدد کی ہو تو عمیر بن عدی کو دیکھ لو۔

اور ایک مرتبہ حضرت عمیر بن عدیؓ بہت بیمار ہوئے تو حضرت پاک ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ

اِنْطَلِقُوْا بِنَا اِلٰی الْبَصِیْرِ الَّذِیْ فِیْ بَنِیْ وَاقِفٍ نَعُوْدُهٗ(اصابہ)

ہم کو اس بینا اور آنکھوں والے کے پاس لے چلو جو بنی واقف میں رہتا ہے تا کہ اسکی بیمار پرسی کریں۔

اب غور کریں کہ آپ ﷺ ان کو بینا اور آنکھوں والا قرار دے رہے ہیں۔ حالانکہ وہ نابینا تھے۔ کیونکہ انہوں نے دل کی آنکھ سے حق کو دیکھا، یا یہ کہیں کہ انہوں نے وہ کام کیا جو آنکھوں والا ہی کر سکتا ہے۔

کافر کو قتل کرنے پر انعام:

حضرت عبداللہ بن انیسؓ نے جب خالد بن سفیان دشمنِ رسول ﷺ کو قتل کر کے اس ملعون کا سر آپ ﷺ کے قدموں میں لا کر رکھا تو آپ ﷺ نے حضرت عبداللہ بن انیسؓ کو انعام میں ایک عصا(ڈنڈا) عنایت فرمایا اور ارشاد فرمایا۔

تَخَصَّرْبِهٖ فِی الْجَنَّةِ فَاِنَّ الْمُتَخَصِّرِیْنَ فِیْ الْجَنَّةِ قَلِیْلٌ (البدایہ و النھایہ)

اس عصا کو پکڑ کر جنت میں چلنا، کیونکہ عصا لے کر جنت میں چلنے والا شاذونادر ہی ہو گا۔

حضرت عبداللہ بن انیسؓ ساری عمر اسکی حفاظت فرماتے رہے اور مرتے وقت وصیت فرمائی کہ اسکو میرے کفن میں رکھ دینا چنانچہ ایسا ہی کیا گیا(زاد المعاد)

حضرت پاک ﷺ نے اپنے مبارک ہاتھوں سے کافر کو قتل کیا۔

ابی بن خلف نے ایک گھوڑا پالا اور دانہ کھلا کر خوب موٹا کیا اور کہا کرتا تھا کہ میں اس پر سوار ہو کر محمد(ﷺ)کو(نعوذ باللہ) قتل کروں گا۔ جب حضرت پاک ﷺ کو اسکی اطلاع ملی تو آپ ﷺ نے فرمایا ان شاءاللہ میں ہی اسکو قتل کروں گا۔ جنگ احد میں وہ حضرت پاک ﷺ کی طرف بڑھا تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اجازت چاہی کہ اس کا کام تمام کر دیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ اسکو قریب آنے دو۔ جب قریب آ گیا تو

آپ ﷺ نے حارث بن صمیہؓ سے نیزہ لے کر اسکی گردن پر مارا جس سے اسکو ہلکی سی خراش آئی اور چلاّتا ہوا واپس دوڑا اور کہنے لگا کہ خدا کی قسم مجھ کو محمد (ﷺ) نے مار ڈالا۔ لوگوں نے غیرت دلائی کہ معمولی سی کھرچی پر بیل کی طرح چلاّتا ہے۔ تو کہنے لگا کہ یہ محمد (ﷺ) کی مار ہے۔ انہوں نے مجھے مکہ میں ہی کہا تھا کہ میں تجھ کو ماروں گا خدا کی قسم، اگر وہ مجھ پر تھوک بھی دیتے تو میں مر جاتا۔

اگر اس زخم کی تکلیف کو سارے مکہ کے لوگوں پر تقسیم کر دیں تو سب کی ہلاکت کے لئے کافی ہو جائے وہ اسی حالت میں مقام سرف پر مر گیا اور حضرت پاک ﷺ کے مبارک ہاتھوں سے قتل ہو کر جہنم میں چلا گیا۔ (البدایہ والنھایہ)

اس لئے گیدڑو! خدا سے ڈرو اور حضرت پاک ﷺ جیسے بہادر رسول ﷺ پر الزام نہ لگاؤ۔ بلکہ اپنی بزدلی کا علاج کرو اور عقل سے کام لو اور دین کو سمجھنے کی کوشش کرو۔

اللہ تعالیٰ ہم کو دین سمجھنے کی توفیق عطا فرمائیں، آمین یَا رَبَّ الْعٰلَمِیْن۔

☆☆☆

اعتراض(۳۰)

کفار کو قتل کرنا تو درکنار حضرت پاک ﷺ نے تو کبھی کسی کافر کو بد دعا تک نہیں دی بلکہ طائف کے دعوتی سفر میں جب کفار نے حضرت پاک ﷺ کو پتھر مارے، جس سے پاؤں مبارک سے خون جاری ہو گیا تو حضرت جبرائیل علیہ السلام نے حاضر ہو کر عرض کیا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کی قوم کی جو گفتگو ہوئی وہ سنی اور انکے جوابات بھی سنے اور ایک فرشتہ کو بھیجا جو پہاڑوں پر مامور ہے۔ آپ جو چاہیں اسکو حکم فرمادیں۔ وہ فرشتہ حاضر ہوا اور سلام عرض کیا اور کہا کہ آپ جو ارشاد فرمائیں میں اسکی تعمیل کروں گا۔ اگر ارشاد ہو تو دونوں جانب کے پہاڑوں کو ملا دوں جس سے یہ سب درمیان میں کچل جائیں۔ یا جو آپ تجویز فرمائیں۔ حضرت پاک ﷺ کی کریم ذات نے جواب دیا کہ میں اللہ سے اسکی دعا کرتا ہوں کہ اگر یہ مسلمان نہیں ہوتے تو انکی اولاد میں سے ایسے لوگ پیدا ہوں جو اللہ کی پرستش کریں اور اسکی عبادت کریں۔

جواب:

ایسی باتیں کرنا اصل میں دین سے ناواقفیت اور حضرت پاک ﷺ کی سیرت مبارکہ سے دوری اور بے تکی اور کفار کی محبت کی وجہ سے ہے۔ مانا کہ بہت سے مقامات پر حضرت پاک ﷺ نے ظلم و ستم برداشت کر کے بھی کفار کو بد دعا نہیں دی مگر یہ بھی درست ہے کہ حضرت پاک ﷺ نے بہت سے مقامات پر بد دعا بھی فرمائی ہے۔ کہیں تو کفار کا نام لے کر اور کہیں بغیر نام کے۔

(۱) حضرت پاک ﷺ کی بڑی صاحبزادی حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا ابو لہب کے بیٹے عتبہ کے نکاح اور چھوٹی بیٹی حضرت ام کلثوم رضی اللہ تعالیٰ عنہا ابو لہب کے بیٹے عتیبہ کے نکاح میں تھیں، جب سورۃ اللّٰھب نازل ہوئی تو ابو لہب نے قسم کھائی کہ جب تک تم دونوں محمد (ﷺ) کی بیٹیوں کو طلاق نہ دو گے میں تم سے بات نہ کروں گا۔ تو دونوں نے طلاق دے دی۔ مگر حضرت ام کلثوم رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے شوہر عتیبہ نے طلاق بھی دے دی اور ساتھ حضرت پاک ﷺ کو نازیبا کلمات بھی بکے۔ تو حضرت پاک ﷺ نے عتیبہ کے حق میں بد دعا دی کہ " اے اللہ! اپنے کتوں میں سے ایک کتا اس پر مسلط فرمادے۔" چنانچہ بعد میں وہ خبیث اسی طرح برباد ہوا۔ نیز تفصیل کے لئے دیکھئے (اسد الغابہ)

(۲) شوال ۵ھ غزوہ خندق کے موقع پر جب جنگ میں مشغولیت کی وجہ سے حضرت پاک ﷺ کی عصر کی نماز قضاء ہو گئی تو حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ حضرت پاک ﷺ نے کفار کے لئے بد دعا فرمائی۔

مَلَاَاللہُ قُبُوْرَھُمْ وَبُیُوْتَھُمْ نَارًاشَغَلُوْنَا عَنِ الصَّلٰوۃِ الْوُسْطٰی

اے اللہ ! ان کافروں کی قبروں اور گھروں کو آگ سے بھر دے۔انہوں نے ہمیں عصر کی نماز سے روک دیاہے۔

(۳)صفر ۴ھ کو حضرت منذر بن عمروؓ کو ستر صحابہ کے ہمراہ رعل، ذکوان وغیرہ کی طرف دعوت و تبلیغ کے لئے روانہ فرمایاتو ان ستر صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم، جو کہ اصحاب صفہ اور قرآن کے قاری تھے کو کفار نے شہید کر دیا۔ صرف ایک صحابی عمر بن امیرؓ بچ نکلنے میں کامیاب ہو گئے تھے۔

ان کفار پر حضرت پاک ﷺ بہت غضب ناک ہوئے اور مسلسل ایک مہینہ تک نمازِ فجر میں قنوت نازلہ پڑھتے رہے یعنی ان پر بد دعا فرماتے رہے۔

(۴) یکم صفر ۹ھ کو حضرت عبداللہ بن عوسجہؓ کو کچھ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے ہمراہ بنو حارثہ کی طرف بھیجا مگر انہوں نے اسلام قبول نہیں کیا تو آپ ﷺ نے ان کے حق میں بد دعا فرمائی کہ انکی عقل ماری جائے۔ چنانچہ بد حواسی اور رعشہ کی بیماری آج تک مسلط ہے۔ ایسے بہت سے واقعات ہیں کہ جو سیرت کی کتابوں میں مذکور ہیں۔ بلکہ بعض صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے بھی کفار بلکہ بعض ایسے مسلمانوں کو بد دعا دینا ثابت ہے جنہوں نے ان کو دکھ دیا اور ستایا اور اللہ تعالیٰ نے انکی دعاؤں کو قبول بھی فرمایا۔

کچھ شک نہیں کہ آقا ﷺ حلیم و کریم تھے
کی بد دعا نہ اپنی کبھی ذات کے لئے
کفار کے مقابلے میں تھے جری مگر
ہاں مستعد تھے خوب مہمات کے لئے
اور فتنہ پروروں کے لئے بد عا بھی کی
جب گڑگڑائے رب سے فتوحات کے لئے

جیسے حضرت عثمانؓ کی بد دعا محمد بن ابی بکر کے لئے اور حضرت سعد بن ابی وقاصؓ کی بد دعا، اس شخص کے لئے جس نے ان کے کوفہ کی گورنری کے دوران الزامات لگائے تھے۔ مزید ایسے واقعات کو اختصار کے پیشِ نظر ذکر نہیں کرتا۔ حق تعالیٰ صحیح فہم اور پورے دین کو سمجھنے کی توفیق دے، آمین۔

☆☆☆

اعتراض (۳۱)

بہت سے لوگ جو دین کے دیگر کاموں میں مشغول ہیں۔ مگر بزدلی، کم ہمتی اور موت کے خوف کی وجہ سے جہاد میں نہیں جاتے، وہ ایک شوشہ چھوڑتے ہیں کہ بھائی اس دور میں صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے جہاد جیسا جہاد نہیں اس لئے ہم جہاد نہیں کرتے۔

جواب نمبر ا:

اب ان کم عقلوں اور بد دماغوں سے کوئی پوچھے کہ کیا باقی سارے اعمال ہمارے صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم جیسے ہیں۔ کیا ہماری نمازیں، ہمارے روزے، ہمارے حج، ہماری زکوٰۃ اور صدقہ اور دیگر ہمارے اعمال صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے اعمال جیسے ہیں؟ کیا اس کا معنی یہ ہوا کہ ہم تمام اعمالِ شریعت ہی کو چھوڑ دیں کیونکہ ہمارے اعمال صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے اعمال جیسے نہیں ہیں؟

اور کیا ہماری شادیاں صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی شادیوں کی طرح ہوتی ہیں؟ پھر پوری زندگی انڈیا کے وزیر اعظم واجپائی کی طرح کنوارے بن کر گزاروگے۔ جنازے صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کے جنازوں کی طرح ہیں؟ پھر مُردوں کو بھی بغیر جنازوں کو دفناؤ، کھانا پینا صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے کھانے پینے جیسا نہیں۔ لہٰذا اپنے پیٹ کو کنٹرول کرو اور اوڑھنا اور بچھونا چونکہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے اوڑھنے بچھونے جیسا نہیں، لہٰذا یونہی راتیں بسر کرو۔

غرض یکہ کون سا عمل ہے جو صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے عمل کی طرح ہے تو پھر ساری زندگی کے تمام اعمال ہی چھوڑ دو اور ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر بیٹھو۔

دعوت و تبلیغ کے کام کو بھی چھوڑ دو۔ کیونکہ ہماری دعوت و تبلیغ بھی صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے دعوت و تبلیغ جیسی نہیں کیونکہ وہ تو کافروں کو دعوت دیتے تھے ایمان لانے کے لئے اور ہم مسلمانوں کو دعوت دیتے ہیں اعمال ٹھیک کرنے کی۔ اس درجہ کا اخلاص بھی نہیں۔

تعلیم و تدریس بھی روک دو اور دین کے سیکھنے سے بھی انکار کر دو۔ کیونکہ ہمارے مدارس صفہ کے مدرسے کی طرح نہیں ہیں۔ مساجد کو گرادو اس لئے کہ یہ مساجد بھی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کی مساجد کی طرح اخلاص سے قائم نہیں کی گئیں۔ بلکہ ایمان ہی سے انکار کر دو۔ کیونکہ ہم جتنا بھی زور لگائیں ہمارا ایمان صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے ایمان جیسا تو ہرگز ہو ہی نہیں سکتا۔ نعوذ باللہ اس ایک جملہ نے پورے دین کی بنیاد ہلا

کر رکھ دی ہے۔ یہ بات سمجھ سے باہر ہے کہ جب باقی سارے دین کے کام ضروری ہیں باوجود یہ کہ ان میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین جیسا اخلاص نہیں پھر ایک جہاد ہی کے ساتھ یہ ضد کیوں ہے؟

کیا بھلا ذکر و تلاوت ہے سلف کی مانند — اور کیا اپنی نمازیں ہیں صحابہ جیسی

پھر یہ حیلہ ہے فقط راہِ خدا میں کیوں کر — ہے کہاں جہد کی صورت میرے آباء جیسی

وجہ صاف ظاہر ہے کہ دل میں نفاق ہے، جہاد کرنا نہیں۔ کیونکہ موت سے ڈر لگتا ہے۔ باقی سارے بہانے ہیں اس لئے میرے دوستو اور بزرگو میرا مشورہ ہے کہ آپ مہربانی کریں ایک مرتبہ نہ چاہتے ہوئے بھی اس میدان میں نکلیں۔ ان شاء اللہ ایمان بھی بنے گا اعمال بھی درست ہوں گے اللہ تعالیٰ سے ملاقات کے شوق میں موت سے محبت پیدا ہو گی اور ایک آدھ خون کا قطرہ گرنے سے دماغ بھی درست ہو گا اور صاف بھی۔

ملحوظہ:

تمام احکامِ شریعت میں دو چیزیں ہیں۔ کمیّت اور کیفیّت۔ کمیت یعنی مقدار مثلاً نمازیں، کتنی فرض ہیں ہر نماز میں کتنی رکعتیں ہیں اور نماز کے فرائض کتنے ہیں واجبات کتنے ہیں، سنتیں کتنی ہیں اور مستحبات کتنے ہیں ۔وضو کے فرائض سنتیں، مستحبات وغیرہ اسی طرح روزہ، حج اور زکوٰۃ وغیرہ میں غور فرمالیں۔

دوسری چیز ہے کیفیت یعنی اخلاص اور للّٰہیت کس درجہ کی ہے۔ جسکا اعلیٰ درجہ تو ہر عبادت میں وہ ہے جسکا ذکر حدیث جبرئیلؑ میں ہے

اَنْ تَعْبُدَاللّٰہَ کَاَنَّکَ تَرَاہُ فَاِنْ لَّمْ تَکُنْ تَرَاہُ فَاِنَّہٗ یَرَاکَ

کہ اللہ تعالیٰ کی عبادت ایسے کرو گویا کہ اسکو دیکھ رہے ہو اگر یہ درجہ حاصل نہ ہو تو یہ تصور کرو کہ اللہ تعالیٰ تمہیں دیکھ رہا ہے۔

اب ظاہر ہے کہ یہ کیفیت تو اتنی جلدی حاصل نہ ہو گی۔ اسکے لئے کسی ولی کامل کی صحبت اور مسلسل استحضار کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی عبادت شرط ہے۔اور یہ درجہ جس طرح کا حضرت پاک ﷺ کی صحبت کی برکت سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کو نصیب تھا وہ بعد والوں کو کہاں مل سکتا ہے۔

اس لئے حضرت پاک ﷺ کا ارشاد گرامی ہے کہ میرا صحابیؓ اگر ایک مٹھی بھی جَو خرچ کرے اور بعد کے لوگ احد پہاڑ کے برابر سونا بھی خرچ کریں تو برابر نہیں ہو سکتے، یہ کیا ہے؟ یہ اخلاص اور کیفیت ہے۔

ہم اصحابِ رسول ﷺ کی طرف سے پہنچنے والی عبادت میں کمیت کے مکلف ہیں۔یعنی رکعات، تعداد میں کمی بیشی کر سکتے ہیں مگر کیفیت صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین والی کے نہ مکلف ہیں اور نہ ہی وہ کیفیت پیدا ہو سکتی ہے۔

تمام عبادات کی طرح یہی حال جہاد فی سبیل اللہ کا بھی ہے کہ ہم اس بات کے مکلف ہیں کہ شرائطِ جہاد کو مد نظر رکھتے ہوئے کفر کی کھوپڑیاں اُڑائیں۔کسی مسلمان کے اوپر ہاتھ نہ اٹھائیں مگر اسمیں اخلاص اس درجہ کا ہو جس درجہ کا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین میں تھا، یہ ممکن ہی نہیں ہے۔جب ممکن ہی نہیں تو اسکے مکلف بھی نہیں ہیں لہٰذا اس پر اعتراضات بھی فضول اور بے کار ہیں۔

یہی وجہ ہے کہ حضرت پاک ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

میرے صحابہ! اگر تم دین کے دس فیصد حصہ کو چھوڑ کر نوے فیصد پر عمل کرو گے تو ناکام ہو جاؤ گے جب کہ بعد والے لوگ اگر نوے فیصد کو چھوڑ کر دس فیصد پر عمل کریں گے تو بھی کامیاب ہو جائیں گے کیونکہ تم لوگوں نے مجھے دیکھ کر ایمان قبول کیا ہے اور بعد والے لوگ بن دیکھے مجھ پر ایمان لائیں گے۔

(احیاء العلوم۔امام غزالی)

☆☆☆

اعتراض(۳۲)

کفار کو برا نہیں کہنا چاہیے اور نہ ہی ان کو جانوروں کے ناموں سے پکارنا چاہیے۔ مثلاً کتا، خنزیر وغیرہ نہیں کہنا چاہیے کیوں کہ یہ اگرچہ کافر ہیں مگر پھر بھی انسان تو ہیں اور انسان کی ذات کی بحیثیتِ انسان تذلیل کرنا درست نہیں۔ اور نہ ہی کافروں کو کافر کہنا چاہئے اور نہ ہی انکو گالی دینی چاہیے۔ کیونکہ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:" وَلَا تَسُبُّوا الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ فَيَسُبُّوا اللّٰهَ عَدْوًا بِغَيْرِ عِلْمٍ" (الانعام، آیت نمبر ۱۰۸)

کہ تم مشرکین کو گالیاں نہ دو، ورنہ وہ اللہ تعالی کو گالیاں دیں گے جہالت کی وجہ سے"۔

بلکہ ان کے ساتھ نرم لہجہ اور اخلاق کے ساتھ گفتگو کرنی چاہئے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے جب حضرت موسی وہارون علیہما السلام کو فرعون کی طرف بھیجا تو حکم دیا"فَقُوْلَا لَهٗ قَوْلًا لَّيِّنًا"(سورۃ طٰہٰ، آیت نمبر ۴۴) "کہ اس سے بات نرمی سے کرنا۔" جبکہ مجاہدین تو اس کے برخلاف کرتے ہیں۔

جواب نمبر ا:

آیئے ہم سب سے پہلے قرآن کریم پر غور کریں کہ قرآن کریم کفار اور مشرکین کو کن الفاظ سے یاد کرتا ہے تا کہ بات سمجھنے میں آسانی ہو۔

(۱)صُمٌّ بُكْمٌ عُمْيٌ(سورہ بقرہ، آیت نمبر ۱۸)

یہ کفار بہرے ہیں، گونگے ہیں، اندھے ہیں۔

تو کیا ان کفار کے کان، زبان اور آنکھیں کام نہیں کرتیں؟ نہیں نہیں۔ کرتی ہیں مگر مطلب یہ ہے کہ زبان، آنکھ، کان تو ہیں مگر یہ صرف ان کو فانی زندگی کے لئے استعمال کرتے تھے اور آخرت کے کام میں نہیں لاتے تو گویا یہ گونگے بہرے اور اندھے ہیں کہ ان آنکھوں کانوں اور زبانوں کا کیا فائدہ ہے۔

(۲)فَمَثَلُهٗ كَمَثَلِ الْكَلْبِ (سورہ اعراف، آیت نمبر ۷۶)

اسکی حالت کتے کی طرح ہے کہ ہر وقت ہانپتا رہتا ہے۔

بلعم بن باعورا اسرائیلی عابد تھا مگر ایک عورت کے چکر میں آکر گمراہ ہو گیا اور حضرت موسی علیہ السلام کے مقابلہ پر اتر آیا تو اسکے بارے میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔"اسکی حالت کتے کی طرح ہے کہ ہر وقت ہانپتا رہتا ہے، کہتے ہیں کہ اسکی زبان بھی کتے کی طرح باہر لٹک گئی تھی۔"

(۳) اِنَّکَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتٰی وَلَا تُسْمِعُ الصُّمَّ الدُّعَاءَ۔(سورہ نمل، آیت نمبر۸۰)

کہ تواُن مردوں اور بہروں کو نہیں سنا سکتا۔

اس آیت کریمہ میں کفار کو مردے کہا حالانکہ وہ توزندہ تھے۔ مگر مطلب یہ ہے کہ جس طرح مردہ سنتا ہے مگر فائدہ کچھ حاصل نہیں کرسکتا اسی طرح ان کا حال ہے۔

(۴) مَثَلُ الَّذِیْنَ حُمِّلُوْا التَّوْرٰۃ ثُمَّ لَمْ یَحْمِلُوْاھَا کَمَثَلِ الْحِمَارِ یَحْمِلُ اَسْفَارًا۔

(سورۃ جمعہ، آیت نمبر۵)

ان بد عمل اور بد کردار یہودی وعیسائی علماء کی مثال ایسی ہے جیسا کہ گدھے کی پیٹھ پر کتابیں لاددی جائیں۔

(۵) کَاَنَّھُمْ حُمُرٌ مُّسْتَنْفِرَۃ۔ (سورہ مدثر، آیت نمبر۵۰)

یہ مشرکین ایسے ہیں جیسے گدھے (جوحق کے شیروں کی آواز سے ڈر کر) دوڑتے ہیں۔

(۶) اور ان سب سے بڑھ کر اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں کفار اور مشرکین کے بارے میں ایک اصولی بات ارشاد فرمادی ہے۔

اُولٰئِکَ کَالْاَنْعَامِ بَلْ ھُمْ اَضَلُّ۔" (سورۃ اعراف، آیت نمبر۱۷۹)

یہ کفار تو جانوروں اور چوپایوں کی طرح ہیں بلکہ ان سے بھی بدتر اور گمراہ ہیں(اور جانوروں میں تو کتا خنزیر اور لومڑ اور گیدڑ سب شامل ہیں)۔

اب غور فرمائیں کہ قرآن کریم نے کفار کے لئے کیسے کیسے القاب اور الفاظ استعمال کئے ہیں۔ لہٰذا کسی کم عقل کافر کو گدھا کہنا، یا چالاک کافر کو لومڑ کہنا یا کمینے صفت کو خنزیر کہنا کون سی کفار کی توہین ہے، انسان کی عظمت تو تب ہے جب انسان انسان رہے، ورنہ تو جانوروں سے بھی بدتر ہے اور انسان انسان بنتا ہے ایمان کی دولت سے، اگر ایمان نہ ہو تو پھر ایسے انسان سے جانور صدہا درجہ بہتر ہیں۔

اس میں مخفی تو نہیں دیکھو جراثیم نفاق　　جس کو کفار کی تضحیک بری لگتی ہے

لفظ اَنعام کا اِنعام دیا رب نے جنہیں　　ان شقیوں کی ادا کیسے بھلا لگتی ہے

جواب نمبر۲:

ملا جیون رحمۃ اللہ علیہ نے تفسیرات احمدیہ فی تفسیر آیت الشرعیہ میں لکھا ہے کہ یہ آیت

(وَلَا تَسُبُّوْاالَّذِیْنَ یَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللہِ فَیَسُبُّوااللہَ عَدْوًابِغَیْرِ عِلْمٍ)ان آیات سے منسوخ ہے۔

آیت "ضَعُفَ الطَّالِبُ وَالْمَطْلُوْبُ" (سورۃ الحج، آیت نمبر ۷۳)

کمزور ہے طلب کرنے والا (مشرک) اور جس (بت) سے طلب کر رہا ہے۔

اور آیت " اِنَّكُمْ وَمَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللهِ حَصَبُ جَهَنَّمَ " (سورہ الانبیاء، آیت نمبر ۹۸)

بے شک تم (مشرکو) اور جن (بتوں) کی تم عبادت کرتے ہو سب جہنم کا ایندھن ہیں۔

جواب نمبر ۳:

اب آیئے کفار کے بارے میں احادیث پر غور کریں کہ حضرت پاک ﷺ کیا ارشاد فرماتے ہیں۔

عَنْ اَنَسٍؓ عَنِ النَّبِیِّ ﷺ جَاهِدُوا الْمُشْرِكِيْنَ بِاَمْوَالِكُمْ وَاَنْفُسِكُمْ وَاَلْسِنَتِكُمْ.

(مشکوۃ کتاب الجهاد)

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں حضرت پاک ﷺ نے فرمایا کہ مشرکین سے جہاد کرو اپنے مالوں کے ساتھ، جانوں کے ساتھ اور اپنی زبانوں کے ساتھ۔

اور جہاد باللّسان کی جو صورتیں صاحبِ لمعات نے بیان فرمائی ہیں، وہ بھی سنیں۔

بِاَنْ تُخَوِّفُوْاهُمْ وَتُوعِدُوْاهُمْ بِالْقَتْلِ وَالْاَخْذِوَالنَّهْبِ وَنَحْوِ ذٰلِكَ

کافروں کو ڈراؤ اور دھمکاؤ کہ تمہیں قتل کر دیں گے، پکڑ لیں گے اور برباد کر دیں گے۔

وَبِاَنْ تَذُمُّوْاهُمْ وَ تَسُبُّوْاهُمْ اِذَا لَمْ يُؤَدِّ ذٰلِكَ اِلٰى سَبِّ اللهِ سُبْحَانَه

اور یہ کہ ان کی مذمت کرو، ان کو گالیاں دو مگر اس قدر کے وہ اللہ تعالیٰ کو گالیاں نہ دینے لگیں۔

وَبِاَنْ تَدْعُوْا عَلَيْهِمْ بِالْخَذَلَانِ وَالْهَزِيْمَةِ وَلِلْمُسْلِمِيْنَ بِالنَّصْرِ وَالْغَنِيْمَةِ

اور یہ کہ ان کے حق میں رسوائی اور شکست کی بد دعا کرو اور مسلمانوں کے حق میں مدد اور غنیمت کی دعا کرو۔

وَبِاَنْ تُحَرِّضُوْا النَّاسَ عَلٰى الْغَزْوِوَنَحْوِذٰلِكَ۔ (لمعات شرح مشکوٰۃ)

اور یہ کہ لوگوں کو جہاد پر برانگیختہ کرو۔

اب بنظرِ انصاف غور فرمائیں کہ حضراتِ محدثین کی وضاحت اور تشریح کے مطابق تو کفار کو کھری کھری سنانے اور ٹکور کرنے کا حکم لسانِ نبوت سے جاری ہوا ہے۔ اور ہمارے نادان دوست خواہ مخواہ فکر مند ہیں کہ مجاہدین کفار کی دماغی ٹکور کیوں کرتے ہیں۔

جواب نمبر۴:

اب آیئے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کا عمل مبارک دیکھئے۔

نمبر(۱) صلح حدیبیہ کے موقع پر جب عروہ بن مسعود ثقفی جو کہ کافروں کی طرف سے بطور نمائندہ بن کر آیا تھا جب اسکے ساتھ گفتگو میں کچھ گرمی سردی ہوئی تو سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اسکو ایک ایسی گالی سنائی کہ عروہ کے چودہ طبق روشن کر دیے۔ فرمایا:

"اُمْصُصْ بَظْرَ اللَّاتِ " (اَلصَّوَاعِقُ الْمُحْرِقَةُ فِیْ الرَّدِّ عَلٰی الْبِدَعِ وَالزَّنْدِقَةِ ۔ابن حجر مکی)

جا دفع ہو اور اپنے معبود، لات کی شرم گاہ کو چاٹ۔

ممکن ہے کہ کوئی بزرگ یہ فرمادیں کہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے گالی نہیں دی تھی بلکہ ذرا سخت الفاظ کہہ دیئے تھے۔ اسکے لئے میں حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ کے الفاظ نقل کرتا ہوں کہ حضرت مولانا کاندھلوی صاحب کیا فرماتے ہیں۔

عروہ نے کہا اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) تم نے سنا بھی ہے کہ کسی قوم نے اپنی قوم کو خود ہلاک اور برباد کیا ہو۔ علاوہ ازیں اگر دوسری صورت پیش آئی (یعنی قریش کو غلبہ ہوا) تو میں دیکھتا ہوں کہ یہ جو مختلف قوموں کے لوگ آپ کے ساتھ ہیں وہ اس وقت آپ کو چھوڑ کر بھاگ جائیں گے۔

ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے بیٹھے ہوئے تھے انہوں نے عروہ کو گالی دے کر فرمایا کیا ہم آپ کو چھوڑ کر بھاگ جائیں گے۔ عروہ نے کہا کہ یہ کون شخص ہے؟ لوگوں نے کہا ابو بکر رضی اللہ عنہ ہیں عروہ نے کہا کہ خدا کی قسم! اگر ان کا مجھ پر احسان نہ ہوتا جسکا اب تک میں بدلہ نہیں دے سکا تو ضرور جواب دیتا۔

محترم قارئین! آپ غور فرمائیں کہ حضرت پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی موجودگی میں حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کا کافروں کو گالی دینا اور حضرت پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا حضرت ابو بکر صدیقؓ کو نہ روکنا کافروں کو گالی دینے کے جائز ہونے کی بہت بڑی دلیل ہے۔

نمبر (۲) رومیوں نے جب دیکھا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے درمیان جنگ گرم ہے تو انہوں نے موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو اپنے ساتھ ملانے کی کوشش کی انکو خط لکھا کہ ہم نے سنا ہے تم حق پر ہو اور اسکے باوجود علی نے تمہیں پریشان کر رکھا ہے اور تمھارے ساتھ زیادتی کر رہا ہے ہم علی کے مقابلہ کے لئے تمہاری مدد کے لئے تیار ہیں۔ تمہارا پیغام ملنے کی دیر ہے ہم اپنا لشکر تمہاری مدد کے لئے

فوراً روانہ کر دیں گے۔

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے رومی بادشاہ کے خط کے جواب میں لکھا،

وَاللهِ لَئِنْ لَّمْ تَنْتَهِ وَتَرْجِعْ اِلٰی بِلَادِكَ يَالَعِيْنُ لَاَصْلُحَنَّ اَنَا وَابْنُ عَمِّیْ عَلَيْكَ وَلَاُخْرِجَنَّكَ مِنْ جَمِيْعِ بِلَادِكَ وَلَاُ ضَيِّقَنَّ عَلَيْكَ الْاَرْضَ بِمَا رَحُبَتْ ۔

خدا کی قسم! اگر تو باز نہ آیا اور واپس اپنے ملکوں کی طرف نہ لوٹا تو اے ملعون! سن، میں اور میرا بھائی علی رضی اللہ عنہ تیرے خلاف صلح کر کے اکٹھے ہو جائیں گے اور تجھے تیرے ملکوں سے نکال دیں گے اور تجھ پر زمین باوجود اس کی وسعتوں کے تنگ کر دیں گے۔

اس عبارت میں خط کشیدہ لفظ یَالَعِیْنُ (اے ملعون) پر غور کریں کہ یہ لفظ کتنا سخت ہے۔ اور دوسری روایت میں الفاظ یوں ہیں۔

او، رومی کتے! ہمارے اختلافات سے دھوکہ نہ کھاؤ اگر تم نے مسلمانوں کی طرف رخ کیا تو علی رضی اللہ عنہ کے لشکر کا پہلا سپاہی جو تمہارے مقابلہ کے لئے نکلے گا وہ معاویہ ہو گا۔

ان الفاظ پر غور کریں گے تو امید ہے کہ بات سمجھ آجائے گی۔ ان شاء اللہ۔

جواب نمبر ۵:

باقی رہیں اس مسئلہ پر قرآن کریم کی دونوں آیات تو ان کے بارے میں ایک بات ذہن نشین فرمالیں۔ قرآن کریم حضرت پاک صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوا اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کی موجودگی میں نازل ہوا اور پھر اس قرآن کریم کو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین نے براہِ راست حضرت پاک صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا اور سیکھا اور سمجھا تو قرآن کریم کی علمی تفسیر اور عملی تصویر تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین ہی ہیں۔ اگرچہ ہم کو قرآن کریم کی آیت سمجھ نہ آئے مگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین چونکہ امت مسلمہ کے فیصلے کے مطابق معیار حق ہیں۔ جس کا معنی یہ ہے کہ ان کا ہر عمل اور قول ہمارے لئے حجت ہے اس لئے اگر ہم قرآن کریم کو ان حضرات کی عملی زندگی اور علمی تفسیر اور تشریح سے سمجھیں گے تو سمجھ آئے گا ورنہ نہیں، تاہم پھر بھی مزید توضیح اور تسلی کے لئے میں ان آیات کا صحیح مطلب بیان کرتا ہوں۔

جواب نمبر ۶:

قرآن کریم کی آیت " فَقُوْلَا لَهٗ قَوْلًا لَّيِّنًا " یعنی فرعون کے ساتھ گفتگو نرمی کے ساتھ کرو۔ یہ بات درست ہے، ہم بھی تسلیم کرتے ہیں۔ مگر اس کا تعلق دعوت و تبلیغ کے ساتھ ہے۔ دیکھئے اس آیت کریمہ کی

تفسیر کرتے ہوئے حضرت شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ تفسیر عثمانی میں لکھتے ہیں:

یعنی دعوت و تبلیغ اور وعظ و نصیحت کے وقت نرم، آسان، رقت انگیز اور بلند بات کہو۔ گو اسکے تمرد اور طغیان کو دیکھتے ہوئے قبول کی امید نہیں۔ تاہم یہ خیال کر کے کہ ممکن ہے کہ وہ کچھ سوچ سمجھ کر نصیحت حاصل کرلے یا، اللہ کے جلال و جبروت کو سن کر ڈر جائے اور فرمانبرداری کی طرف جھک پڑے۔

گفتگو نرمی سے کرو اس سے دُعاۃ اور مبلغین کے لئے بہت بڑا دستور العمل معلوم ہوتا ہے۔

چنانچہ دوسری جگہ صاف ارشاد ہے:

ادْعُ اِلٰى سَبِيْلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَ الْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِى هِىَ اَحْسَنُ (النحل، آیت نمبر ۱۲۵)

تم بلاؤ اپنے رب کی طرف حکمت اور اچھی نصیحت کے ساتھ اور مباحثہ کرو ان کے ساتھ بہتر طریقے سے۔

اس آیت کا تعلق وعظ و نصیحت کے ساتھ ہے اور ہماری گفتگو میدان جنگ کے لحاظ سے ہے۔ اور دونوں کا لہجہ الگ الگ ہوتا ہے۔ وعظ و نصیحت میں تو مخاطب کو یہ باور کرانا ہوتا ہے کہ میں تیرا خیر خواہ ہوں، مجھے تجھ سے محبت ہے۔ اور محبت کا اظہار تو سخت زبان سے نہیں ہوتا۔

یہی وجہ ہے وعظ و نصیحت کا طریقہ ذکر کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔

(سورۃ النحل، آیت نمبر ۱۲۵)

(اُدْعُ اِلٰى سَبِيْلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ)

تم بلاؤ اپنے رب کی طرف حکمت اور اچھی نصیحت کے ساتھ۔

قُلْ هٰذِهٖ سَبِيْلِىْ اَدْعُوْ اِلَى االلهِ عَلٰى بَصِيْرَةٍ (سورۃ یوسف، آیت نمبر ۱۰۸)

آپ کہہ دیجئے یہ میرا راستہ ہے میں بلاتا ہوں اللہ کی طرف بصیرت کے ساتھ۔

اِدْفَعْ بِالَّتِىْ هِىَ اَحْسَنُ (سورۃ حم سجدۃ، آیت نمبر ۳۴)

مگر میدان جنگ میں حکم ہے کہ وَاغْلُظْ عَلَيْهِمْ (سورۃ توبہ، آیت نمبر ۷۳)

ان پر سختی کرو۔

فَاضْرِبُوا فَوْقَ الْاَعْنَاقِ وَاضْرِبُوْا مِنْهُمْ كُلَّ بَنَانٍ (سورۃ الانفال، آیت نمبر ۱۲)

یعنی ان کافروں کی گردنیں کاٹو اور ان کے جوڑ، جوڑ کو توڑ کے رکھ دو۔

فَاِمَّا تَثْقَفَنَّهُمْ فِى الْحَرْبِ فَشَرِّدْ بِهِمِ مَنْ خَلْفَهُمْ لَعَلَّهُمْ يَذَّكَّرُوْنَ (سورۃ توبہ، آیت نمبر ۵۷)

اے محمد ﷺ اگر ان کفار کے ساتھ جنگ میں واسطہ پڑے تو ان کو ایسی مار مارو کہ ان کی آنے والی نسلیں بھی اس سے نصیحت اور عبرت حاصل کریں۔

میں نے بطور نمونہ صرف دو چار آیات نقل کیں ہیں۔ تا کہ بات لمبی نہ ہو۔ ورنہ ایسی بہت سی آیات اور احادیث کا ذخیرہ ہے۔ اس لئے میرے دوستو، بھائیو اور بزرگو! ہر موقع کے مطابق وہاں کی آیات پڑھو اور اس پر عمل کرو تو یہ غلط فہمیاں پیدا نہ ہوں گی۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو سمجھ دیں، آمین۔

جواب نمبر ۷:

اور آیت کریمہ:

وَلَا تَسُبُّوْا الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ فَيَسُبُّوا اللّٰهَ عَدْوًا بِغَيْرِ عِلْمٍ

(کہ تم مشرکین کو گالیاں نہ دو ورنہ وہ اللہ تعالیٰ کو گالیاں دیں گے جہالت کہ وجہ سے)

کے جواب کے بارے میں پہلے تو یہ بات ذہن نشین فرمالیں کہ اس آیت میں مطلقًا مشرکین اور کفار کو تبرا سنانے سے منع نہیں کیا گیا۔ بلکہ اس آیت میں منع کیا گیا ہے کہ ان کفار اور مشرکین کے بتوں کو برا نہ کہو جسکی دلیل یہ ہے کہ اسمیں یہ ذکر کیا گیا ہے کہ وہ تمھارے خدا کو گالی دیں گے۔ اس لئے کہ معبود کا مقابلہ معبود سے کیا گیا۔

اور اگر ایسے ہی کفار کو گالیوں سے روکا جاتا تو یوں ارشاد ہوتا کہ تم کفار اور مشرکین کو گالیاں نہ دو۔ ورنہ وہ تمہیں گالیاں دیں گے۔ جیسا کہ حدیث میں آتا ہے کہ ماں باپ کو گالیاں نہ دیا کرو، تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین نے عرض کیا یا رسول اللہ : کوئی شخص اپنے والدین کو گالی دے سکتا ہے تو حضرت پاک ﷺ نے فرمایا: کہ جب تم کسی کے والدین کو گالیاں دو گے تو وہ تمہارے والدین کو گالیاں دے گا۔ گویا تم نے خود ہی اپنے والدین کو گالیاں دی ہیں۔

آیت کا جواب ۲:

دوسری بات یہ ہے کہ آیتِ کریمہ میں بتوں کو بھی گالیاں نہ دینے کی وجہ یہ بیان کی گئی ہے کہ وہ مشرکین تمہارے خدا برحق کو گالیاں دیں گے۔ مگر آج تو معاملہ بالکل برعکس ہے۔ کہ کفار اور مشرکین تو صرف یہ کہ اللہ تعالیٰ اور حضرات انبیاء علیہم السلام اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کو گالیاں ہی نہیں دے رہے، بلکہ العیاذ باللہ ، اللہ تعالیٰ کا بت سفید ریش انسان کی صورت میں بنا کر اسکو فضاء میں لے جا کر فائر کر کے مسلمانوں کے رب کے

جنازے کو نکالنے کی باتیں کی جاتیں ہیں۔ جیسا کہ کمیونسٹوں نے روس میں کیا اور العیاذ باللہ حضرات انبیاء علیہم السلام اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین خصوصاً حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ، حضرت عمر رضی اللہ عنہ، حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے پتلے بنا کر جلائے جا رہے ہیں۔ حضرت ام المومنین میری امی عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا نام لکھ کر (العیاذ باللہ نقلِ کفر کفر نباشد) کتیا کے گلے میں ڈالا جاتا ہے۔

حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین اور حضرات صحابیات رضی اللہ تعالیٰ عنہن کو اس قدر غلیظ اور گندی گالیاں بکی جا رہی ہیں۔ جو تحریر نہیں کی جاسکتیں۔ کفار اور مشرکین سے جو گالیاں دی جاسکتی ہیں وہ تو آپ کی خاموشی کے باوجود بک رہے ہیں۔ اس لئے اب یہ کہنا کہ ہم کافروں کو برا نہیں کہیں گے ایک مضحکہ خیز بات معلوم ہوتی ہے۔

بلکہ اب تو جو لوگ کفار کو یا ان کے مقتداؤں کو گالیاں دیتے ہیں۔ گویا وہ جہاد باللّسان کرتے ہوئے اپنا مذہبی انتقام لے رہے ہیں۔ اور وہ ان کا حق ہے کیونکہ جب کسی شخص کی ذات کے بارے میں نازیبا الفاظ کے بدلہ میں نازیبا الفاظ نازیبا لہجے میں کہے جاسکتے ہیں تو مذہبی شخصیات پر ہونے والے تبرے کا جواب کیوں کر زبانی لہجہ میں استعمال کی اجازت نہ ہو گی۔ بلکہ حق تو یہ ہے کہ ہم کفار اور مشرکین کی طرف سے ہونے والے سب ستم کا جواب بھی تا حال نہیں دے سکے۔ ہمارے ذمہ یہ قرض ہے اس لئے اس کا ادا کرنا بھی ضروری ہے۔ اللہ ہمیں اپنے جملہ فرائض کو ادا کرنے کی توفیق دے۔ آمین یَارَبَّ الْعٰلَمِیْن۔

☆☆☆

(اعتراض ۳۳)

بعض مدارس عربیہ اور دینی حلقوں اور دین کا درد رکھنے والوں میں ایک بات زوروں پر رہتی ہے کہ، علماء اور دینی مدارس کے ذہین طلبہ کو جہاد میں شریک نہ ہونا چاہئے، کیونکہ اگر علماء اور ذہین طلبہ میدان جہاد میں چلے گئے اور وہاں جا کر شہید ہونا شروع ہو گئے، تو پھر پیچھے دین کا کام کون کرے گا؟ طرح طرح کے فتنے برپا ہیں، جن کا مقابلہ علمی تحقیق کے ساتھ بہت ضروری ہے، اس لئے علماء کو میدان جنگ میں جانے کی بجائے، علمی میدان میں فتنوں کا مقابلہ اور امت کی راہنمائی کرنی چاہئے۔

واقعہ:

خود میرے ساتھ زمانہ طالب علمی میں یہ واقعہ پیش آیا کہ جب میں نے جہاد میں شرکت کے لئے افغانستان جانے کا ارادہ کیا تو پاکستان کی ایک بہت بڑی علمی و روحانی تربیت گاہ میں حاضری دی، مشورہ کے لئے جو جواب مجھے ملا وہ یہ تھا کہ، تیرے لئے جہادِ افغانستان میں شرکت حرام ہے کیونکہ یہاں پر علمی فتنوں کے مقابلہ کے لئے علمی اشخاص کی ضرورت ہے اور (بقول حضرت دامت برکاتہم کے) تمہیں اللہ تعالیٰ نے علمی صلاحیت عطا فرمائی ہے۔

میں نے عرض کیا کہ کیا میدانِ جہاد میں علمی اشخاص کی ضرورت نہیں؟ کیا وہ اہم فریضہ اور حکمِ شرعی نہیں؟ وہاں پر بھی پل پل اور قدم قدم پر بھی علماء کی ضرورت پڑتی ہے، اگر میدان جہاد میں علماء نہیں ہوں گے، تو یہ جہاد تو فساد بن جائے گا، اور شریعت کا اہم ترین فریضہ غلط رخ اختیار کر جائے گا، جسکا نقصان ناقابلِ تلافی ہو گا۔

تو مجھے جواب ملا کہ حدیث شریف میں آتا ہے "اَلْمُسْتَشَارُ مُؤْتَمَنٌ"

کہ جس سے مشورہ لیا جائے، وہ امین ہوتا ہے تو ہم نے جو مناسب سمجھا وہ مشورہ تمہیں دے دیا ہے۔

مگر بعد میں جب وہی علمی اور روحانی مرکز اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے جہاد سے منسلک ہوا، تو پھر ان کے ذہن میں کیسے تبدیلی آئی۔ اس بات کا اس سے اندازہ کریں کہ جب میں جامعہ علوم شرعیہ ساہیوال میں حدیث شریف کی کتاب مشکوۃ شریف پڑھ رہا تھا تو، انہوں نے کراچی سے بذریعہ ٹیلیفون مجھ سے رابطہ فرمایا اور حکم دیا کہ تم جنداللہ (کمانڈو ٹریننگ) کرنے کے لئے افغانستان چلے جاؤ۔ اب میں نے عرض کیا کہ میں تو حدیث شریف پڑھ رہا ہوں، تو فرمانے لگے کہ تعلیم بعد میں مکمل ہو جائے گی۔

جواب:

دین کی بنیاد نبی اور نبوت، رسول اور رسالت ہے، مگر اس بارے میں سب سے پہلے تو انبیاء علیہم السلام کا عمل مبارک دیکھیں کیونکہ قرآن کریم کا رشاد ہے۔

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْهِمْ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَنْ كَانَ يَرْجُوااللّٰهَ وَالْيَوْمَ الْاٰخِرَ (سورۃ ممتحنہ۔٦)

کہ اہل ایمان کے لئے، جو اللہ تعالیٰ کی ذات اور قیامت کے دن پر ایمان لائے انہیں انبیاءعلیہ السلام کے طریقہ کے اندر ہی اسوہ حسنہ ہے۔

انبیاء علیہم السلام کی سیرت:

حضرات انبیاء علیہم السلام کا عمل تو یہ ہے کہ وہ خود میدان جنگ میں نظر آتے ہیں دیکھئے حضرت حزقیل علیہ السلام، حضرت شموئیل علیہ السلام، حضرت داؤد علیہ السلام، حضرت سلیمان علیہ السلام، حضرت موسیٰ علیہ السلام، حضرت ہارون علیہ السلام، اور خاتم الانبیاء حضرت پاک ﷺ کی سنت تو میدان جنگ میں شریک ہو کر جہاد کرنے کی ہے۔

کسی نبی کے ذہن میں تو یہ بات نہیں آئی کہ، اگر ہم ہی شہید ہو گئے، تو دین کا کیا بنے گا، اور دین کا کام کون کرے گا۔ بلکہ حضرت پاک ﷺ تو ہر خطرے کے وقت صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کے آگے ہوتے تھے، حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب گھمسان کی جنگ ہوتی، تو ہم حضرت پاک ﷺ کی آڑ میں پناہ لیتے تھے۔ (اللہ اکبر)۔ یہ انبیاء علیہم السلام کا طریقہ ہے۔ تو آپ خود غور فرمائیں کے ان کے ورثاء کا کیا طریقہ ہونا چاہیے؟

صحابہ رضی اللہ عنہم کا عمل

اس کے بعد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کا مبارک عمل دیکھیں، تو کوئی ادنیٰ سے ادنیٰ صحابی رضی اللہ عنہ (ادنی اور اعلی وہ آپس میں ایک دوسرے کے اعتبار سے تھے، ورنہ ہمارے لئے تو سارے ہی اعلی ہیں) بھی کسی معرکہ میں پیچھے نہ رہتے تھ،ے بلکہ ان کے ہاں تو جہاد سے پیچھے رہنا منافقین کا کام تھا۔ اور بڑے بڑے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین جن کی حیثیت دینِ اسلام میں اساس اور بنیاد کی ہے ان کو دیکھئے تو ہمیں نظر آتا ہے۔

حضرت پاک ﷺ کے سسر خلیفہ اول بلا فصل حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ

حضرت پاک ﷺ کے سسر خلیفہ ثانی امیر المومنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ

حضرت پاک ﷺ کے داماد خلیفہ ثالث امیر المومنین حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ

حضرت پاک ﷺ کے داماد خلیفہ رابع امیر المومنین حضرت علی المرتضی رضی اللہ عنہ

حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ جیسے امین الامۃ

حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ جیسے مفسر

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ جیسے محدث

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ جیسے مجتہد

حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ جیسے فقیہ

حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے قاریِ قرآن

حضرت زید بن حارث رضی اللہ عنہ جیسے کاتبِ وحی

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ جیسے ہادی و مہدی، کاتب وحی

حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ جیسے حضرت پاک ﷺ کے رازدان اور دوسرے اکابر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین تو میدانِ جہاد میں تلوار لہراتے، تلوار چلاتے اور اپنی جان اور اس بات کی پرواہ کئے بغیر کہ اگر ہم مٹ گئے، تو دین کا کیا بنے گا کفار کی کھوپڑیاں اڑاتے نظر آتے ہیں۔

تابعین کا عمل

حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کے بعد تابعین سے حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ جو مفسر ہیں اور محدث بھی، فقیہ بھی ہیں اور صوفی بھی، مگر کابل کی فتوحات میں شریک ہونے سے حکیم اور طبیب روک رہے ہیں، کہ صحت کے لئے مضر اور نقصان دہ ہے، مگر جہاد کا نشہ تھا کہ حضرت کو میدان جہاد کے بغیر سکون نہیں آیا۔

تبع تابعین کا عمل

تبع تابعین میں حضرت عبد اللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ جیسے محدث کو دیکھئے، کہ جن کے شاگردوں کی تعداد ہزاروں سے متجاوز ہے، مگر وہ ایک سال تدریس میں اور ایک سال جہاد میں رہتے ہیں۔ اور خطِ اول اور دشمن کے دوبدو کی جنگ لڑنے میں کیسی لذت محسوس فرماتے ہیں۔ اس کا اندازہ آپ ایک واقعہ سے کریں۔

جب حضرت فضیل بن عیاض رحمۃ اللہ علیہ نے حرمِ کعبہ سے ایک شخص کے ہاتھ حضرت عبد اللہ بن مبارک کو (جو کہ اس وقت میدانِ جنگ میں لڑ رہے تھے) ایک خط لکھا جس کا مفہوم کچھ اس طرح ہے کہ، آپ جیسے عالم اور محدث کے منصب کا تقاضا یہ تھا کہ آپ مسند درس کو سجا کر طالبانِ علوم نبوت کی پیاس کو بجھاتے۔ اور

علوم نبوت کی خدمت کر کے حق تعالیٰ کی عبادت کا حق ادا کرتے۔ تو ان کے جواب میں حضرت عبد اللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا:

يَا عَابِدَ الْحَرَمَيْنِ لَوْ اَبْصَرْتَنَا
لَعَلِمْتَ اَنَّكَ فِي الْعِبَادَةِ تَلْعَبُ
مَنْ كَانَ يَخْضِبُ خَدَّهُ بِدُمُوْعِهِ
فَنُحُوْرُنَا بِدِمَائِنَا تَتَخَضَّبُ
اَوْ كَانَ يُتْعِبُ خَيْلَهُ فِيْ بَاطِلٍ
فَخُيُوْلُنَا يَوْمَ الصَّبِيْحَةِ تَتْعَبُ
رِيْحُ الْعَبِيْرِ لَكُمْ وَنَحْنُ عَبِيْرُنَا
وَهْجُ السَّنَابِكِ وَالْغُبَارُ الْاَطْيَبُ
لَا يَسْتَوِيْ غُبَارُ خَيْلِ اللهِ فِيْ
اَنْفِ امْرِءٍ وَدُخَانُ نَارٍ تَلْهَبُ
هٰذَا كِتَابُ اللهِ يَنْطِقُ بَيْنَنَا
لَيْسَ الشَّهِيْدُ بِمَيِّتٍ لَا يَكْذِبُ۔

حضرت امام اوزاعی رحمۃ اللہ علیہ جیسے محدث اور مجتہد کو دیکھئے، کہ وہ علمی میدان کو سنبھالتے ہیں اور عسکری میدان میں بھی پیچھے نہیں رہتے۔

اکابر دیوبند کا عمل

لمبی اور دور کی بات چھوڑیئے، آئیں ماضی قریب میں اپنے اکابرین دیوبند کو دیکھیں، جنکی نسبت ہی آج حق کی پہچان ہے، اور اس دور میں دین کو تحفظ ملا ہے، تو انکی ذات سے، مسلمانوں کو علم ملا ہے، تو ان سے اور کفر کے دانت بھی کھٹے کئے ہیں، تو انہوں نے۔ ان حضرات نے بر صغیر میں تصوف کے امام سید الطائفہ حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی ہوں یا فقیہ النفس ثانی امام اعظم ابو حنیفہ حضرت مولانا رشید احمد گنگوھی، حضرت حجۃ الاسلام قاسم العلوم و الخیرات مولانا محمد قاسم نانوتوی ہوں یا برکت العصر حضرت حافظ ضامن شہید سب کے سب میدانِ جہاد میں نظر آتے ہیں۔

انکے ذہن میں تو کبھی یہ وسوسہ تک بھی نہیں آیا کہ خدا نخواستہ ہمارے مر جانے سے دین کو نقصان ہو گا، بلکہ حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کو جب ایک بار عرض کیا گیا کہ حضرت اگر اس طرح ہم انگریز کے خلاف تحریک میں لگے رہے، تو دار لعلوم دیوبند تو ختم ہو جائے گا، تو حضرت نے فرمایا کہ "دار لعلوم دیوبند کی اینٹ سے اینٹ بج جائے، میں برداشت کر لوں گا مگر انگریز کے خلاف جہاد نہیں چھوڑوں گا۔"

دیوبندیت کی روح اور بنیاد اسیر مالٹا شیخ الہند حضرت مولانا محمود الحسن عثمانی دیوبندی رحمۃ اللہ علیہ کو کسی نے کہا

کہ " آپ اپنی قبر کی جگہ اپنے اساتذہ اور اکابر کی قبروں کے پاس متعین فرمادیں"۔ آپ نے فرمایا" کیا کہہ رہے ہو میں تو چاہتا ہوں کہ اللہ کی راہ میں میرے جسم کے اتنے ٹکڑے ہو جائیں کہ ان کو جمع نہ کیا جاسکے اور دفن کی ضرورت نہ رہے۔(محبت الہیہ، ص ۳۵۰، از مفتی رشید احمد صاحب لدھیانوی رحمۃ اللہ علیہ)

کیونکہ وہاں تو مدارس کی بنیاد ہی جہاد تھی، مدارس تو جہاد اور مجاہدین کی چھاونیاں ہیں، اگر چھاونیوں میں موجود فوجی اور کمانڈر ہی جنگ چھوڑ دیں، تو کیا جنگیں لڑی جاسکتی ہیں، نہیں نہیں ہر گز نہیں۔

اس لئے گزارش ہے کہ میدان جہاد میں شریک ہو کر علماء کے جہاد کرنے، زخمی ہونے اور شہید ہونے سے دین مٹاہے، ناہی مٹے گا اور علم کم ہوا ہے، نہ ہو گا انشاء اللہ بلکہ علم بھی بڑھے گا، مدارس بھی ترقی کریں گے اور دین بھی خوب پھیلے گا، کیونکہ جتنا قیمتی خون گرتا ہے اتنا ہی اچھا نتیجہ بھی نکلتا ہے۔

بہت سے لعل گرچہ مر مٹیں گے   خدا کا دین چمکتا ہی رہے گا
نہیں محتاج ہے خود اپنے گُل کا   سویہ گلشن مہکتا ہی رہے گا

ہمارے سامنے مثال ہے کہ جب تاشقند، ثمر قند، ترمذ، اور بخارا کے علماء میدان میں نہیں نکلے تو مدارس اصطبلوں میں تبدیل ہو گئے، مساجد کو شراب خانوں سے بدل دیا گیا بلکہ مساجد تو زنا کے اڈے بنادیئے گئے اور علماء ایک ایک دن میں کئی ہزار کی تعداد میں شہید کر دیئے گئے، مگر یہ چونکہ جہاد کے بغیر تھا اس لئے قربانیاں بہت لگیں مگر نتیجہ بر آمد نہ ہوا۔

علماء افغان:

افغانستان میں جب علماء میدان میں نکلے اور جہاد کیا اپنے جسموں پر زخم کھائے اور میدان جنگ میں لڑتے ہوئے جام شہادت نوش فرماتے رہے، تو اس کا سبحان اللہ کیا ہی اچھا نتیجہ نکلا کہ، روس کی سپر طاقت کو مٹی چاٹنے پر مجبور کر دیا گیا، جو دنیا پہ غلبہ اور حکومت کے خواب دیکھ رہے تھے، انکے لئے اپنی حکومت بچانا مشکل ہو گیا اور کئی سو سال بعد خلافت کو زندہ کر دیا گیا۔ مدارس کی تعداد میں کئی سو فیصد اضافہ ہوا، علماء کی حکومت قائم ہو گئی اور دینی مدارس کے طلبہ کو وقار مل گیا، اور قرآن وسنت کا نظام قائم ہو گیا۔

اس لئے اس وسوسہ کو دل سے جھٹک دیجئے اور بزدلی سے پناہ مانگئے جو کہ اس وسوسے کا اصل سبب ہے اور اللہ کا نام لے کر میدان جہاد میں کو د پڑیں اور لیلی شہادت کو سینے سے لگائیں، اللہ تعالیٰ ہم سب کو یہ نعمتِ عظمیٰ عطا فرمائے۔ آمین یَارَبَّ العٰلَمِیْن۔

اعتراض(۳۴)

آج بڑے زور و شور، شدّومد اور بڑی ڈھٹائی کے ساتھ کہا جارہا ہے کہ اسلام اخلاق سے پھیلا ہے نہ کہ تلوار سے اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین نے کبھی بھی کفار سے لڑنے کے لئے تلوار نہیں اٹھائی بلکہ وہ تو ڈاکوؤں سے حفاظت کے لئے تلواریں اٹھایا کرتے تھے اگر ہماری دعوت صحیح نہج پر چل پڑے تو کفار خود بخود مسلمان ہو جائیں گے ہمیں کسی کو قتل کرنے اور قتل ہونے کی ضرورت ہی نہ پڑے گی آج کفار اس وجہ سے مسلمان نہیں ہوئے کہ ہمارے اعمال ٹھیک نہیں ہیں اگر ہمارے اعمال ٹھیک ہو جائیں اور اخلاق درست ہو جائیں تو کفار خود بخود مسلمان ہو جائیں گے۔

جواب نمبر ۱:

آیئے ہم سب سے پہلے تو یہ دیکھیں کہ اخلاق کسے کہتے ہیں

(۱) قرآن کریم نے حضرت پاک ﷺ کی تعریف اور شان بیان کرتے ہوئے فرمایا

اِنَّکَ لَعَلٰی خُلُقٍ عَظِیْمٍ کہ آپ اعلیٰ اخلاق کے نمونہ پر فائز ہیں۔(سورۃ نون)

(۲) حضرت ام المومنین میری امی عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے کسی شخص نے سوال کیا کہ حضرت پاک ﷺ کے اخلاق کیا تھے؟ تو حضرت اُم المومنین میری امی عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا:

کَانَ خُلُقُہٗ الْقُرْاٰنَ کہ حضرت پاک ﷺ کا اخلاق تو پورا قرآن ہے جو پڑھو گے وہی حضرت پاک ﷺ کے اخلاق ہیں۔

تو غور فرمائیں کہ قرآن کریم میں سینکڑوں آیات کریمہ جہاد کے بارے میں ہیں تو وہ بھی اس روایت کے مطابق حضرت پاک ﷺ کے اخلاق کا حصہ بنیں یا کہ نہیں۔

لہٰذا تلوار کو اخلاق سے الگ کرنا یا اخلاق اور تلوار کو آپس میں ضد قرار دینا کیا یہ قرآن کریم سے دوری نہیں ہے۔

(۳) حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حضرت پاک ﷺ سے پوچھا کہ یارسول اللہ ﷺ آپ کا طریقہ کیا ہے؟ تو حضرت پاک ﷺ نے جواب میں سترہ چیزیں ذکر فرمائیں:

اَلْمَعْرِفَۃُ رَاْسُ مَالِیْ — میرا سرمایہ اصل معرفت ہے۔

وَالْعَقْلُ اَصْلُ دِیْنِیْ	میرے دین کی جڑ عقل ہے۔
وَالْحُب اَسَاسِیْ	میری بنیاد محبت ہے۔
والشوق مرکبی	میری سواری میرا شوق ہے
وَذِکْرُاللهِ اَنِیْسِی	میرا انیس اللہ کا ذکر ہے
والثقۃ کنزی	میرا خزانہ اللہ تعالی پر اعتماد ہے۔
وَالْحُزْنُ رَفِیْقِی	میرا ساتھی میرا غم ہے۔
وَالْعِلْمُ سَلَاحِیْ	میرا ہتھیار میرا علم ہے
والصبر ردائی	میرا لباس صبر ہے
وَالرَّضَاءُ غَنِیْمَتِی	میرا مالِ غنیمت اللہ تعالی کی رضا ہے۔
وَالْعِجْزُ فَخْرِیْ	میرا فخر میری عاجزی ہے۔
وَالزُّھْدُ حِرْفَتِیْ	میرا پیشہ میرا زھد ہے۔
وَالْیَقِیْنُ قُوْتِی	میری خوراک میرا یقین ہے۔
وَالصِّدْقُ شَفِیْعِیْ	میرا سفارشی میری صداقت ہے۔
وَالطَّاعَۃُ حُبِّی	میری محبت اللہ تعالی کی اطاعت ہے۔
وَالْجِہَادُ خُلُقِی	میرے اخلاق میرا جہاد ہے۔
وَقُرَّۃُ عَیْنِیْ فِیْ الصَّلٰوۃِ	میری آنکھوں کی ٹھنڈک نماز میں ہے۔

یہ پوری روایت تو برکت کے لئے نقل کی گئی ہے اصل استدلال کے لئے حدیث مبارک کا وہ جز ہے جس میں حضرت پاک ﷺ نے اپنے اخلاق کی تشریح فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ میرے اخلاق تو میرا جہاد ہے۔

جواب نمبر ۲:

حضرت پاک ﷺ کے اسماء مبارکہ پر غور کریں تو اسمیں جہاں پر:

نَبِیُّ الرَّحْمَۃِ (رحمت والے نبی)،

نَبِیُّ التَّوْبَۃِ(توبہ والے نبی)

جیسے نام ہیں وہیں واضح طور پر

نَبِیُّ الْمَلَاحِمِ (جنگوں والا نبی)

اورصَاحِبُ السَّیْفِ(یعنی تلوار والا نبی)

بھی ہیں۔تو کیا العیاذ باللہ حضرت پاک ﷺ کے مبارک نام ایسے ہوسکتے ہیں جن میں بد اخلاقی کا شبہ بھی ہو۔

جواب نمبر۳:

جب تک تلوار چلتی ہے تو کفار کو تلوار کے زور پر غلام بنایا جاتا ہے، جس سے کفار کو مسلمانوں کو قریب سے دیکھنے کا موقع ملتا ہے اور پھر وہ مسلمانوں کے اخلاق دیکھ کر اسلام قبول کر لیتے ہیں۔یا دوسرے الفاظ میں یوں کہہ لیں کہ جب کفار کے شہسوار اور جرنیل جن کو اپنی طاقت پر ناز ہوتا ہے اور اپنی قوت پر گھمنڈ ہوتا ہے تلوار ان کے غرور اور طاقت کو توڑ کر انکے غرور کو خاک میں ملا دیتی ہے اور انکو اپنی اوقات دیکھنے کا موقع ملتا ہے اور سارے وسائل کے ہوتے ہوئے کمزور مسلمانوں کے سامنے ذلت اٹھانے کے بعد اللہ تعالیٰ کی توحید کا اعتراف کئے بغیر کوئی چارہ نہیں ہوتا تو وہ اللہ تعالیٰ کی وحدانیت اور حضرت پاک ﷺ کی رسالت پر ایمان لانے میں ہی عافیت جانتے ہیں، جیسا کہ ایک حدیث پاک میں آتا ہے کہ بعض لوگ جنت میں نہیں جانا چاہتے، مگر انکو زنجیر میں جکڑ کر جنت میں لے جایا جائے گا۔

جواب نمبر۴:

حضرت پاک ﷺ کا ارشاد گرامی ہے کہ:"مَنْ سَلَ سَیْفَہٗ فَقَدْ بَایَعَ اللہ"جس نے تلوار سونت لی گویا کہ اس نے اللہ تعالیٰ سے بیعت کر لی۔

دنیا کے پیر تو بیعت کرتے ہیں اعلیٰ اخلاق کی تربیت کے لئے اور العیاذ باللہ کیا اللہ تعالیٰ بد اخلاقی پر بیعت لے رہے ہیں۔

جواب نمبر۵:

مسواک کے ساتھ نماز پڑھنے پر ستر نمازوں کا اجر اور عمامہ باندھ کر پڑھنے پر ستر نمازوں کا اجر(ابن اسحاق دیلمی)

تو یہ اخلاق ہیں اور قابل اتباع سنت ہیں تو پھر اسلحہ لگا کر نماز پڑھنے پر بھی ستر نمازوں کے اجر وثواب کا وعدہ ہے (مشارع الاشواق)، تو کیا یہ اخلاق اور قابل اتباع نہ ہو گا؟

جب یہ تینوں حضرت پاک ﷺ کے ارشادات ہیں تو پھر ان میں سے دو اخلاق اور ایک اخلاق سے خارج ۔ قادیانی اور دجال ہی کی پالیسی ہو سکتی ہے مسلمانوں کی نہیں، اللہ تعالیٰ ہی سمجھ عطا فرمائیں۔

جواب نمبر۶:

حضرت پاک ﷺ کی بعثت کا مقصد عام طور پر تو اس طرح بیان کیا جاتا ہے: "اِنَّمَابُعِثْتُ لِاُ تَمِّمَ مَکَارِمَ الْاَخْلَاقِ" کہ مجھے حق تعالی نے بھیجا ہے تا کہ میں انسانیت کے اخلاق کی اصلاح کروں۔

یا پھر اس طرح بیان کیا جاتا ہے: اِنَّمَا بُعِثْتُ مُعَلِّمَاً "کہ مجھے انسانیت کا معلم بنا کر بھیجا گیا ہے۔

مگر ایک اور حدیث شریف بھی ہے، نامعلوم اس کو بیان کرنے سے کیوں ڈر لگتا ہے۔ حضرت پاک ﷺ نے ارشاد فرمایا: "بُعِثْتُ بَیْنَ یَدَیِ السَّاعَۃِ بِالسَّیْفِ"

کہ مجھے اللہ تعالیٰ نے قیامت تک کے لئے تلوار دے کر مبعوث فرمایا ہے۔ (صحیح بخاری مسند احمد)

حضرت پاک ﷺ کی تعلیم بھی اخلاق، اصلاحِ احوال بھی اخلاق، تو پھر تلوار بھی اخلاق ہے، کیونکہ یہ بھی حضرت پاک ﷺ کو دی گئی ہے اور جو چیز حضرت پاک ﷺ کو عطا ہوئی وہ اخلاق ہی اخلاق ہے۔

لہذا حضرت پاک ﷺ کے ۲۷ غزوات اور گیارہ تلواریں، سات زرہیں، چھ کمانیں، دو ترکش، چار ڈھالیں، دو خود یعنی جنگی ٹوپیاں اور منجنیق کا استعمال کرنا اور حضرت ابو بکر صدیقؓ کو مسلمان کرنا اور اپنے ہاتھ سے ابی بن خلف کو قتل کر کے جہنم رسید کرنا، سب اخلاق ہی اخلاق اور رحمت ہی رحمت ہیں۔ کیونکہ حضرت پاک ﷺ کے بارے میں اعلان ہے۔ "اِنَّکَ لَعَلٰی خُلُقٍ عَظِیْمٍ " ۔(سورۃ القلم)

کے آپ اخلاق کے اعلیٰ مرتبہ پر ہیں۔

وَمَا اَرْسَلْنٰکَ اِلَّا رَحْمَۃً لِّلْعَالَمِیْنَ۔

اور ہم نے آپ کو تمام جہانوں کے لئے رحمت بنا کر بھیجا۔(سورۃ الانبیاء)

اور ہمیں بھی حکم ہے۔

وَمَاۤ اٰتَاکُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْہُ وَمَا نَھَاکُمْ عَنْہُ فَانْتَھُوْا" (سورہ الحشر)

کہ حضرت پاک ﷺ نے تم کو جو دیا اسکو پکڑو اور جس سے منع فرمایا اس سے باز آجاؤ۔

اور لَقَدْ کَانَ لَکُمْ فِیْ رَسُوْلِ اللّٰہِ اُسْوَۃٌ حَسَنَۃٌ (سورہ احزاب)

کہ تمہارے لئے حضرت پاک ﷺ کا طرز عمل ہی بہترین نمونہ ہے۔
لہذا ہمارا کفار کو دعوت دے کر مسلمان کرنا بھی اخلاق اور کفار کو قتل کرکے معاشرے کو کفر کی غلاظت اور نجاست سے پاک کرنا بھی اخلاق ہے۔

موزیوں کو قتل کرنا چاہیے
جب تقاضا ہے یہی اخلاق کا
کس لئے ہے پھر جہد سے اختلاف
دارِ فانی کے تمام عشاق کا

جواب نمبر ۷:

اگر بچہ کے ختنہ کے لئے جسم کے نازک حصہ کو کاٹنا، انسان کے جسم سے کینسر زدہ حصہ الگ کرنا، چور کا ہاتھ کاٹنا، ڈاکو کے ہاتھ اور پاؤں مخالف سمت سے کاٹنا، شرابی اور کنوارے زانی کو کوڑے مارنا، شادی شدہ زانی کو سنگسار کرنا۔

قاتل عمد کو قصاص میں قتل کرنا اخلاق اور رحمت ہے تو پھر فسادی اور شرارتی کافر کو قتل کرنا کیسے بد اخلاقی ہے؟

جواب نمبر ۸:

قابل غور بات یہ ہے کہ ہم اگر اپنی ماں اور بہن کو گالی برداشت نہیں کرتے، اپنے مال گھر اور جائیداد کی حفاظت کی خاطر ہر اقدام کر گزرتے ہیں عدالت میں مقدمہ بازی کرنا، زبان اور ہاتھ کو استعمال کرنا جو بس میں ہو کر گزرنا مگر جب اللہ کے دین کی باری آئے مساجد کو گرادیا جائے، مدارس کو شہید کیا جائے، مسلمان بچیوں کی عزت کو داغدار کیا جانے لگے، اسلامی شعائر اور احکام کا مذاق اڑایا جاتا ہو، انبیاء علیہم السلام، ازواج مطہرات رضی اللہ تعالیٰ عنہن، اصحاب رسول ﷺ اور قرآن کی توہین کی جاتی ہو، تو ایسے بدبخت کافروں کے خلاف نہ لڑنے کی ہمت اور نہ ہی لڑتے ہوئے مجاہدین کو دیکھنے کی ہمت، تو کیا یہ اخلاق ہیں؟ اور کیا وسعت ظرفی اسی کا نام ہے؟

جواب نمبر ۹:

باقی رہی یہ بات کہ اسلام اخلاق سے پھیلا ہے نہ کہ تلوار سے تو یہ بات بے معنی سی لگتی ہے کیونکہ ہم پہلے

ہی عرض کر چکے ہیں کہ تلوار کوئی اخلاق سے الگ چیز نہیں بلکہ اخلاق ہی کا حصہ ہے تلوار کا کام ہے کہ سرکش اور شرارتی وضدی کافروں کا دماغ ٹھیک کرنا جو راستہ کی رکاوٹ ہو اس کو دور کرنا مگر تلوار کے زور سے کلمہ پڑھانا تو شریعت کا حکم نہیں ہے بلکہ کفار اس بارے میں آزاد ہیں کلمہ پڑھیں یا کفر پر مریں اور جہنم کا ایندھن بنیں۔

اسلام تو یہ چاہتا ہے کہ کفار کا زور ٹوٹ جائے اور شوکت و غلبہ باقی نہ رہے اگر کفار زندہ رہیں تو جزیہ دے کر مسلمانوں سے زندگی کی بھیک مانگ کر ذلت کے ساتھ زندہ رہیں اس لئے یہ بات فضول ہے کہ کفار کو کلمہ پڑھنے پر مجبور کیا جاتا ہے۔

اسکی تفصیل آگے اعتراض...... کے تحت آرہی ہے وہاں ملاحظہ کریں۔

جواب نمبر۱۰:

اور یہ اعتراض کرنا کہ ہمارے اعمال ٹھیک نہیں اس لئے کفار کلمہ پڑھ کر مسلمان نہیں ہوتے تو یہ بات درست ہے، اسکو ہم بھی تسلیم کرتے ہیں مگر اعمال کن چیزوں کا نام ہے کیا صرف نماز، روزہ، حج، زکوۃ کا نام ہی عمل ہے، نہیں نہیں میرے دوستو اور بزرگو یہ بھی اعمال ہیں اور اسلام کے رکن ہیں مگر جن اعمال سے کفر کو اسلام کے قریب کرنا ہے یہ وہ اعمال نہیں ہیں۔

اصل چیز ہے مسلمانوں کا اتحاد واتفاق، عزت، حکومت، شان وشوکت۔ ظاہر ہے کہ جب مسلمانوں کی عزتیں محفوظ نہ ہوں مسلمان غلامی کی زندگی گزار رہے ہوں جان اور مال کفار کے رحم وکرم پر ہوں تو کفار ایسے غلاموں کو دیکھ کر تو کلمہ نہیں پڑھیں گے کیونکہ یہ بات تو مسلم ہے۔

اَلنَّاسُ عَلٰی دِیْنِ مُلُوْکِھِم

کہ لوگ بادشاہوں کے دین پر ہی ہوتے ہیں نہ کہ غلاموں کے دین پر۔

آج تک انفرادی طور پر تو اگرچہ بعض بزرگوں کی دعوت پر کافروں نے کلمہ پڑھ کر اسلام قبول کیا ہو مگر اجتماعی طور پر بحیثیت قوم اسلام اسی وقت ہی قبول کیا گیا جب اسلام کو تسلط اور غلبہ ہوا۔

صرف عہدِ رسالت ہی کو دیکھ لیں، قرآن کہتا ہے،

اِذَاجَآ ءَ نَصْرُ اللہِ وَالْفَتْحُ وَاَرَاَیْتَ النَّاسَ یَدْخُلُوْنَ فِیْ دِیْنِ اللہِ اَفْوَاجًا۔(سورۃالنصر)

کہ جب اللہ تعالیٰ کی مدد آگئی اور مکہ فتح ہو گیا اور اسلام کو غلبہ اور قوت حاصل ہو گئی تو لوگ قبیلہ در قبیلہ اور گروہ در گروہ اسلام میں داخل ہونے لگے، ورنہ تو ایک ایک کر کے ہی کلمہ پڑھا کرتے تھے۔ اس لئے میرے دوستو بزرگو جہاں دوسرے اعمال کی ضرورت ہے وہاں جہاد فی سبیل اللہ اور خلافت کے قیام جیسے اعمال کی بھی

بہت زیادہ ضرورت ہے۔ اور اس پر بطور خاص توجہ دیں تا کہ اسلام پھیل سکے اور اسلام صحیح معنوں میں اصل شکل وصورت کے ساتھ زندہ رہ سکے۔

اے اللہ تعالیٰ تو ہمیں اس کا ذریعہ بنادے۔ آمین یَارَبَّ الْعٰلَمِیْنَ

جواب نمبر ۱۱:

ایک اہم مسئلہ، کہ اسلام کے قبول کرنے اور اسلام کے نافذ ہونے کا فرق ہے جہاں تک اسلام قبول کرنے کا مسئلہ ہے تو اس پر اہل اسلام کا اجماع ہے کہ کسی سے بھی جبر واکراہ کا معاملہ نہیں کیا جائے گا۔ یعنی کسی کے گلے پر تلوار کی نوک رکھ کر کلمہ پڑھنے کی تلقین نہیں کی جائے گی اور یہی مفہوم ہے قرآن مجید کی آیت

لَا اِکْرَاهَ فِیْ الدِیْنِ (سورۃ بقرۃ)

ترجمہ: دین میں کوئی جبر نہیں۔

مگر جہاں تک اسلام کے نافذ کرنے اور اس کی ترویج واشاعت کا مسئلہ ہے تو اس سلسلے میں جو بھی رکاوٹ ڈالے گا تو سختی کے ساتھ اس رکاوٹ کو دور کیا جائے گا۔

سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے صرف زکوۃ دینے سے انکار کرنے والوں کے ساتھ قتال فرما کر اس مسئلے کو قیامت تک کے لئے واضح فرمادیا کہ نظام اسلام میں کسی قسم کی رخنہ اندازی اور کتر وبیونت کو ہر گز برداشت نہیں کیا جائے گا اس لئے ان دونوں مسئلوں کو خلط ملط کرنے کی بجائے مکمل تفصیل کے ساتھ سمجھنا چاہیے۔ کیونکہ اسلام کے مزاج میں کسی تبدیلی کی گنجائش نہیں ہے۔ اگر ہم اس کے پھیلنے میں تلوار کو نظر انداز کر دیں، تو نعوذ باللہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کی قربانیاں فضول قرار دی جائیں گی، کہ اسلام کی ترویج واشاعت میں تو تلوار کی اجازت نہیں تھی۔ جبکہ ان حضرات نے تلوار کو استعال کیا اور اکثر علاقے تلوار کی نوک پر فتح کئے اور تلوار ہی کے ذریعے سے گندے مواد کو صاف فرمایا۔ جب مطلع صاف ہو جاتا اور مسلمان ایک باعزت حیثیت کے ساتھ کسی ملک میں داخل ہوتے تو اب لوگوں کو ان کے اخلاق دیکھنے کا موقع ملتا اور وہ گروہ در گروہ دین میں داخل ہوتے۔ اور حالات نے واضح کر دیا ہے کہ وہ داعی زیادہ کامیاب رہے جن کی دعوت کے پیچھے تلوار رہوا کرتی تھی خود حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے تفسیر معارف القرآن میں مندرجہ ذیل آیت کریمہ کی تفسیر میں لکھا ہے کہ: "کُنْتُمْ خَیْرَ اُمَۃٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّا سِ تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْکِرِ"۔ (آل عمران، آیت نمبر ۱۰)

تم بہترین امت ہو جسے لوگوں کے لئے نکالا گیا تم نیکیوں کا حکم کرتے ہو اور برائیوں سے روکتے ہو۔
(امت محمدیہ علی صاحبھا الصلوۃ والسلام کے خیرِ امت ہونے کی وجہ یہ ہے کہ ان کی دعوت کو کوئی ٹھکرا نہیں سکتا۔ کیونکہ ان کی دعوت کے پیچھے جہاد کا عمل موجود ہے۔ جو ان کی دعوت کو نہیں مانے گا جہاد کے ذریعے اس کا خاتمہ کیا جائے گا۔ جبکہ پہلی امتوں میں دعوت کا عمل تو موجود تھا مگر ان کی دعوت کے پیچھے جہاد کی پاور نہیں تھی۔) یہ، خلاصہ ہے اس تقریر کا جو حضرت صاحب نے آیت کریمہ کے ذیل میں فرمائی ہے۔

عقل والے اس حقیقت سے تو واقف ہیں جناب　　تابع کرگس کبھی شاہین ہو سکتا نہیں
لازمی قوت و طاقت کا استعمال بھی　　زہد و تقویٰ سے نفاذ دین ہو سکتا نہیں

آخری گزارش

بہت ساری احادیث کریمہ میں اسلحے کی مختلف فضیلتیں آئی ہیں۔ مثلاً ایک حدیث شریف میں ہے کہ رسول نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ للہ رب العزت تلوار اٹھانے والے پر اپنے ملائکہ کے سامنے فخر فرماتے ہیں۔ ایک حدیث شریف میں فرمایا تلوار اٹھا کر نماز پڑھنے والے کی نماز دوسرے لوگوں کی نماز سے ستر گناہ زیادہ افضل ہے۔

بعض احادیث میں دشمن کو تیر مارنے کی فضیلت آئی ہے۔ بہر حال اس قسم کی احادیث بہت زیادہ ہیں تو اخلاق کے وہ شارحین جو اخلاق کو تلوار کی ضد بتاتے ہیں ان کی احادیث کریمہ کے متعلق کیا کہیں گے؟ کیا خدانخواستہ یہ بد اخلاقی کی دعوت ہے؟ ہر گز نہیں، ہر گز نہیں۔ ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم خود "نبی السیف" (تلوار والے نبی) تھے آپ صلی اللہ علیہ وسلم "نبی الملاحم" (جنگوں والے نبی) تھے اور آپ ﷺ مجسمِ اخلاق تھے۔

اللہ رب العزت امت محمدیہ ﷺ کو جناب نبی کریم ﷺ کے اخلاق عالیہ کی اتباع کی توفیق، عطا فرمائے۔ آمین۔

آخر ش یہ بھی تو شفقت کا تقاضا ہے جناب　　کی حدیں جاری نبی ﷺ نے شفقتوں کے باوجود
اور پھر میدان میں تلوار کے جوہر دکھائے　　زرہ باندھی خود پہنی ڈھال اور تلوار لی۔
رحمت اللعالمین ﷺ نے رحمتوں کے باوجود　　حلم اور عفو و کرم کی خصلتوں کے باوجود۔

☆☆☆

اعتراض(۳۵)

عام طور پر بہت سے لوگ اور وہ بھی اپنے آپ کو دین کے ٹھیکیدار کہلانے والے کہتے ہیں کہ جو علاقے اخلاق اور دعوت کے ساتھ فتح ہوئے ان میں آج تک اسلام قائم ہے مگر جن علاقوں کو تلوار اور جہاد کے زور پر فتح کیا گیا وہ بعد میں پھر کفر کی طرف لوٹ گئے جیسے ایران، ثمر قند، بخارا وغیرہ۔

جواب نمبر ا:

دراصل اس اعتراض کے پیچھے بھی وہ گندی ذہنیت کار فرما ہے جسمیں تلوار کو اخلاق کی ضد اور اخلاق کے خلاف سمجھا گیا ہے حالانکہ یہ کھلی ہوئی جہالت کی بات ہے دین سے دوری کی علامت اور سیرت سے ناواقفیت ہے۔

جواب نمبر ۲:

یہ بات بھی سراسر غلط ہے کہ جو علاقے جہاد اور تلوار کے زور پر فتح ہوئے وہاں بعد میں کفر پھیل گیا۔چند ایک ملکوں میں ایسا ہونا الگ بات ہے مگر اس کو کلی اور اصول کے طور پر پیش کرنا قطعاً غلط ہے۔دیکھئے مدینہ منورہ کے اطراف میں بنو قریظہ اور بنو نضیر کے علاقے اور خیبر بلکہ خود مکہ مکرمہ بھی تو جہاد اور تلوار کی طاقت سے فتح ہوا تھا دس ہزار صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کا ٹھاٹھیں مارتا ہوا لشکر جو مسلح ہو کر گیا تھا، وہ کیا(العیاذ باللہ) جی جی کر کے کفر کے قدموں کو پکڑ کر اللہ کی توحید کی طرف بلا رہا تھا یا تکبیر اور جہاد کے نعروں کو بلند کرتا ہوا مکہ میں فاتحانہ شان سے داخل ہوا تھا۔

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کی قیادت میں ایک لشکر فارس اور حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ کی کمان پر ایک لشکر ملک شام اور حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کی امارت میں ایک لشکر مصر کی طرف روانہ فرمایا اور ان بہادروں اور اسلام کے شہسواروں نے کفار کی کھوپڑیوں سے کھیلتے ہوئے حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے دور میں ان ممالک کو فتح کیا اور خزانوں کی کنجیاں حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے قدموں میں لا کر ڈال دیں۔اور ابھی تک الحمد للہ مکہ، خیبر، حنین، شام اور مصر وغیرہ تمام علاقے اسلام پر ہی قائم ہیں۔

جواب نمبر ۳:

اگر اس بات سے یہ ثابت کرنا مقصود ہے کہ جہاد کے ساتھ جو علاقے فتح ہوئے العیاذ باللہ یہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کی غلطی تھی تو میں یہ سمجھتا ہوں کہ یہ جملہ تو کفر اور ارتداد کی نئی راہیں کھول رہا ہے

، کیونکہ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین نے حضرت پاک ﷺ کے حکم کی تعمیل فرمائی۔ حضرت پاک ﷺ نے ملک شام سے جہاد کرنے کی غرض سے حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ کو لشکر کا امیر بنا کر زندگی کے آخری دنوں میں روانہ فرمایا تھا مگر حضرت پاک ﷺ دنیا سے رخصت ہو گئے، تو حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے حضرت پاک ﷺ کے روانہ کیئے ہوئے قافلہ کو ہی روانہ فرمایا تھا۔ تو یہ اعتراض تو حضرت پاک ﷺ کی ذات بابرکات پر ہوا۔

اسی طرح حضرت پاک ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ مجھے پوری زمین کے مشارق و مغارب سمیٹ کر دکھا دیئے گئے اور میری حکومت ان تمام علاقوں تک پہنچے گی جو مجھے دکھائے گئے اور یہ وعدہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے مبارک دور میں پورا ہوا۔

اب غور فرمائیں کہ جن علاقوں کو جنگ و جہاد اور تلوار کے زور پر فتح کیا یہ تو حضرت پاک ﷺ کی بشارات اور احکامات تھے مگر آج اسی کو عیب بنا کر پیش کرنا اور اس پر اعتراض کرنا یہ دین کی خدمت ہے اور اس سے ایمان بنے گا یا جو تھوڑا بہت ہے وہ بھی ختم ہو جائے گا۔

جواب نمبر ۴:

یہ بات ذہن نشین فرمالیں کہ جہاد کا مقصد کافروں کو مسلمان کرنا نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کے دین اور کلمہ کو بلند کرنا ہے، کلمہ پڑھنے اور نہ پڑھنے کا کفار کو مکمل اختیار اور آزادی ہے کسی کو جبرًا مسلمان نہیں کیا جا سکتا بلکہ جہاد کا مقصد صرف یہ ہے کہ مسلمانوں کو عزت اور شوکت نصیب ہو اور کفار دب کر رہیں۔

ظاہر ہے کہ جب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین نے بلادِ کفر کو فتح کیا تو وہاں لوگوں کو مجبور تو نہیں کیا کہ وہ کلمہ پڑھ لیں۔ جنہوں نے خوشی سے چاہا اسلام قبول کر لیا باقی جزیہ دے کر اپنی جان کو محفوظ کر گئے۔

اب بعد کے لوگوں کی یہ ذمہ داری تھی کہ وہاں جہاد کو جاری رکھتے اور ان علاقوں پر اپنے تسلط کو ختم نہ ہونے دیتے مگر یہ جرم تو بعد والوں کا ہے نہ کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کا جنہوں نے احسان کیا کہ اسلام کی اشاعت کی راہیں کھول دیں اور کفر کو خاک چاٹنے پر مجبور کر دیا۔ سبحان اللہ اپنے گناہوں کو ان اکابر کے سر تھوپنا کس قدر حماقت اور نادانی بلکہ بے ادبی اور گستاخی کی بات ہے۔

فقہاء نے تو یہاں تک لکھا ہے کہ جو علاقے جہاد سے فتح ہوئے وہاں خطیب اپنے ہاتھ میں تلوار لے کر خطبہ دے لوگوں کو یہ جتانے کے لئے کہ یہ علاقہ تلوار سے فتح کیا ہے اگر لوگ اسلام سے پھرتے ہیں تو یہ

سوچ لیں کہ ابھی تک مسلمانوں کے ہاتھ میں یہ تلوار موجود ہے جو اسلام سے انحراف کرنے والوں کا دماغ درست کردے گی۔ تفصیلات کے لئے دیکھئے (فتاویٰ ھندیہ ج ۱)

اب اگر علماء و صلحاء بجائے ہاتھ میں تلوار لے کر خطبہ دینے کے، تلوار کو ہی علم کی توہین سمجھنے بلکہ بیان کرنے لگیں اور تلوار کو اخلاق اور زہد و تقویٰ کو ضد قرار دیں اور اسلام کے راستہ کی رکاوٹ سمجھنے لگیں تو پھر کفر نہیں پھیلے گا تو کیا پھیلے گا؟

خلاصہ کلام یہ ہے کہ جن علاقوں میں دوبارہ کفر پھیل گیا ہے اسکی وجہ یہ ہے کہ وہاں مسلمانوں نے جہاد کرنا چھوڑ دیا ہے۔

تو یہ وبال بھی جہاد چھوڑنے کا ہے نہ کہ جہاد کرنے کا۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو فہم سلیم عطا فرمائے۔
آمین! یارب العلمین!

قانونِ فاروقی

اگر حضرت امیر المومنین عمر فاروقؓ کے قانون کو بعد کے حکمران بھی نافذ کرتے رہتے اور مسلمان اس پر عمل کرتے رہتے تو پھر کفر کے پنپنے کی کوئی وجہ نہ تھی۔

دیکھئے قانونِ فاروقی، جسکے ہاں بچہ پیدا ہو وہ دفتر میں اندراج کرائے اور اس بچے کی تنخواہ وصول کرے جب یہ بچہ پندرہ سال کا ہو جائے اور اسکے بغلوں میں بال آجائیں تو جنگ پر جائے گا۔

(اسلامی تہذیب، مولانا عبدلکریم قریشی، بیر شریف)

☆☆☆

اعتراض(۳۶)

امارتِ اسلامیہ افغانستان کے سقوط کے بعد بہت سے حضرات کی زبانوں سے یہ اعتراض بھی کیا جارہا ہے کہ طالبان نے چونکہ جبراً لوگوں کو داڑھیاں رکھوائی ہوئی تھی، اور عورتوں کو جبراً برقعے پہنائے ہوئے تھے، اور جو لوگ ان کے ساتھ مل کر جہاد کر رہے تھے، ان کے ایمان پر بھی پہلے محنت نہ ہوئی تھی۔ بلکہ وہ بغیر ایمان کی محنت کئے ہی، میدانِ جنگ میں اتر گئے تھے۔ اس لئے جب امریکہ نے حملہ کیا، تو لوگوں نے داڑھیاں منڈوادیں اور عورتوں نے برقعے اتار دیئے اور دوسرے ان کے مجاہدین اور کمانڈر حضرات بھی بک گئے اور امیر المومنین ملا محمد عمر کے خلاف بغاوت کر دی۔ جس کی وجہ سے طالبان کی حکومت ختم ہو گئی۔

جواب:

اس اعتراض کا اصل منشاء تو وہی جہاد سے دوری اور دل میں نفاق ہے، جو کہ مختلف انداز میں زبان سے ظاہر ہوتا رہتا ہے۔ اگر جہاد اور مجاہدین سے محبت ہوتی تو کبھی بھی ایسے جملے زبان پر نہ لائے جاتے اور اگر تاریخی حقائق سامنے ہوتے، تو اس بات کا کبھی دل میں وسوسہ بھی پیدا نہ ہوتا۔ کیونکہ ایسے واقعات تاریخِ اسلام میں پہلے بھی گزرے ہیں، کہ بعض لوگ جو دل سے ایمان نہ لائے تھے، بلکہ دنیاوی اغراض حاصل کرنے کی خاطر صرف ظاہری طور پر زبان سے ایمان کا اظہار کرتے، جب ان کی اغراض پر چوٹ پڑی، اور دین کی خاطر قربانی کی باری آئی، تو فوراً اندر کا چھپا ہوا نفاق اور خبث زبان پر ظاہر ہو جاتا ہے۔

میں اس کی صرف ایک مثال عہدِ نبوت علیٰ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سے عرض کرتا ہوں، غزوہ احد کے موقع پر جب حضرت پاک صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ایک ہزار انسانوں کو لے کر تشریف لے گئے، تو تین سو منافقین یہ بہانہ بنا کر واپس مدینہ منورہ کو لوٹ آئے، کہ ہمارا مشورہ یہ تھا کہ جنگ مدینہ منورہ میں رہ کر لڑی جاتی۔ اور ہمارا مشورہ نہیں مانا گیا اور جس طریقہ پر آپ جنگ کرنا چاہتے ہو، یہ جنگی اصولوں کے مطابق جنگ ہی نہیں ہے۔

اب آپ غور فرمایئے کہ اس جنگ میں جانے والوں کی تعداد ایک ہزار تھی، مگر مخلص اور سچے جانثار صرف سات سو تھے اور وہ آخری دم تک حضرت پاک صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ کے ساتھ رہے۔ اور واپس لوٹ آنے والے تین سو منافقین تھے۔ مگر کوئی بھی صاحب ایمان، ان تین سو منافقین کی وجہ سے حضرت پاک صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ کی ذات پر الزام نہیں لگاتا، کہ حضرت پاک صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نے ان کے ایمان پر محنت نہ فرمائی تھی، اور بغیر ایمان پر محنت فرمائے ہی، لوگوں کو میدان جنگ میں لے گئے تھے، اس واقعہ کے بارے میں صرف یہی کہا جاتا ہے کہ منافقین تو دوڑ

گئے تھے، البتہ مخلصین نے جان کی پرواہ کئے بغیر، حضرت پاک ﷺ کا ساتھ دیا تھا۔ اور اس جنگ میں اگرچہ ظاہراً مسلمانوں کو شکست بھی ہوئی مگر مخلص اور سچے جانثار تو ساتھ ہی رہے۔

اسی تناظر میں طالبان اور امیر المومنین ملا محمد عمر مجاہد دامت برکاتہم کے ساتھیوں کو بھی دیکھئے، کہ جب مشکل وقت آیا، تو منافقین بک گئے، داڑھیاں منڈوا ڈالیں، اور کفار کا ساتھ دینے لگے، مگر مخلص تو آج بھی حضرت امیر المومنین دامت برکاتہم کا ساتھ دے رہے ہیں۔ لہٰذا ہمیں بھی چاہیے کہ ہم جس طرح ان دوڑ جانے والے منافقین کی بزدلی اور نفاق کا تذکرہ کرتے ہیں، حضرت امیر المومنین دامت برکاتہم اور ان کے مخلص جانثار ساتھیوں کی وفاداری، جانثاری اور شجاعت و ثابت قدمی کا تذکرہ بھی کریں۔ یہ عجیب بات ہے کہ میدان جنگ سے دوڑ جانے والے منافقین کا تذکرہ، تو ہزاروں کے اجتماع میں کیا جاتا ہے، مگر ثابت قدم رہنے والے مخلص مجاہدین کی داستان شجاعت کو بالکل ہی چھوڑ دیا جاتا ہے۔ فیاللعجب

اس لئے میرے دوستو اور بزرگو! ہمیں اس دور میں یوں کہنا چاہیے، کہ ہم اپنا ایمان ایسا بنائیں جیسا کہ حضرت امیر المومنین ملا محمد عمر مجاہد دامت برکاتہم، فضیلۃ الشیخ حضرت اسامہ بن لادن دامت برکاتہم اور ان کے ساتھیوں کا ہے، کہ بڑے بڑے طاقت ور حکمران، امریکہ کے سامنے گھٹنے ٹیک گئے، اپنے بیگانے ہو گئے، حالات کا رخ بدل گیا، حکومت چھن گئی، گھر سے بے گھر ہو گئے، اپنے ساتھیوں سے بچھڑ گئے، وسائل کا سہارا چھن گیا، غیر تو کیا اپنوں کے زہریلے تیروں کا بھی سامنا کرنا پڑا، مگر اللہ وحدہ لاشریک لہ، پر ایسا غیر متزلزل ایمان کہ ابھی تک بحمد للہ تعالیٰ نہ ہی ایمان بیچا، اور نہ ہی جہاد فی سبیل اللہ جیسا اونچا راستہ چھوڑا۔

اللہ تعالیٰ ہمیں بھی ان کے نقشِ قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔

☆☆☆

اعتراض(۳۷)

کشمیر، فلسطین، بوسنیا وغیرہ میں، یہ ان کے اعمال بد کی وجہ سے عذاب ہے، جب ان کے اعمال درست ہو جائیں گے تو یہ عذاب خود بخود دفع وہ جائے گا۔

جواب نمبر ا:

کشمیر، فلسطین اور بوسنیا وغیرہ ممالک کے مسلمانوں پر یہ کفر کی طرف سے مصائب آلام کا سلسلہ اس وقت شروع ہوا ہے، جب ان مسلمانوں نے کفر سے بغاوت کی ہے، اور کفار کے خلاف اعلان جنگ کیا ہے، اگر یہ مسلمان ہماری طرح آج ہی کفار کے ساتھ مصالحت کرلیں، تو ان پر سے بھی یہ مصائب و آلام ختم ہو جائیں گے، بلکہ کفار کی طرف سے ان کو دنیاوی فراوانی بھی ہو جائے گی۔

تو میرے بھائیو دوستو بزرگو! یہ کیسا عذاب ہے، کہ کفر کے ساتھ صلح کرو۔ کفر کے نظام کو، قانون کو قبول کرو، اور ساتھ ہر قسم کی فحاشی، بدمعاشی اور بے غیرتی کے مظاہرے بھی کرو، تو اللہ تعالیٰ خوش ہو کر العیاذ باللہ اپنے عذاب کو اٹھالیں، اور جب کفر کے نظام اور قانون کے خلاف بغاوت کرلو، تو اللہ تعالیٰ ناراض ہو کر العیاذ باللہ مسلمانوں پر عذاب کو نازل فرمادیں؟

جواب نمبر ۲:

اگر دین کے حکم شرعی کو زندہ کرنے سے آنے والے مصائب اور آلام کا نام عذاب ہے، تو پھر حضرات انبیاء علیہم السلام، انکے حواریوں اور حضرت پاک ﷺ اور آپ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین پر جو مصائب آئے انکو کس نام سے پکارا جائے گا۔

جب حضرت پاک ﷺ پر وحی نازل نہیں ہوئی تھی، اور آپ نے توحید کا اعلان نہیں فرمایا، کفار نے بھی کچھ نہیں کہا، مگر جونہی وحی نازل ہوئی اور نبوت ملنے کے بعد توحید کا اعلان فرمایا، تو کفار کی طرف سے نہ ختم ہو نے والے ایسے مصائب و آلام کا دور شروع ہوا۔ کہ الامان والحفیظ۔

جواب نمبر ۳:

مسلمان پر جب کوئی تکلیف آتی ہے، وہ بڑی سے بڑی ہو یا چھوٹی سے چھوٹی ہو، وہ عذاب ہے یا کفارہ سئیات یا رفع درجات اور بلندی درجات کا ذریعہ اس کے لئے دو اصول ذہن نشین فرمالیں۔

پہلا اصول:

اگر تو کوئی شخص الحمد للہ پہلے سے گناہوں سے دور ہو اور اللہ تعالیٰ سے تعلق مضبوط ہو دین پر عمل پیرا ہو اور پھر یہ تکلیف آئے، خواہ دین کی وجہ سے یا دنیا کی وجہ سے تو یہ مصیبت اور تکلیف اللہ تعالیٰ کی طرف سے نعمت ہوتی ہے، اور بلندی درجات اور اللہ تعالیٰ سے قرب کا ذریعہ ہوتی ہے، جیسے حضرات انبیاء کرام علیہ السلام ، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین اور اولیاء اللہ۔ اور اگر پہلے گناہ کر رہا ہو اور کسی تکلیف یا مصیبت کے آنے کے بعد گناہوں سے توبہ کر لے تو یہ مصیبت بھی اللہ تعالیٰ کی نعمت ہوتی ہے کیونکہ یہ گناہوں کا کفارہ بن جاتی ہے، جیسے عام گناہ گار بندے جو مصیبت کے بعد توبہ کر لیتے ہیں اور اگر پہلے سے گناہوں میں مبتلا ہوں اور مصیبت کے بعد بھی گناہوں میں مبتلا رہے تو یہ مصیبت یقیناً اللہ تعالیٰ کی طرف سے دنیا میں عذاب ہے اور اصل عذاب تو آخرت میں ہو گا۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کی حفاظت فرمائے۔

دوسرا اصول:

ذہن نشین فرمالیں کہ اجتماعی فریضہ میں سستی کی وجہ سے سزا اجتماعی اور انفرادی عمل میں کوتاہی کی وجہ سے نقصان بھی انفرادی ہوتا ہے، اور جہاد فی سبیل اللہ اجتماعی فریضہ ہے لہٰذا اسکو چھوڑنے کے نقصانات اجتماعی اور اسکو کرنے کے فوائد بھی اجتماعی ہوں گے اور ہوئے ہیں۔

ان دو اصولوں کے بعد غور کریں کہ جن ممالک میں جہاد شروع ہوا ہے، کیا وہاں اجتماعی طور پر تبدیلیاں آئی ہیں یا کہ نہیں؟

سب سے پہلے مثال تو افغانستان کی ہے جو کہ روس دور میں پوری دنیا میں ہونے والے جہاد کے لئے بنیادی اور اساسی حیثیت رکھتا ہے اور یہ کہنا بالکل بجا ہو گا کہ اس وقت پوری دنیا میں جتنی بھی جہادی تحریکیں سر اٹھار ہی ہیں یہ سب افغان جہاد ہی کی برکت ہے۔

افغانستان میں تو جب خلافتِ اسلامیہ قائم تھی، قرآن و سنت کا نظام قائم تھا، پورے ملک میں ایک عورت بے پردہ، اور ایک مرد بھی داڑھی منڈھا نہیں، کوئی سینما کوئی ٹی وی نہیں کوئی تصویر حتیٰ کہ جانور کی بھی نظر نہ آتی تھی۔

سود کا نظام ختم ہو گیا تھا، خلاصہ یہ کہ پورا دین زندہ ہو گیا ہے الحمد للہ۔

اسکے علاوہ مقبوضہ کشمیر میں غور کریں، تو اجتماعی اور مخلوط نظام تعلیم پر پابندی، سینما ویران، فحاشی ختم،

شراب کے اڈوں کا وجود غائب اور نوجوان مسلمانوں کے چہروں پر مبارک سنت کا نور وغیرہ بالکل نمایاں نظر آتے تھے۔

اس طرح دیگر ممالک بوسنیا اور چیچنیا وغیرہ میں بھی تبدیلیاں آرہی تھیں، میں نے صرف اشارہ کیا ہے۔

اس لئے اس اللہ تعالیٰ کی رحمت کو زحمت اور نعمت کو عذاب کا نام دینا حماقت اور دین سے دوری کی علامت ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم کو حق لکھنے، حق کہنے اور حق پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

☆☆☆

اعتراض(۳۸)

کشمیر، فلسطین اور چیچنیا وغیرہ دیگر ممالک کی جنگیں کمانڈو اور زیر زمین کاروائیاں ہیں، جو کہ مزاج نبوت اور مزاج صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کے خلاف ہیں، کیونکہ مزاج نبوت تو یہ ہے کہ پہلے کفار کو دعوت دی جائے، پھر جزیہ کا مطالبہ کیا جائے اور تیسرے نمبر پر قتال کی باری آتی ہے، مگر یہاں تو نہ ایمان کی دعوت نہ جزیہ کا مطالبہ نہ کھلی، آمنے سامنے اور دوبدو جنگ ہے؟

جواب نمبر ا:

یہ شبہ پیدا ہی اس وجہ سے ہوا کہ میرا نادان معترض دوست مزاجِ شریعت اور مزاجِ نبوت سے واقف ہی نہیں، بلکہ اپنی ذہنی اختراع ہی کو مزاجِ نبوت کا نام دینے پر مصر ہے، اللہ تعالی اس کج روی سے محفوظ رکھے۔

جہاں تک قتال سے پہلے ایمان کی دعوت، جزیہ، اور پھر قتال کی بات ہے تو یہ اپنی جگہ پر بحث آرہی ہے، اسکو وہاں دیکھا جائے گا، اس مقام پر میں صرف کمانڈو اور زیرِ زمین اور چھاپہ مار کاروائیوں کا ذکر کرتا ہوں۔ اور تمام کاروائیوں میں قتال کے وقت حضرت پاک ﷺ نے ایمان کی دعوت دی نہ جزیہ کی بات کی، بلکہ براہ راست کفر کے سر کو دبوچنے کی فکر فرمائی۔ اس لئے چھاپہ مار کاروائیوں میں جنگ ہی جنگ ہوتی ہے اور بس۔ اور اسی جنگ سے ہی اصل ہدف کو حاصل کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔

اصطلاحاً جس کو کہئے کاروائی چھاپہ مار
اس میں تو اعلان اور رخوت ضروری ہی نہیں
کیا خبر اس کو نہیں ہے کس لئے لڑتا ہے وہ
حربی کافر کے لئے دعوت ضروری ہی نہیں

حضرت پاک ﷺ نے مدینہ کے داخلی و خارجی حالات کو درست کرنے کے بعد، اپنے جہاد کا آغاز ہی چھاپہ مار کاروائیوں سے فرمایا۔ سب سے پہلے تو آپ ﷺ نے قریش کے تجارتی قافلوں پر حملے کئے، تا کہ قریش کی معاشی قوت کو توڑا جاسکے اور اسکو جنگ سے پہلے ایک بہت بڑے نقصان سے دوچار کر دیا جائے۔ اسکے لئے حضرت پاک ﷺ نے باقاعدہ بڑی بڑی جنگوں کو شروع فرمایا تھا۔

اب دیکھئے حضرت پاک ﷺ کے چھاپہ مار دستے ان میں سے بعض پہلے وہ نقل کئے جاتے ہیں جنکی کمان حضرت پاک ﷺ نے خود فرمائی۔

(۱)غزوہ ابواء صفر ۲ھ ساٹھ مہاجرین صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کو لے کر حضرت پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے قریش کے قافلہ اور بنو ضمرہ پر حملہ کرنے کے لئے ابواء کی طرف سفر فرمایا۔ پرچم حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں تھا اور مدینہ منورہ میں حضرت پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے جانشین حضرت سعد بن عبادہؓ تھے۔

(۲)غزوہ بواط۔ ربیع الاول یا ربیع الثانی ۲ھ کو دو سو مہاجرین و انصار صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کو ساتھ لے کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم بواط مقام کی طرف تشریف لے گئے مدینہ منورہ میں حضرت پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت سائب بن عثمان رضی اللہ عنہ کو اپنا جانشین مقرر فرمایا۔

(۳)غزوہ عشیرۃ: جمادی الاولیٰ ۲ھ میں دو سو مہاجرین صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کو ہمراہ لے کر حضرت پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے قافلہ قریش پر حملہ کرنے کے لئے عشیرہ کی طرف کوچ فرمایا اور مدینہ منورہ میں حضرت ابو اسامہ بن عبد الاسد رضی اللہ عنہ کو اپنا نائب مقرر فرمایا تھا۔

(۴)غزوہ صفوان: ۲ھ میں ہی حضرت پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے کرز بن جابر فہری کے تعاقب میں صفوان کا سفر فرمایا اور مدینہ منورہ میں حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کو اپنا جانشین مقرر فرمایا تھا۔

اور چند دستے ایسے ہیں جن کو حضرت پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ہاتھوں سے روانہ فرمایا، مگر خود مدینہ میں رہے۔

(۱)سریہ حمزۃ بن عبد المطلب: ربیع الاول یا ربیع الثانی ۲ھ کو تیس مہاجرین صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کے ساتھ سفید جھنڈا دے کر ابو جہل کے تجارتی قافلہ پر حملہ کے لئے تاریخ اسلامی کا پہلا امیر لشکر بنا کر مقام عیس کی طرف روانہ فرمایا۔

(۲)سریہ عبیدہ بن حارث بن عبد المطلب: شوال ۲ھ کو حضرت عبیدہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ ساٹھ یا اسی مہاجرین صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کو ابو سفیان کی زیر کمان قریش کے تجارتی قافلہ پر حملہ کرنے کے لئے مقام بطن رابغ کی طرف بھیجا۔

(۳)سریہ سعد بن ابی وقاص: ذوالقعدہ ۲ھ میں حضرت سعد رضی اللہ عنہ کو بیس مہاجرین صحابہ کے ساتھ قریش کے ایک تجارتی قافلہ پر حملہ کرنے کے لئے روانہ فرمایا۔

(۴)سریہ زید بن حارثہ: جمادی الاخری ۲ھ میں ایک سو صحابہ کے ساتھ قریش کے تجارتی قافلہ پر حملہ کے لئے کردہ کی جانب روانہ فرمایا۔

جواب نمبر ۲:

اس کے علاوہ حضرت پاک ﷺ نے انفرادی طور پر بھی بعض کفار کے سرغنوں اور بعض انتہائی بد فطرت قسم کے شیطانوں حتیٰ کے بعض غلیظ قسم کے بدبودار بوڑھوں اور بعض خبیث الفطرۃ عورتوں کو بھی قتل کروادیا، مگر یہ کاروائیاں بھی زیر زمین اور کمانڈو ایکشن کے تحت ہی ہوئیں۔

(۱) ۲۶ رمضان ۲ھ کو حضرت عمیر بن عدی رضی اللہ عنہ نابینا صحابی نے رات کی تاریکی میں عصما بنت مروان زوجہ یزید بن زید یہودیہ عورت کو قتل کیا اور دربارِ نبوت سے بشارت حاصل کی۔

(۲) شوال ۲ھ میں حضرت سالم بن عمیر رضی اللہ عنہ کے ہاتھوں ۱۲۰ سالہ بوڑھے ابو عفک یہودی کو قتل کروایا۔

(۳) ۱۴ ربیع الاول ۳ھ کو حضرت عبداللہ بن عتیک رضی اللہ عنہ نے حضرت پاک ﷺ کے حکم مبارک سے ابو رافع عبداللہ بن ابی الحقیق یہودی کو قتل کروایا۔

(۴) ۱۴ ربیع الاول ۳ھ کو حضرت محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ کے ہاتھوں مدینہ منورہ میں یہودیوں کے سردار کعب بن اشرف کو قتل کرایا۔

(۵) ۵ محرم ۴ھ کو حضرت عبداللہ بن انیس رضی اللہ عنہ کو خالد بن سفیان ہزلی کو قتل کے لئے حضرت پاک ﷺ نے روانہ فرمایا اور ان کے کامیاب لوٹنے پر ان کو جنت کی بشارت دی، اور بطور انعام کے عصا مبارک عنائت فرمایا اور ارشاد فرمایا کہ اسکو پکڑ کر جنت میں چلنا۔

جواب نمبر ۳:

حضرت پاک ﷺ کے زمانہ میں ہی ۱۰ھ میں یمن میں اسود عنسی نے نبوت کا دعوی کر دیا۔ نجران پر قبضہ کر لیا، پھر صنعاء کی طرف بڑھا اور وہاں کے گورنر حضرت شہر بن باذام رضی اللہ عنہ کو شہید کر دیا اور صنعا پر بھی قبضہ کر لیا اور حضرت شہر بن باذام رضی اللہ عنہ کی بیوی حضرت ازاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو زبردستی اپنے حرم میں شامل کر لیا اور اسود عنسی کذاب نے پورے یمن پر قبضہ کر لیا، تو حضرت پاک ﷺ کو جب اس واقعہ کی خبر ہوئی تو حضرت پاک ﷺ نے یمن کے اطراف میں ۳ مسلمان تھے، ان سب کے نام ایک خط دے کر حضرت وبر بن یحنس رضی اللہ عنہ کو بھیجا جس کا مضمون یہ تھا کہ "سب مسلمان اپنے دین پر قائم رہیں اور سب مسلمانوں کو چاہیے کہ وہ اسود عنسی کے قتل کے لئے کھڑے ہو جائیں چاہے میدانِ مقابلہ میں اسکو قتل کریں یا چاہے خفیہ طور پر۔"

ان خط کشیدہ الفاظ پر غور فرمائیں گے، تو مزاجِ نبوت سمجھنے میں دشواری نہ ہو گی۔

بالآخر حضرت فیروز دیلمی رضی اللہ عنہ نے اپنی چچازاد بہن (جو کہ اسود عنسی نے جبرًا اپنے حرم میں رکھی ہوئی تھیں) ازاذ۔ قیس بن بغوث، اور جشیش بن دیلمی کے ساتھ مل کر گوریلا شب خون مارا، کہ اسود عنسی کو قتل کر دیا جس سے اسکی حکومت ختم ہوگئی، اور مسلمانوں کا اقتدار بحال ہوگیا۔

اس لئے اب بھی ایسی صورت میں کافروں کے تسلط کا شکار ہونے والے مسلمانوں کے لئے شرعی مسئلہ یہی ہے کہ وہ اس تسلط کو قبول نہ کریں، بلکہ اس کے خاتمہ کے لئے جو ان کے بس میں ہو کر گزریں اور اس سلسلہ میں انکی جدوجہد کو شرعی جہاد کا درجہ حاصل ہوگا۔

☆☆☆

اعتراض(۳۹)

کشمیر کے جہاد پر عام طور پر ایک یہ اعتراض کیا جاتا ہے کہ کشمیر کے جہاد میں شریک تنظیموں پر ایجنسیوں کا کنٹرول ہے اور وہاں پر عملا پالیسی وہی ہوتی ہے جو ایجنسیاں چاہیں اور ایجنسیاں تو کشمیر کے جہاد میں مخلص نہیں بلکہ یہ چاہتی ہیں کہ یہ کام لگا رہے۔ مجاہدین مرتے رہیں اور یہ لوگ اپنی تنخواہ کھری کرتے رہیں کیونکہ پاکستان کا ہر حکمران کشمیر کے نام پر اپنی سیاست چمکاتا ہے اگر یہ گورکھ دھندہ ختم ہو گیا تو انکی سیاست بھی ختم ہو جائے گی اور نہ ہی کشمیر کا جہاد علماء کے فتووں کی بنیاد پر شروع کیا گیا ہے بلکہ یہ تو ایجنسیوں کی کارستانی ہے۔

جواب :

میں اس اعتراض کے جواب کے لئے اپنے استاد محترم حضرت مولانا زاہد الراشدی صاحب دامت برکاتہم کہ من وعن لفظ بلفظ عبارت نقل کرتا ہوں جو کہ اوصاف اخبار کے کالم" نوائے قلم میں شائع ہوئی تھی"

"پاکستان کے بعض علمی حلقوں اور شخصیات کو اشکال ہے کہ کشمیر کا جہاد افغانستان کی طرح نہیں ہے اس لئے کہ افغانستان میں جہاد کا فتوی علماء نے دیا تھا جہادی گروپ اسکی بنیاد پر روسی استعمار کے خلاف جہاد کر رہے تھے اور اپنے عمل اور فیصلوں میں آزاد تھے۔

جبکہ کشمیر کا جہاد اس سے قطعی مختلف ہے یہ لوگ اپنے عمل اور فیصلوں میں آزاد نہیں ہیں بلکہ ایجنسیوں کا کنٹرول ان پر حاوی ہے اور کنٹرولر قوت نے خود جہاد کا کوئی اعلان نہیں کیا اس لئے جہاد کشمیر کا افغانستان کی طرح شرعی جہاد کا درجہ نہیں دیا جا سکتا۔

لیکن میرے نزدیک اس کی حیثیت ایک مغالطہ کے سوا کچھ نہیں اس لئے کہ مفروضہ صرف اس وقت قبول کیا جا سکتا ہے جب جہاد کشمیر کا نقطہ آغاز موجودہ جہادی گروپوں کی حالیہ جدوجہد قرار دیا جائے جبکہ فی الواقع صورت حال یہ نہیں ہے بلکہ اصل تاریخی تناظر یہ ہے کہ ۱۹۴۷ء میں قیام پاکستان کے بعد کشمیری علماء نے جن میں امیر شریعت مولانا سید عطاءاللہ شاہ بخاری رحمۃ اللہ علیہ مولانا عبداللہ قفل گڑھی، مولانا غلام حیدر جنڈالوی، مولانا یوسف خان آف بلندری ، مولانا عبدالحمید قاسی، مولانا محمد عبداللہ سیاکھوی، مولانا ظفر حسین ندوی اور دیگر سرکردہ علماء شامل تھے ڈوگرہ حکمران کے تسلط کے خلاف جہاد کا فتوی جاری کیا اور اس کی بنیاد پر خود میدان میں کھل کر آزادی کشمیر کے لئے جہاد کا آغاز کر دیا جس کے نتیجے میں آزاد کشمیر کی موجودہ ریاست قائم ہوئی اس کے بعد نہ ان علماء نے یہ فتوی واپس لیا اور نہ ہی کشمیری عوام آزادی کے مطالبہ اور جدوجہد سے

دست بردار ہوئے۔ اس لئے جہاد کشمیر کا موجودہ راونڈ اسی تسلسل کا حصہ ہے اور اس کی شرعی اساسی بھی مذکور علماء کرام کے اس فتوی پر ہے جس کے ذریعے ڈوگرہ استعمار سے جنگ لڑ کر آزاد کشمیر کا خطہ آزاد کرایا تھا۔

یہی وجہ ہے کہ آج بھی جہاد کشمیر میں زیادہ تر حصہ دینی جماعتوں، دینی مدارس کے طلبہ اور علماء کا ہے جو اصل فریق ہیں اور حکومت پاکستان اور ایجنسیوں کی حیثیت آج اسی طرح کے معاون کی ہے جس طرح کی معاونت ان کی طرف سے جہاد افغانستان کو حاصل رہی ہے۔ البتہ سرحدی حالات اور علاقائی مجبوریوں کا دائرہ اس سے قطعی مختلف ہے اور وہی فرق بعض ذہنوں کو بلاوجہ الجھن میں ڈالے ہوئے ہے۔

میرا خیال ہے کہ جہاد کشمیر کے بارے میں تحفظات کا اظہار کرنے والے حضرات اس مسئلہ کو وقتی حالات کی بجائے تاریخی تناظر کے وسیع دائرہ میں دیکھیں گے تو ان کا اشکال خود بخود رفع ہو جائے گا۔ اور وہ بھی اس بات کو تسلیم کریں گے کہ کشمیری عوام کی جدوجہد شرعی جہاد کا درجہ رکھتی ہے جسکی حمایت و امداد ہماری دینی ذمہ داریوں میں شامل ہے۔

یارو سنی سنائی پے ہر گز نہ جائیے
کس نے کہا کہ صرف سیاسی فساد ہے
یہ معرکہ ہے کفر اور اسلام کا جناب
کشمیر کا جہاد یقینا جہاد ہے۔

اعتراض(۴۰)

کشمیر کی جنگ تو خالص زمین کی جنگ ہے نہ کہ اسلام کی جب کہ بعض تنظیمیں جی کے ایل ایف اور نیشنل ڈیمو کریٹک فرنٹ وغیرہ تو اس کا برملا اعلان بھی کر چکی ہیں کہ ہمیں صرف ہندوستان سے آزادی چاہئے اور بس اور کشمیر پر حکومت صرف کشمیریوں کا حق ہے خواہ کشمیری مسلمان ہو یا ہندو سکھ ہو یا عیسائی۔ تو گویا ان کی جنگ کی بنیاد صرف یہ ہے کہ کشمیر پر غیر کشمیری حکمران نہ رہیں تو ان کا جہاد بھی ختم ہو جائے تو آپ بتائیں کہ کیا یہ جہاد اسلامی جہاد ہے؟

جواب:

سب سے پہلے تو ہم نہایت اختصار کے ساتھ کشمیر کی تاریخ پر نظر ڈالتے ہیں اسکے بغیر جہاد کشمیر کو سمجھنا دشوار ہے۔

کشمیر میں مسلمان تاجروں کی آمد ۸۰۰ء سے شروع ہو چکی تھی لیکن ۱۲۹۵ء میں شیخ شرف الدین عبدالرحمن عرف بلبل شاہ تبت کے راستے ۹۰۰ مریدین کے ہمراہ تشریف لائے اور ہزاروں لوگوں نے حضرت کے ہاتھ پر اسلام قبول کیا تو اس دوران ۱۳۲۵ء میں راجہ رینچن نے اپنی بیوی کوٹا رانی کے ہمراہ حضرت بلبل شاہ کے ہاتھ پر اسلام قبول کر لیا تو اس کا نام حضرت بلبل شاہ نے صدرالدین رکھ دیا۔

اس طرح ۱۳۲۵ء سے ۱۸۱۸ء تک کشمیر پر اسلام کی حکومت قائم رہی ۔۱۸۱۹ء میں رنجیت سنگھ نے حملہ کر کے پورے جموں وکشمیر پر قبضہ کر لیا اسی راجہ رنجیت سنگھ کے خلاف حضرت امیر المومنین سید احمد شہید اور حضرت سید اسماعیل شہید رحمۃ اللہ علیہما نے جہاد شروع فرمایا تھا۔ ۱۸۱۹ء سے ۱۸۴۵ء تک رنجیت سنگھ، کھڑک سنگھ، رانی چند ، کور شیر سنگھ، دلیپ سنگھ حکمران بنے۔ حکومت کے اس آخری دور میں انگریزوں کے خلاف جنگ میں راجہ کو شکست ہوئی اور سکھوں پر باون لاکھ تاوان جنگ لازم آیا۔ راجہ رنجیت سنگھ نے اس تاوان جنگ کے بدلہ میں کوہ نور ہیرا اور ریاست جموں وکشمیر انگریز کے حوالے کر دی۔

پھر انگریزوں نے عرصہ بعد راجہ گلاب سنگھ کے ہاتھوں ریاست جموں وکشمیر ۷۵ لاکھ کے عوض فروخت کر دی اور بزور شمشیر گلاب سنگھ کو قبضہ دلوا دیا گیا۔

اسکے بعد مسلمانوں نے ۱۳ جولائی ۱۹۳۱ء کو راجہ ہری سنگھ کے خلاف بغاوت کر دی تو راجہ ہری سنگھ نے ریاست جموں وکشمیر کو انگریز کی امن فوج کے حوالے کر دیا مگر ۱۹۴۰ء سے راجہ کے خلاف بغاوت میں تیزی

آگئی اور زیر زمین اور پھر بالائے زمین جہاد شروع ہو گیا اور دیکھتے ہی دیکھتے مجاہدین نے گلگت، بلتستان اور چلاس کے علاقوں پر قبضہ کر لیا۔

پھر ۱۶ اگست ۱۹۴۷ء کو بارہ مولہ مظفر آباد، میر پور کوٹلی، پونچھ، راجوری کے مسلمانوں نے اعلان جہاد کر دیا جس سے ڈوگرہ فوج کے پاؤں اکھڑ گئے اس کے ہزاروں فوجی بھی مارے گئے اور بقیہ جموں کی طرف دوڑ گئے۔

بالاخر راجہ ہری سنگھ نے بھارت کے وزیر اعظم مسٹر نہرو کے ساتھ ساز باز کی اور اپنے بیٹے کرن سنگھ کو حکومت میں ایک عہدہ کی شرط کے ساتھ پورا جموں و کشمیر ہندوستان کی حکومت کے حوالہ کر دیا۔ اور یوں ہندوستان کی کافر حکومت نے اس کشمیر پر قبضہ کر لیا۔

اس تاریخ کا خلاصہ یہ ہے کہ ۱۳۲۵ء سے لے کر ۱۸۱۸ء تک تقریباً پانچ سو سال تک کشمیر پر مسلمانوں کی حکمرانی رہی ہے اور اسکے بعد کفار نے قبضہ کر لیا ہے جسکے خلاف سب سے پہلے حضرت امیر المومنین سید احمد شہید اور انکے خلیفہ اجل حضرت مولانا سید اسماعیل شہید رحمۃ اللہ علیہما نے جہاد شروع کیا جو کہ آج تک کسی نہ کسی طرح جاری و ساری رہا اور رہے گا انشاللہ تاوقت یہ کہ کشمیر پر دوبارہ اسلامی حکومت کا پرچم لہرانے لگے۔

اب اس تمہید کے بعد گزارش ہے کہ فقہ حنفی، شافعی، مالکی حنبلی، کے فقہائے کرام اس بات پر متفق ہیں کہ اگر مسلمانوں کے ملک پر کافر حملہ آور ہوں تو وہاں کے مسلمانوں پر ان سے جنگ لڑنا فرض عین ہے اور اگر وہاں کے مسلمان جنگ لڑیں یا کمزور ہوں اور لڑ نہ سکتے ہوں تو دونوں صورتوں میں ساتھ والے مسلمانوں پر جہاد فرض عین ہو جاتا ہے حتی کہ یہ سلسلہ چلتا ہوا پوری دنیا کے مسلمانوں تک جا پہنچتا ہے۔ اس کے لئے فتاویٰ جات کی بھی ضرورت نہیں ہے کیونکہ یہ میرا موضوع نہیں ہے اور یہ فتاوی جات اب عام ہیں۔

جواب نمبر ۲ :

اور اگر یہ تسلیم کر بھی لیا جائے کہ وہاں کے مسلمان تو اپنی زمین کی خاطر لڑ رہے ہیں تو میرا سوال یہ ہے کہ کیا شریعت مطہرہ اسکی اجازت دیتی ہے کہ کافر ہمارے مال و جان اور عزتوں سے کھیلتے رہیں اور ہم بے حس ہو کر بیٹھے رہیں نہیں نہیں بلکہ شریعت دفاع کا پورا حق دیتی ہے ۔ اور اپنی جان، عزت اور مال کی حفاظت کی خاطر لڑتے ہوئے قتل ہو جانے کو شہادت کا درجہ دیتی ہے۔ دیکھیں حدیث شریف میں ہے۔

من قتل دو ن فسه فهو شهيد جو شخص اپنی جان کی حفاظت کرتا ہوا مارا جائے وہ شہید ہے۔

و من قتل دون اهله فهو شهيد اور جو شخص اپنے گھر والوں کی حفاظت کرتا ہوا مارا جائے وہ بھی شہید ہے۔و من قتل دون ماله فهو شهيد اور جو شخص اپنے مال کی حفاظت کی خاطر مارا جائے وہ بھی شہید ہے۔ (احکام القران للجصاص ج ۲)

جواب نمبر ۳ :۔

کشمیر کی تحریک ایک خالص شرعی تحریک ہے اور وہاں کا جہاد خالص شرعی جہاد ہے باقی رہا اعتراض کہ اس میں شامل کئی جماعتیں خود مختاری کی آڑ میں صرف کشمیریوں کی کشمیر پر حکومت کا نعرہ لگاتی ہیں خواہ کشمیر پر ھندو، سکھ، عیسائی ہی کیوں نہ ہو۔ایک تو الحمد للہ کشمیر میں ان کی بات کا وزن نہیں لوگ اب جہاد کو سمجھ چکے ہیں۔اور دوسری اہم بات یہ ہے کہ چند لوگوں کے غلط نعرے کی وجہ سے کیا ہم صحیح نعرہ بھی ترک کر دیں گے اگر کوئی شخص یہ کہہ دے کہ کہ مرزا قادیانی نے چونکہ جھوٹی نبوت کا دعوی کیا ہے لہذا میں حضرت پاک ﷺ کی سچی نبوت بھی نہیں مانتا تو کیا یہ بات درست ہوگی اگر نہیں اور یقین نہیں تو پھر چند لوگوں کے غلط نعرے سے ہم سچے لوگوں کے سچے نعروں کا کیسے انکار کر دیں۔

کچھ اس طرح ہے وادی کشمیر کی مثال جنت اتر کے آئی ہو جیسے زمین پر

شہہ رگ ہماری ہم سے جدا مدتوں سے ہے پھر بھی تو بال نہیں ہے ہماری جبین پر

جو زمین قبضہ مسلم میں تھی کبھی اس کا حصول لازمی ہے مسلمین پر ۔

جواب نمبر ۳:

اگر یہ بات طے شدہ ہے کہ شمیر پر پانچ سو سال تک اسلامی حکومت رہی ہے پھر کفار نے قبضہ کر لیا جس سے کشمیر کو آزاد کرانا ہم سب کا فرض تھا اور ہے تو پھر ہماری کوتاہی کی وجہ سے چند غلط لوگ آگے بڑھ گئے اگر ہم آگے ہوتے تو انکو یہ موقع نہ ملتا یہ بھی تو ہمارا بھی جرم ہے۔

لہذا ایسے لوگوں کے لئے میدان خالی چھوڑنے کی بجائے ہمیں آگے بڑھ کر تحریک کو اپنے ہاتھ میں لینے کی کوشش کرنی چاہیے تاکہ یہ تحریک خالص اسلامی تحریک ہی رہے اور یہ جہاد خالص جہاد شرعی ہی رہے اگر چہ وہ پہلے بھی شرعی اور اسلامی ہے مگر میں یہ بات اپنے معترض دوست کی فکر اور سوچ کے مطابق عرض کر رہا ہوں۔

"عظیم خوشخبری"

اس وقت بحمد اللہ تعالیٰ تقریبا دنیا کے ہر کونے میں جہاد کی آواز لگ رہی ہے گھر میں بطور خاص اس وقت کشمیر میں بر سر پیکار مجاہدین کو جو کہ عملا غزوہ ہند میں شریک ہیں کو ایک ایسی بشارت سنانا چاہتا ہوں جو کہ عام طور پر کتب جہاد میں ذکر نہیں کی جاتی۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ھندوستان کا ذکر فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا:

قال رسول الله ﷺ وذكر الهند يغزوالهند بكم جيش يفتح الله عليهم حتى يأتوا بملوكهم مغللين بالسلاسل يغفر الله ذنوبهم فينصرفون حين ينصرفون فيجدون ابن مريم عليه السلام بالشام۔

ایک لشکر تمہیں ساتھ لے کر ہندوستان کے خلاف جہاد کرے گا اور اللہ تعالیٰ اس لشکر کو فتح دے گا حتیٰ کہ یہ لشکر ہندوستان کے بادشاہوں کو (یعنی بر سر اقتدار طبقہ کو) ہاتھ کڑیوں میں جکڑ کر لائیں گے اللہ تعالیٰ ان مجاہدین کے گناہ معاف فرما دے گا اور جب وہ جہاد ہندوستان کی فتح سے فارغ ہوں گے تو وہ مجاہدین حضرت عیسیٰ بن مریم علیہ السلام کو شام میں پائیں گے۔

بہت سی علامات سے تو ایسے معلوم ہوتا ہے کہ اب عیسیٰ علیہ السلام کے نزول کا وقت بہت قریب ہے اور ہندوستان کا جہاد تو شروع ہے اللہ تعالیٰ ہمیں بھی اسی قافلہ میں شریک فرمادے۔

آمین یارب العلمین۔

اعتراض(۴۱)

بسا اوقات کوئی مجاہد اپنی ہی گولی یا اپنے ہی کسی مجاہد کی غفلت سے اسکے ہاتھوں یا دوران ٹریننگ ہی اپنے گرنیڈ پھٹنے یا گولی لگنے سے قتل ہو جاتا ہے، تو مجاہدین اپنی تنظیم کے شہداء میں اضافہ کرنے کے لئے، اسکو بھی شہداء کی فہرست میں شمار کرتے ہیں، حالانکہ شہید تو وہ ہوتا ہے جو کافروں سے لڑتا ہوا کافروں کے ہاتھ سے قتل ہو۔

جواب:

یہ بات بھی سراسر جہالت پر مبنی ہے۔ روایات میں ایسے واقعات ملتے ہیں کہ کوئی صحابی رضی اللہ عنہ اپنی تلوار سے شہید ہو گئے یا کسی اپنے ساتھی کے اسلحہ سے شہید ہو گئے، مگر اسکو حضرت پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے شہداء میں ہی شمار فرمایا، اب وہ واقعۃً شہید تھا۔ یا العیاذ باللہ بقول میرے نادان دوستوں کے صرف شہداء کی فہرست میں اضافہ کرنا مقصود تھا، اس کا فیصلہ تو آپ اپنے ضمیر سے لیں، میرے لئے حضرت پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا عمل مبارک حجت، دلیل اور سند ہے، بلکہ سب سے بڑی سند ہے۔

(۱): غزوہ بدر میں ایک صحابی رضی اللہ عنہ شہید ہو گئے، تو انکی والدہ حضرت ام حارثہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا، حضرت پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرا بیٹا شہید ہوا لیکن "اصَابَہٗ سَھْمٌ غَرْبٌ" اسے نامعلوم سمت سے تیر لگا پتہ نہیں وہ تیر کافر کا تھا یا کسی مسلمان کا اگر وہ جنت میں ہے تو میں صبر کر لوں، اور اگر وہ جنت میں نہیں تو پھر میں روؤں۔

حضرت پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ، کیسی باتیں کرتی ہو؟

جنت میں تو بڑے درجات ہیں،

وَاِنَّ ابْنَکَ اَصَابَ جَنَّۃَ الْفِرْدَوْسِ

تیرا بیٹا تو (سب سے اعلیٰ درجہ) جنت الفردوس میں ہے۔ (صحیح بخاری)۔

(۲): غزوہ خیبر کے موقع پر مرحب یہودیوں کا سردار اور پہلوان میدان میں بلند آواز سے یہ اشعار پڑھتا ہوا نکلا:

قَدْ عَلِمَتْ خَیْبَرُ اَنِّیْ مَرْحَبٗ
شَاکِی السَّلَاحِ بَطَلٌ مُجَرَّبٗ
اِذَالْحُرُوْبُ اَقْبَلَتْ تَلْھَبٗ

خیبر والے جانتے ہیں، میرا نام مرحب ہے، میں مسلح ہوں اور تجربہ کار پہلوان ہوں بڑھکتی ہوئی جنگوں کے وقت۔

حضرت عامر رضی اللہ عنہ اسکے مدمقابل یہ اشعار پڑھتے ہوئے نکلے

قَدْ عَلِمَتْ خَيْبَرُ اَنِّیْ عَامِرٌ
شَاكِی السَّلَاحِ بَطَلٌ مُغَامِرٌ

خیبر والے جانتے ہیں کہ میرا نام عامر ہے میں مسلح بھی ہوں اور تجربہ کار بھی ہوں۔

حضرت عامر رضی اللہ عنہ نے مرحب پر وار کیا تو وہ پیچھے ہٹ کر وار بچا گیا، مگر حضرت عامر رضی اللہ عنہ کی تلوار چھوٹی تھی انکے ہی گھٹنے پر آلگی، جس سے حضرت عامر رضی اللہ عنہ شہید ہو گئے، تو بعض لوگوں کی زبان سے نکلا کہ کتنی عجیب بات ہے، اپنی تلوار سے مارے گئے مزہ تب ہی آتا، جب کسی کافر کی تلوار سے شہید ہو جاتے۔

تو حضرت عامر رضی اللہ عنہ کے بھانجے فرماتے ہیں کہ، میں بڑا غمزدہ ہوا کہ، لوگ میرے ماموں کے بارے میں کیسی باتیں کرتے ہیں، شاید واقعۃً ان کے مقام میں کوئی کمی ہو گئی ہو، تو حضرت پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا، اور عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرے ماموں اس حالت میں شہید ہوئے ہیں، لوگ ایسی باتیں کرتے ہیں، تو حضرت پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ، انکو عام شہداء سے دوگنا اجر ملے گا (ایک تو شہادت کا دوسرا انکی شہادت پر لوگوں کی باتیں کرنے کا)۔ (صحیح بخاری)

جو شہادت پا گیا خود اپنے ہی ہتھیار سے　　　　اس کو دگنا اجر بخشا جاتا ہے دربار سے

(۳): غزوہ احد میں مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ شہید ہو گئے، وہ چونکہ حضرت پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے مشابہ تھے، اس لئے شیطان نے حضرت پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی شہادت کی جھوٹی خبر اڑادی، تو مسلمانوں میں اضطراب پھیل گیا اور بد حواس ہو گئے، اس بدحواسی میں دشمن دوست کی تمیز بھی ختم ہو گئی حضرت یمان رضی اللہ عنہ بھی اسی کشمکش میں آگئے اور مسلمانوں ہی کے ہاتھ سے شہید ہو گئے، تو مسلمان بہت نادم اور شرمندہ ہوئے اور حضرت یمان رضی اللہ عنہ کے لئے، حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے کہا کہ، خدا کی قسم ہم نے پہچانا نہیں، حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔

يَغْفِرُ اللهَ لَكُمْ وَهُوَ اَرْحَمُ الرَّاحِمِيْنَ۔

اللہ تعالیٰ تم کو معاف کرے، وہ سب سے زیادہ مہربان ہے۔

حضرت پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے دیت دینے کا ارادہ فرمایا، مگر حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے انکار کر دیا جسکی وجہ حضرت پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے دل میں حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کی قدر و منزلت بڑھ گئی۔ (فتح الباری۔ ج ۷)

(۴)افغانستان میں مجاہدین کے معسکر خالد بن ولید، ژاور میں ایک استاد بھائی جمیل عمران سکنہ بن باجوہ تحصیل پسرور ضلع سیالکوٹ سے تعلق رکھنے والے مجاہدین کو گرنیڈ کی ٹریننگ دے رہے تھے، کہ گرنیڈ پھٹنے سے شہید ہوگئے، عینی شاہدین کا کہنا ہے کہ شہید ہونے کے فورابعد معسکر میں سے عجیب قسم کی بہت خوشگوار خوشبو پھیل گئی اور انکو معسکر ہی میں پہاڑی کے دامن میں معسکر کی مسجد میں جنوب مغرب کی سمت دفن کر دیا گیا، اور کئی روز تک آسمان سے انکی قبر تک روشنیوں کی ایک لمبی قطار سی آتی تھی اور پھر اوپر کو چلی جاتی۔

یہ ایسے شہید کی کرامت ہے جو کہ اپنے ہی گرنیڈ سے دنیائے فانی سے رخصت ہوا۔ اللہ تعالیٰ انکے مزید درجات بلند فرمائے۔

یہ کرامت اس بات کی دلیل نہیں ہے لیکن اللہ تعالیٰ کے ہاں یہ شہید ہی شمار ہو گا۔ کیونکہ اسمیں اسکے فعل کو دخل نہیں ہے۔

☆☆☆

اعتراض(۴۲)

مجاہدین جو کہ دین کی حفاظت اور غلبہ اور احکام شریعت کے نفاذ کے لئے جہاد کرتے ہیں مگر جب خود مشکلات میں گھرتے ہیں، تو دشمن کے خوف سے اپنی داڑھیاں منڈا لیتے ہیں۔ جب دین کا محافظ دین کی خاطر جان دینے والا ہی ایک سنت کی خاطر جان نہ دے سکے، تو پھر دوسرے لوگوں سے کیا توقع کی جاسکتی ہے؟

جواب نمبر ا:

احکامِ شریعت میں سب سے بڑا حکمِ شرعی اللہ تعالیٰ کی ذات پر غیر متزلزل ایمان ہے، اور شریعت کی نگاہ میں سب سے بڑا جرم کفر ہے، اور جب جان کے چلے جانے کا خدشہ ہو یا جسم کے کسی عضو کی ہلاکت کا خطرہ ہو تو، زبان سے کفر کا اظہار کرنا جائز ہے، بشرطیکہ دل میں ایمان موجود ہو اور دل مطمئن ہو۔

اس طرح شریعت کی نگاہ میں ناقابل معافی جرم، حضرت پاک ﷺ پر سب و شتم اور گالی گلوچ کرنا یہ اتنا بڑا جرم ہے کہ، فتح مکہ کے موقع پر حضرت پاک ﷺ نے سب کے لئے عام معافی کا اعلان فرمایا تھا، مگر پندرہ آدمیوں کے بارے میں حکم تھا کہ، جہاں ملیں قتل کر دئے جائیں۔ جبکہ ان میں بعض عورتیں بھی شامل تھیں، اور ان میں سے عبد اللہ بن خطل کو اس حالت میں قتل کرنے کا حکم صادر فرمایا، جب وہ بیت اللہ کا غلاف پکڑے گڑگڑا کر رو رہا تھا۔

مگر اپنی جان یا کسی عضو کے ہلاکت کا خطرہ ہو، اور کفار مجبور کریں تو اس کی شریعت نے اجازت دی ہے۔

دلیل نمبر ا:

اسکے لئے واقعہ حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ انکے صاحبزادے حضرت محمد بن عمار رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میرے والد عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ کو مشرکین نے پکڑ لیا، فَلَمْ يَتْرُكُوْهُ حَتّٰى سَبَّ النبی صلی اللہ علیہ وسلم وَ ذَكَرَ اٰلِهَتَهُمْ بِالْخَيْرِ ثُمَّ تَرَكُوْهُ۔

یعنی اس وقت تک نہیں چھوڑا جب تک کہ حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ نے حضرت پاک ﷺ کے خلاف نازیبا کلمات اور بتوں کی تعریف نہ کی۔

حضرت پاک ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور سارا قصہ سنایا،

تو حضرت پاک ﷺ نے فرمایا: فَكَيْفَ تَجِدُ قَلْبَكَ کہ تمہارے دل کی حالت کیسی تھی تو انہوں نے عرض کیا: مُطْمَئِنًّا بِالْاِيْمَانِ کہ دل تو ایمان ہی کے ساتھ مطمئن تھی۔

توحضرت پاک ﷺ نے ارشاد فرمایا:" فَاِنْ عَادُوْا فَعُد" اگر کفار دوبارہ تمہیں گرفتار کریں توتم بھی دوبارہ اسی طرح کے کلمات کہہ کر جان بچالینا۔(الجوھرۃ النیرۃ)۔

اس پر آیت کریمہ نازل ہوئی۔

مَنْ كَفَرَ بِااللهِ مِنْ بَعْدِ اَيْمَانِهٖ اِلَّامَنْ اُكْرِه وَقَلْبهُ مُطْمَئِنٌّ بِالْاِيْمَانِ وَ لٰكِنْ مَّنْ شَرَحَ بِالْكُفْرِ صَدْرًا فَعَلَيْهِمْ غَضَبٌ مِّنَ االلهِ وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ(سورۃ النحل)

جو کوئی منکر ہو اللہ کا اس پر یقین لانے کے بعد مگر وہ نہیں جس پر زبردستی کی گئی اور اس کا دل برقرار ہے ایمان پر لیکن جو کوئی دل کھول کر منکر ہو اسو ان پر غضب ہے اللہ کا اور انکو بڑا عذاب ہے۔

دلیل ۲:

اسی طرح حضرت محمد بن مسلمہؓ کی جب تشکیل ہوئی کہ، وہ کعب بن اشرف یہودی کو خفیہ طور پر قتل کر دیں، توانہوں نے حضرت پاک ﷺ سے عرض کیا، حضرت اس بدبخت کو اپنے شکار میں پھنسانے کے لئے اگر آپ ﷺ کی ذات بابرکت کی شان کے خلاف نازیبا الفاظ کہنے پڑیں تو اجازت ہے، حضرت پاک ﷺ نے فرمایا، ہاں اجازت ہے۔

دلیل نمبر ۳:

اسی طرح دیکھئے ایمان کے بعد ارکانِ اسلام میں فرائض میں سب سے اہم رکن اور فریضہ نماز ہے، مگر جہاد کے موقع پر اگر ایسا موقع پیش آجائے، کہ مجاہد سواری سے نیچے اتر کر نماز نہ پڑھ سکتا ہو، تو اجازت ہے کہ سواری پر پڑھ لے، اور سواری سے اتر کر اگر خدشہ ہو کہ قبلہ رو ہو کر نماز پڑھی، تو دشمن عقب سے حملہ آور ہو سکتا ہے، تو اجازت ہے کہ قبلہ سے رخ پھیر لو۔

اور تو اور اگر یہ خدشہ ہو کہ نماز پڑھیں گے، تو دشمن حملہ آور ہو کر کام تمام کر دے گا، تو شریعت نے اس بات کی بھی اجازت دی ہے، کہ نماز کو قضا کر دو مگر جہاد کو موخر نہ کرو۔

جیسا کہ غزوہ خندق میں، حضرت پاک ﷺ کی ایک نمازِ عصر یا بعض روایات کے مطابق چار نمازیں قضاء ہو گئیں۔ اسی طرح رمضان مبارک کے روزے جو کہ نماز کے بعد سب سے اہم رکن ہیں، کے بارے میں حکم ہے کہ اگر روزہ کی وجہ سے ضعف پیدا ہو، اور دشمن کے مقابلہ کی سکت نہ ہو، تو روزے قضاء کرنے کی اجازت ہے، مگر جہاد کو موخر کرنے کی اجازت نہیں ہے۔

جب جانی ہلاکت کے خوف سے زبان سے کلمہ کفر اور حضرت پاک ﷺ کی شان میں گستاخی کرنے اور جہاد پر مشکلات کی بناء پر نماز اور روزہ کے چھوڑنے یعنی موخر کرنے اور قضاء کرنے کی اجازت ہے، تو پھر اگر جان کا خطرہ ہو تو اس داڑھی کو ختم کرانے میں، جس کی وجہ سے شناخت ہو کر پکڑا جانے کا خطرہ ہو کی اجازت ہونے میں کیا تردد ہو سکتا ہے۔

گرم ہو جس وقت میدانِ جہاد

تو نمازوں کا قضا کرنا روا

حضرتِ محبوبِ حق کی شان میں

جب بظاہر ہو جفا کرنا روا

کیوں نہ ہو تا جان کے پھر خوف سے

ریش نذرِ استرا کرنا روا

ایک قابل غور پہلو یہ ہے کہ، کلمہ کفر جان یا جس کے کسی ایک حصہ کی ہلاکت کی وجہ سے عام آدمی کے لئے جائز ہے، حالانکہ یہ تو اسکی ذات کا مسئلہ ہے، جب کہ مجاہد کا معاملہ تو اس سے بہت مختلف ہے، کیونکہ مجاہد کی ذات کا مسئلہ نہیں، بلکہ اس کی زندگی سے ہزاروں زندگیاں وابستہ ہیں، اس لئے، اسکے لئے اسمیں تردد اور شک و شبہ کی گنجائش نہیں۔

ہاں اس کا فیصلہ تو مجاہد ہی کر سکتا ہے کہ، اسکو کیسے حالات در پیش ہیں، مگر دل کی کیفیت کا خیال کرنا چاہیے، دل میں حضرت پاک ﷺ کی سنتِ مبارکہ سے محبت ہو اور اسکے صاف کرنے کا غم اور دکھ ہو۔

جیسا کہ بعض عرب مجاہدین کو دیکھا گیا ہے، جب افغان جہاد کے بعد واپس اپنے ملکوں کو جانے لگے، خصوصاً مصر کے عرب تو اپنی ایک مٹھی بھر داڑھی جو کہ چہرے کی زینت اور باغ نبوت کے پھول تھے، کراچی میں صاف بھی کروا رہے تھے، اور آنکھوں سے آنسو بھی جاری تھے۔ ان شاء اللہ یہ آنسو بھی صدر حسنی مبارک کے لئے سیلاب بن جائیں گے۔ اللہ تعالیٰ ہمارے دین کی حفاظت فرمائے۔

آمین یَارَبَّ الْعٰلَمِیْن۔

تنبیہ:

داڑھی کے بارے میں عام تاثر یہ ہے، کہ یہ سنت ہے اور بالوں کی اتنی لمبائی کافی ہے جس سے دیکھنے والا یہ کہہ سکے کہ فلاں شخص نے داڑھی رکھی ہوئی ہے، جیسے کہ مودودی کا نظریہ تھا۔

مگر یہ بات درست نہیں، پہلی بات تو یہ کہ داڑھی واجب ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ داڑھی کی مقدار جو مٹھی سے بھی کم ہو، یہ استرے کے حکم میں ہے، استرے کے ساتھ مونڈی ہوئی یا اپنی مٹھی سے کم کرائی اور تراشی ہوئی داڑھی کے جرم اور گناہ ہونے میں کوئی فرق نہیں۔ بلکہ مٹھی سے کم داڑھی رکھنا اور سنت سمجھنا، یہ تو استرے کے ساتھ مونڈی ہوئی داڑھی سے بڑا جرم ہے، کیونکہ یہ ظالم ایسی داڑھی کو داڑھی سمجھ رہا ہے، جس کو شریعت داڑھی نہیں مانتی اور یہ ظالم حکمِ شرعی کو تبدیل کر رہا ہے، ایسے شخص کے تو ایمان میں خطرہ محسوس ہوتا ہے۔

لہٰذا جب یہ اپنے جرم کو جرم نہیں سمجھ رہا، تو یہ توبہ بھی نہیں کرے گا، اور زندگی بھر اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کرتا رہے گا۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو دین کی صحیح فہم اور عمل کی توفیق عنایت فرمائیں۔
آمین یَارَبَّ الْعٰلَمِیْن۔

☆☆☆

اعتراض(۴۳)

مجاہدین مہمانوں کی آمد پر اسلحہ سے استقبال کرتے ہیں، کیا شریعت سے اس کا ثبوت ہے ؟

جواب نمبر ا:

ہاں ہاں بالکل ثبوت ہے، دیکھئے حضرت انسؓ فرماتے ہیں:

لَمَا قَدِمَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ الْمَدِيْنَةَ لَعِبَتِ الْحَبْشَةُ لِقُدُوْمِهٖ فَرْحاً بِذٰلِكَ لَعِبُوا بِحَرَابِهِمْ.

(سنن ابی داود ج ۶ ص ۱۹۳)

جب حضرت پاک ﷺ مدینہ طیبہ تشریف لائے، تو حبشہ کے لوگوں نے اس خوشی میں (اس وقت کے اسلحہ) نیزہ بازی کے جوہر دکھائے۔

جواب نمبر ۲:

ویسے بھی یہ اصول اور مشاہدہ ہے، کہ مہمان کی آمد پر تمام لوگ اپنے اپنے فن کا مظاہرہ کرتے ہیں، اگر کسی مدرسہ میں کوئی مہمان آئے گا، تو اہل مدرسہ بچوں سے قرآن سنوائیں گے، اگر کسی کلب میں جائے گا، تو مہمانوں کے سامنے وہاں کا کھیل پیش کیا جائے گا، اگر کسی ہوٹل میں جائے گا، تو وہاں ہوٹل کی معیاری ڈشیں پیش ہوں گی، اسی طرح مجاہدین اپنے فنِ حرب وضرب سے مظاہرہ کرتے ہیں، تو یہ عام معاشرہ کے دستور کے مطابق ہے اور طبائع کے موافق بھی۔

جواب نمبر ۳:

اسلحہ کے استقبال سے جہاں مجاہدین کو خوشی ہوتی ہے، وہاں کفر پر رعب پڑتا ہے، کیونکہ کفر اگرچہ براہِ راست یہ کاروائی نہ دیکھے، تو بھی اسکے ایجنٹ خبریں تو دیتے ہیں، اور مجاہدین کی خوشی پر کفر جل مرتا ہے۔

جواب نمبر ۴:

اسی طرح بہت سے لوگ اسلحہ سے مانوس ہوتے ہیں، اور نئے حضرات جو اسلحہ سے دور رہنے کی وجہ سے خوف وہراس کا شکار ہو جاتے ہیں، یہ اسلحہ کے ساتھ استقبال کرنا، انکی ہمت بڑھاتا ہے اور دل کے روگ بزدلی کو بھی دور کرتا ہے۔ اسکے علاوہ اس میں اور بہت سی حکمتیں ہیں۔

اللہ تعالیٰ ہمیں اسلحہ کے ساتھ محبت عطاء فرمائیں۔

آمین، یارب العالمین۔

جن کے دل خائف رہیں ہتھیار

سجانے پھر اس قوم کا کیا حال ہو

جب کہ مہماں بن کے آئے مردِ حق

اسلحے سے کیوں نہ استقبال ہو۔۔

☆☆☆

اعتراض(۴۴)

اگر اپنی جان، مال کا دفاع کرنا واجب ہے، تو پھر حضرت آدم علیہ السلام کے بیٹے ہابیل نے اپنا دفاع کیوں نہ کیا، کیونکہ انکے بھائی قابیل نے انکو قتل کرنے کا ارادہ کیا تو ہابیل نے فرمایا تھا۔

لَئِنْ بَسَطتَّ اِلَیَّ یَدَکَ لِتَقْتُلَنِیْ مَااَنَا بِبَاسِطٍ یَدِیَ اِلَیْکَ لِاَ قْتُلَکَ

اگر تو ہاتھ چلائے گا مجھ پر مارنے کو میں نہ ہاتھ چلاؤں گا تجھ پر مارنے کو۔

جواب نمبر ا:

حضرت عبداللہ بن عباسؓ مفسر قرآن فرماتے ہیں، کہ حضرت ہابیل کا اس کلام کا مقصد یہ ہے کہ تمہارے دل میں میرے قتل کا ارادہ ہو، تو بھی میں تمہارے قتل کا ارادہ نہیں رکھتا۔ اس کا یہ مطلب لینا کہ اگر تم مجھے قتل کروگے، تو میں دفاع بھی نہ کروں گا، سراسر غلط ہے۔

جواب نمبر ۲:

اور اگر یہ مطلب بھی لیا جائے، کہ تم مجھے قتل کرو تو میں دفاع بھی نہ کروں گا، تو ہم یہ کہیں گے، یہ حکم اور مسئلہ پہلی شریعتوں میں ہو گا جو کہ اب منسوخ ہو گیا۔

فائدہ:

حضرت ہابیل کو ایسی حالت میں قتل کیا گیا کہ وہ سوئے ہوئے تھے۔

☆☆☆

اعتراض(۴۵)

بسا اوقات کسی علاقہ میں کوئی شہید آتا ہے، اور اسکے بدن سے خوشبو نہیں آتی، تو لوگ اس پر اعتراض کرتے ہیں، کہ یہ شہید نہیں ہے، کیونکہ اگر یہ حقیقی شہید ہوتا، تو اس کے جسم سے خوشبو بھی آتی۔

جواب نمبر ا:

پہلی بات تو یہ ذہن نشین کر لینی چاہیے، کہ شہید کے جسم سے جو خوشبو آتی ہے، وہ شہید کی کرامت ہے اور کرامت تو اللہ تعالیٰ کا فعل ہوتا ہے، جو کہ بندہ کے ہاتھ پر ظاہر ہوتا ہے اور اسمیں بندے کا کوئی دخل نہیں ہوتا، اسلئے کسی شہید کے جسم سے خوشبو کا نہ آنا، اسکی شہادت میں نقص کی علامت نہیں ہے۔ زیادہ سے زیادہ اس پر یہ کہہ سکتے ہیں کہ یہ کرامت اس شہید پر ظاہر نہیں ہوئی۔

جواب نمبر ۲:

دوسری بات یہ کہ شہید کے جسم سے خوشبو کا لازمی طور پر آنا، نہ تو شہادت کی قبولیت کی علامت ہے، نہ ضروری اور نہ ہی کسی حدیث سے، شہادت کے فضائل میں یہ وارد ہے کہ شہید کے جسم سے ضرور خوشبو آئے گی

جواب نمبر ۳:

تیسری بات یہ ہے کہ شہید کے جسم سے خوشبو تو کجا شہید کے بدن کا سالم رہنا بھی ضروری نہیں، کیونکہ بدن کا سالم رہنا اور اسکو مٹی کا نہ کھانا، یہ صرف اور صرف انبیاء علیہم السلام کی خصوصیت ہے، اس لئے انبیاء کے علاوہ کسی اور کے (خواہ وہ شہید ہو یا صالح شخص) بدن سے خوشبو کا نہ آنا یا اسکے جسم کا مٹی میں مل جانا، اور خاک ہو جانا نہ شہادت کے منافی ہے، نہ ہی ولایت کے منافی ہے۔

اس لئے کسی شہید کے بدن سے خوشبو نہ آئے، یا کسی شہید کا بدن تعفن زدہ ہو، تو اس سے شبہ پیدا نہ ہونا چاہیے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو دین کی سمجھ دے!

آمین یَارَبَّ الْعٰلَمِیْن۔

☆☆☆

اعتراض(۴۶)

عام طور پر ایک بات یہ کی جاتی ہے، کہ اسلحہ لگا کر مسجد میں نہ آنا چاہیے، کیوں کہ اس سے لوگ خوف کریں گے، تو مسجد میں نماز باجماعت ترک کر کے گناہ گار ہوں گے، اور اگر مسجد میں اسلحہ لایا گیا، تو ذہن اسلحہ کی طرف منتقل ہو گا، جس سے نماز میں خشوع و خضوع ختم ہو جائے گا۔

جواب نمبرا:

اللہ اکبر، دین سے کس قدر دوری ہے، اور اسلحہ سے کس قدر نفرت ہے۔ اصل میں تو یہ سوال اس لئے پیدا ہوا، کہ امت نے اجتماعی طور پر اسلحہ کو زیب تن کرنا ترک کر دیا، ورنہ یہ ذہن میں وسوسہ کبھی کھٹکتا بھی نہ ۔اس کا اصل حل تو یہ ہے کہ اسلحہ اس قدر عام کر دیا جائے، کہ ہر نمازی کے کندھے کی زینت ہو، جس طرح ہر نمازی کے سر پر ٹوپی یا عمامہ ہوتا ہے، اس طرح ہر نمازی کے کندھے پر اسلحہ سجا ہوا ہو۔

کیونکہ اس طرح اسلحہ کے عام ہونے سے، اسلحہ سے نفرت اور وحشت ختم ہو گی، پھر کوئی بھی نمازی صرف اسلحہ کے ڈر سے، نماز باجماعت چھوڑ کر گناہ گار نہ ہو گا، اور نہ ہی اسلحہ کو دیکھ کر اسلحہ کی طرف ذہن منتقل ہونے سے، نماز کے خشوع و خضوع میں کمی واقع ہو گی۔ کیونکہ جب ایک چیز رواج پا جاتی ہے، تو پھر اس سے ذہن کو خدشات بھی لاحق نہیں ہوتے، اور طبیعت کو وحشت بھی نہیں ہوتی۔

مسجد و محراب و منبر ہو کوئی کہ خانقاہ — اسلحے کا خوف اب دل سے نکلنا چاہیے

اسلحہ تو مردِ مومن کے لئے زیور ہے دوست — اسلحے سے لیس ہو کر ہم کو چلنا چاہیے

آپ دیکھیں اس وقت بھی پاکستان میں ہی، قبائل کے لوگوں کے پاس کس قدر اسلحہ ہے، وہ نماز میں بھی اسلحہ ساتھ رکھتے ہیں، اور نہ نمازی کم ہوتے ہیں اور نہ انکے خشوع و خضوع میں کمی آتی ہے۔

اسلئے ہم بجائے اسکے کہ اسلحہ چھوڑنے کی ترغیب دیں، کہ اس سے وحشت ہوتی ہے، بلکہ اسلحہ رکھنے کی ترغیب دیں تا کہ اسلحہ سے وحشت ختم جائے۔

مثال:

اسکی مثال تو ایسے ہے، کہ ہمارے ملک میں اگر کسی گھر میں کوئی مجاہد یا مولانا صاحب تشریف لے آئیں، تو چھوٹے بچے داڑھی دیکھ کر ڈر جاتے ہیں، تو اسکا ایک حل تو یہ ہے (جو کسی طرح بھی جائز نہیں) کہ العیاذ باللہ داڑھی والے لوگ داڑھی منڈوانا شروع کریں، کہ اس سے بچوں کو ڈر لگتا ہے اور دوسرا حل یہ ہے کہ مقامی

حضرات داڑھی رکھنا شروع فرمادیں، تاکہ بچے داڑھی سے اسقدر مانوس ہو جائیں کہ داڑھی منڈھوں سے انکو وحشت نہ ہو، جیسے ایک واقعہ سنا ہے، نامعلوم کہاں تک صحیح ہے، کہ افغانستان میں جہاد کے دوران انگریز عیسائی وہاں گئے، تو بچے جمع ہو گئے اور ان کا مذاق اڑانے لگے کہ یہ کون سی مخلوق آگئی ہے، ان گوروں نے لوگوں سے اس کی وجہ پوچھی، تو بتایا گیا کہ ان کے نزدیک بغیر داڑھی کے مرد کا تصور ہی نہیں ہے، اس لئے وہ تم پر تعجب کر رہے ہیں کہ تم انکی نظر میں نہ مرد ہو نہ عورتیں۔

جواب نمبر ۲:

اب اس بارے میں حضرت پاک ﷺ کا مبارک عمل دیکھیں اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کا عمل مبارک بھی، تو بات ذہن میں صاف ہو کر اتر جائے گی۔

حضرت پاک ﷺ نے مسجد میں اسلحہ کو لانے کا ادب یہ بیان فرمایا:

عَنْ بُرْدَةَ (رض) عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ مَنْ مَّرَّ فِيْ شَيْئٍ مِنْ مَسَاجِدِ نَا اَوْاَسْوَاقِنَابِنَبَلٍ فَلْيَاْخُذْ عَلٰى نِصَالِهَا لَا يَعْقُرُ بَكَفِّهٖ مُسْلِمَا (صحیح بخاری، ج۱)

کہ جو شخص تیر لگا کر مسجد میں آئے تو اس کو چاہئے کہ وہ اسکے پھل پر کوئی چیز باندھ لے تا کہ کوئی زخمی نہ ہو۔

جواب نمبر ۳:

بلکہ حضرت پاک ﷺ کے زمانہ مبارکہ میں مسجد میں اسلحہ کی خیرات ہوئی تھی،

عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ اَنَّہٗ اَمَرَ رَجُلًا كَانَ يَتَصَدَّقُ بِالنَّبْلِ فِى الْمَسْجِدِ اَنْ لَّايَمُرَّبِهَا اِلَّا وَهُوَاٰخِذٌ بِنَصُوْلِهَا (صحیح مسلم ج۲)۔

ایک صحابی مسجد میں تیر صدقہ کر رہے تھے۔

حضرت پاک ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ان کے پھلوں کو پکڑ کر رکھو تا کہ کوئی زخمی نہ ہو۔

بلکہ حضرت پاک ﷺ نے عید الاضحی کا خطبہ کمان پر ٹیک لگا کر دیا۔(مصنف عبد الرزاق ج۳)

جواب نمبر ۴:

اس سے بڑھ کر یہ کہ حضرت پاک ﷺ کے مبارک دور میں صحابہؓ، تو مسجد میں اسلحہ کی تربیت اور مشق فرمایا کرتے تھے۔ حضرت ام المومنین میری امی عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں:

لَقَدْ رَاَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ يَوماً عَلٰى بَابِ حُجْرَتِى وَالْحَبْشَةُ يَلْعَبُوْنَ فِىْ الْمَسْجِدِ وَفِىْ رِوَايَةٍ يَلْعَبُوْنَ بِحَرَابِهِمْ (صحیح بخاری، ج۱)

کہ ایک دن حبشہ کے لوگ مسجد میں نیزہ بازی کی مشق کر رہے تھے اور حضرت پاک ﷺ میرے حجرہ کے دروازہ پر کھڑے ان کو ملاحظہ فرما رہے تھے۔

جواب نمبر ۵:

فقہاء نے تو یہاں تک لکھا ہے، کہ جو علاقے جہاد سے فتح ہوئے، وہاں خطیب اپنے ہاتھ میں تلوار لے کر خطبہ دے، لوگوں کو یہ جتانے کے لئے کہ یہ علاقہ تلوار سے فتح کیا ہے، اگر لوگ اسلام سے پھرتے ہیں، تو یہ سوچ لیں کہ ابھی تک مسلمانوں کے ہاتھ میں یہ تلوار موجود ہے، جو اسلام سے انحراف کرنے والوں کا دماغ درست کر دے گی۔ تفصیلات کے لئے دیکھئے (فتاویٰ ھندیہ ج ۱)

اب اگر علماء و صلحاء بجائے ہاتھ میں تلوار لے کر خطبہ دینے کے تلوار کو ہی علم کی توہین سمجھنے، بلکہ بیان کرنے لگیں اور تلوار کو اخلاق اور زہد و تقویٰ کو ضد قرار دیں، اور اسلام کے راستہ کی رکاوٹ سمجھنے لگیں تو پھر کفر نہیں پھیلے گا، تو کیا پھیلے گا؟

اس لئے میرے محترم قارئین آئیں ہم کوشش بھی کریں، اور دعا بھی کریں کہ اللہ تعالیٰ مسلمانوں کے دلوں میں دین کے لئے اسلحہ کی اتنی محبت ڈال دے، جتنی زندہ رہنے کے لئے زندگی کی۔

آمین یَارَبَّ الْعٰلَمِیْن۔

☆☆☆

اعتراض(۴۷)

اگر ہم اپنے بدن سے اسلحہ لگا کر پھریں گے، تو اس سے اسلام کے بارے میں لوگوں کے ذہن میں غلط تصویر آئے گی، اور لوگ اسلام سے وحشت اور نفرت کریں گے، اور کافر لوگوں کو ایک بہانہ مل جائے گا، یہ اعتراض کرنے کا، کہ اسلام ایک غیر مہذب دین ہے؟

جواب نمبر ا:

ہمارے لئے ہر ایک مسئلہ میں حضرت پاک ﷺ اور آپ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کا عمل ہی حجت ہے۔ تو دیکھئے کہ حضرت پاک ﷺ باوجود کہ تمام لوگوں میں سب سے زیادہ بہادر ہیں مگر پھر بھی اسلحہ اپنے پاس رکھتے تھے۔

روایات میں ایک مرتبہ مدینہ والے رات کے وقت کسی آواز کی وجہ سے خوف زدہ ہوگئے، اور سب اس آواز کی طرف نکلے، تو حضرت پاک ﷺ سب سے آگے تھے، اور لوگوں کو تسلی دے رہے تھے، اس وقت آپ ﷺ، حضرت ابو طلحہ رضی اللہ عنہ کے گھوڑے کی ننگی پشت پر سوار تھے، اور آپ ﷺ کی گردن مبارک میں تلوار لٹک رہی تھی۔ (صحیح بخاری ج ا ص ۴۰۷)

اور اس بارے میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کا عمل کیا تھا۔ اسکے لئے دیکھیں حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ اپنے قیدیوں کے مذاکرات کے سلسلہ میں شاہ روم کے پاس تشریف لے گئے، جب آپ بادشاہ کی رہائش گاہ کے قریب پہنچے، تو کفار کے لشکر کے سردار نے کہا کہ اب تم لوگ بادشاہ کی رہائش گاہ تک پہنچ گئے ہو، لہٰذا اب گھوڑوں سے اتر جاو، اور اپنی تلواریں یہیں رکھ دو۔

حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے جواب میں فرمایا، گھوڑوں سے تو اتر جائیں گے، لیکن تلواریں ہم کبھی نہیں رکھیں گے، کیونکہ تلوار ہماری عزت ہے، کیا ہم اس عزت کو اتار دیں، جس کے ساتھ ہمارے نبی ﷺ کی بعثت ہوئی۔ (فتوح الشام)

فاتح مصر حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ جب تلوار سمیت شاہی محل میں داخل ہونے لگے، تو شاہی محافظوں نے آپ کے گلے سے تلوار لینے کی کوشش کی، تو آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا، میں واپس چلا جاؤں گا، مگر بغیر تلوار کے داخل نہ ہوں گا۔ تم جانتے نہیں کہ ہم وہ لوگ ہیں، جنکو اللہ تعالیٰ نے اسلام سے عزت بخشی، ایمان کے ذریعہ نصرت عطا فرمائی اور تلوار کی برکت سے ہم کو مضبوط کیا اور یہی تو وہ تلواریں ہیں، جن کے ذریعہ ہم نے اہل

شرک اور سرکش لوگوں کے دماغ درست کئے ہیں۔(فتوح مصر)

جواب نمبر۲:

اگر ہم اسلحہ کو چھوڑ دیں، اور اسلحہ کے بغیر چلے پھریں، تو یہ کفار کی دلی خواہش ہے، قرآن کریم چیخ چیخ کر کہہ رہا ہے۔

وَدَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوْ تَغْفُلُوْنَ عَنْ اَسْلِحَتِكُمْ وَاَمْتِعَتِكُمْ فَيَمِيْلُوْنَ عَلَيْكُمْ مَّيْلَةً وَّاحِدَةً

کافر چاہتے ہیں کسی طرح تم بے خبر ہو اپنے ہتھیاروں اور اسباب سے تا کہ تم پر حملہ کریں یکبارگی (تفسیر عثمانی) اس لئے مسلمانوں کو حکم ہے

کہ مسلمان احتیاط بھی کریں اور ہتھیار بھی پاس رکھیں۔

اب آپ فیصلہ فرمائیں کہ کیا ہم اسلحہ کے بغیر زندگی گزار کر، اللہ تعالیٰ کو خوش کر رہے ہیں، یا کفار کی دلی تمنا پوری کر رہے ہیں۔

اور بد تر بات یہ ہے کہ، کفار اس پر بھی راضی نہیں اور نہ ہی راضی ہوں گے، کیونکہ قرآن کریم کہہ رہا ہے کہ، کافر تو تب راضی ہوں گے جب تم اسلام اور ایمان چھوڑ کر کفر کی تاریک وادیوں میں داخل ہو جاو گے (البقرۃ۔۱۲۰)

جواب نمبر۳:

میں کہتا ہوں کہ اصل بات یہ ہے کہ ہمارے اپنے اندر بزدلی کا مرض اس قدر سرایت کر چکا ہے، کہ الامان والحفیظ، چاہیے تو یہ تھا کہ ہم اپنی بزدلی کو دور کرتے، اور وہ دور ہوتی ہے، میدان جنگ میں کیونکہ شجاعت خیراتی پلیٹ میں کسی دربار پر تو تقسیم نہیں ہوتی۔ آؤ میرے دوستو بزرگو اس میدان کا رخ کر لیں جو ہمیں حضرت پاک ﷺ دکھا کر گئے تھے، اے اللہ! ہم سب کو میدان جہاد میں نکلنے کی توفیق دے اور ہمارے اندر سے بزدلی کو نکال دے، آمین، یارب العالمین

ارشادات

حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کا ارشاد گرامی ہے: تمہیں پتہ نہیں کہ ہم وہ لوگ ہیں جن کو اللہ نے اسلام سے عزت دی ایمان کے ذریعہ نصرت عطاء فرمائی اور تلوار کی برکت سے ہم کو مضبوط کیا اور یہی وہ تلواریں ہیں جن کے ذریعہ سے اہل شرک اور سرکش لوگوں کے دماغ درست کر ڈالے۔(فتوح مصر)

سیف اللہ ، حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کا ارشاد گرامی: (تم جانتے نہیں) ہم وہ لوگ ہیں جو اپنی تلواریں غیروں کو نہیں دیا کرتے اور تم کو یہ بھی اچھی طرح معلوم ہونا چاہیے، کہ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت تلوار کے ساتھ ہوئی اور یہ تلوار ہم کو ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم پہنا کر گئے ہیں، پس جو شرف ہمیں ہمارے اللہ اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے عطا فرمایا اسے ہم اپنے سے جدا ہر گز نہیں کر سکتے۔ (فتوح الشام)

تاریخ اسلام کے جرنیل اور فاتح القدس کمانڈر صلاح الدین ایوبیؒ کا ارشاد ہے: میں نہیں جانتا کہ اسلام تلوار سے پھیلا یا اخلاق سے مگر میں اسلام کے تحفظ کے لئے تلوار ضروری سمجھتا ہوں۔

شیخ التفسیر والحدیث حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ کا ارشاد: "بنی نوع انسان کی طبائع یکساں نہیں ، کسی کے لئے خدا نے کتاب اتاری اور کسی کے لئے لوہا اتارا۔ (سیرت المصطفی)۔

سجتا اسی پھول سے اسلام کا گلشن
یعنی ہے جہاد اصل میں ایمان کی زینت
تلوار سے ملتا نہیں وحشت کا تصور
تلوار تو ہے مردِ مسلمان کی زینت

قابل رشک نمازی

قابل رشک ہے ایسا نمازی جس نے مسواک کے ساتھ وضو کیا ہو، کہ اس سے ستر گنا نماز کا اجر بڑھ جاتا ہے، اور جسکے کاندھے پر تلوار لٹکی ہو یا پسٹل یا خنجر کمر سے باندھا ہو، کیونکہ اسلحہ کے ساتھ نماز کا اجر ستر گنا بڑھ جاتا ہے اور جسکے سر پر عمامہ ہو کیونکہ پگڑی باندھ کر نماز پڑھنے سے نماز کا اجر ستر گنا بڑھ جاتا ہے۔

جس نے جماعت کے ساتھ نماز ادا کی ہو کہ اس سے نماز کا ستائیس گنا اجر بڑھ جاتا ہے

(ابن اسحاق، دیلمی) اور

میری گزارش ہے کہ ذرا کیلکولیٹر نکالیں اور ضربیں دینی شروع کیجئے ۔

ستر ضرب ستر ضرب ستر ضرب ستائیس ضرب انچاس کروڑ۔۔70×70×70×27×49,000000

ذَالِکَ فَضْلُ االلہِ یُؤْتِیْہِ مَنْ یَشَاءُ ۔۔ یہ اللہ کا فضل ہے جس کو چاہے عطا فرمائے۔

☆☆☆

اعتراض(۴۸)

اس دور میں بلکہ ہر دور میں جہاں پر اسلام کے خلاف دوسرے اعتراضات کئے جاتے ہیں، وہاں پر ایک اعتراض یہ بھی کیا گیا ہے، اور کیا جارہا ہے کہ جہاد کے نتیجہ میں انسان کی تذلیل کی جاتی ہے، مردوں کو غلام بنا کو جانوروں کی طرح بر سر عام، انکو فروخت کیا جاتا ہے، ان سے خدمت لی جاتی ہے، انکی شخصی زندگی ختم ہو جاتی ہے اور عورتوں کو باندیاں اور لونڈیاں بنایا جاتا ہے اور بغیر نکاح کے انکو حرم میں رکھنے، اور استعمال کرنے کی اجازت دی گئی ہے، یہ سراسر انسانیت کی تذلیل ہے۔

جواب:

میں بہتر سمجھتا ہوں کہ بجائے خود اس کا جواب دینے کے شیخ المعقولات والمنقولات شیخ التفسیر والحدیث حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب سیرت المصطفٰی ج ۲ سے اس کا جواب لفظ بلفظ نقل کر دوں۔

اسلام اور مسئلہ غلامی

حق تعالیٰ شانہ' نے جو عزت اور کرامت انسان کو دی، وہ کسی مخلوق کو نہیں دی، اپنی خاص صفات کمالیہ، علم وقدرت، سمع وبصر، تکلم وارادہ کا مظہر اور تجلی گاہ بنایا، اپنی خلافت سے سرفراز فرمایا، مسجود ملائک بنایا، تمام مخلوق پر اس کو فضیلت دی، حتیٰ کہ ابلیس لعین بھی بول اٹھا۔ "هٰذَا الَّذِیْ كَرَّمْتَ عَلَیَّ" تمام کائنات کو اس کے لئے پیدا کیا اور اسکو اپنی عبادت اور عبودیت کے لئے بنایا، اسکو وہ حریت اور آزادی عطا فرمائی، کہ تمام روئے زمین اسکی ملک اور تصرف میں دی کَمَا قَالَ تَعَالیٰ " خَلَقَ لَكُمْ مَّا فِی الْاَرْضِ جَمِیْعًا "لیکن جب اس نادان انسان نے اپنے خالق اور پروردگار کے واجب الاطاعت ہونے ہی سے انکار کر دیا، اور خداوند ذالجلال سے بغاوت (کفر) کی ٹھان لی اور انبیاء ومرسلین سے مقابلہ اور مقاتلہ کے لئے میدان میں نکل آیا، تو ساری کرامتیں اور عزتیں خاک میں مل گئیں، اور حریت اور آزادی جو اسکو عطا کی گئی تھی، وہ یکمشت سلب کر لی گئی اور حق جلّ وعلیٰ نے اس باغی اور سرکش انسان کو، اپنے ان عبادِ صالحین کا جنہوں نے اس کا بول بالا کرنیکے لئے جان بازی اور سرفروشی کی عبد ومملوک بنا دیا۔

اور انکو یہ اجازت دی کہ بہائم اور اموالِ مملوکہ کی طرح، جس طرح چاہو، اسکی خرید و فروخت کرو، تم کو اسکی بیع و شراء میں اور رہن کا کلی اختیار ہے، اور یہ تمہارے بغیر اجازت کے کوئی تصرف نہیں کر سکتا، جرم کی سزا اسکی نوعیت کے لحاظ سے ہوتی ہے، جس درجہ کا جرم ہو گا، اسی درجہ کی سزا ہو گی، چوری اور زنا کے مجرم چند روز سزا پانے کے بعد رہا کر دیئے جاتے ہیں، کیونکہ یہ جرم رعیت کے مقابلہ میں ہے، لیکن بغاوت کا جرم معاف نہیں کیا جا سکتا، کیونکہ وہ حکومت کے مقابلہ میں ہے، اور حکومت سے انحراف اور سرتابی ہے۔

اس وجہ سے ارشاد ہے "اِنَّ اللّٰہَ لَا یَغْفِرُ اَنْ یُّشْرَکَ بِہٖ وَیَغْفِرُ مَادُوْنَ ذٰلِکَ لِمَنْ یَّشَآءُ"

تحقیق اللہ تعالیٰ اس جرم کو معاف نہیں کریں گے، کہ اسکے ساتھ کسی کو شریک قرار دیا، اور شرک سے کم درجہ کے جو گناہ ہیں، وہ جس کو چاہیں گے معاف کر دیں گے۔

کیونکہ کافر و منکر اصولی طور پر اللہ تعالیٰ کو واجب الاطاعت اور اس کے بھیجے ہوئے قانون کو واجبُ العمل نہیں سمجھتا اور نہ اپنے کو خداوند ذوالجلال کی مرضی کا پابند خیال کرتا ہے۔ اس لئے یہ شخص خدا کا باغی ہے، اگر فطری یا عقلی یا اخلاقی طور پر اس سے ایسے ہی اعمال صادر ہوتے ہوں، کہ جو شریعت کے مطابق ہوں، کیونکہ یہ اطاعت اور متابعت نہیں، بلکہ محض صورۃً توافق اور موافقت ہے، اصولی طور پر تو مخالف اور باغی ہی ہے، اور ظاہر ہے کہ اصولی مخالفت اور کلی نافرمانی اور اعتقادی انحراف کے ہوتے ہوئے، جزوی اور ظاہری موافقت کیا معتبر ہو سکتی ہے، اس لئے بغیر ایمان اور تسلیم کے مغفرت ناممکن ہے، اور تمام اعمال صالحہ اور اخلاق بغیر ایمان کے ہیچ ہیں۔ بخلاف مومن فاسق کے کہ اسکی مخالفت جزوی ہے۔ وہ اصولی طور پر خدا اور اس کے رسول کو واجب الاطاعت سمجھتا ہے، جب کوئی گناہ کر بیٹھتا ہے، تو بارگاہ ربوبیت میں رجوع ہو کر بصد عجز و نیاز اور بہزار خجالت و ندامت عفو تقصیر کی درخواست کرتا ہے۔

اسی وجہ سے ارشاد ہے۔

وَلَعَبْدٌ مُّؤْمِنٌ خَیْرٌ مِّنْ مُّشْرِکٍ وَلَوْ اَعْجَبَکُمْ اُولٰٓئِکَ یَدْعُوْنَ اِلَی النَّار

(سورۃ بقرۃ، آیت نمبر ۲۲۱)

اور ایک غلام مسلمان آزاد کافر سے کہیں بہتر ہے۔ اگرچہ وہ تم کو پسند آئے کیونکہ یہ لوگ جہنم کی طرف بلاتے ہیں۔ جانثار اور وفادار کو باغی اور غدار کے برابر کر دینا، عقل اور فطرت اور قوانین سلطنت میں صریح ظلم ہے وہ کونسی متمدن حکومت ہے، جسکے قانون میں فرمانبردار اور مجرم تمام احکام میں مساوی ہوں، خداوند عالم کا ارشاد ہے اَفَنَجْعَلُ الْمُسْلِمِیْنَ کَالْمُجْرِمِیْنَ (سورۃ قلم، آیت نمبر ۳۵)

کیا ہم اپنے فرمانبرداروں کو مجرموں کے برابر کر دیں کہ دونوں کے احکام میں کوئی فرق نہ رہے۔

تمام متمدن حکومتوں میں باغیوں اور پولیٹیکل مجرموں کی سزا چوروں اور بد معاشوں اور دھوکہ بازوں اور جعل سازوں سے کہیں زیادہ ہے۔ جس پر بغاوت اور سازش کا جرم ہو، اسکی سزا بجز سزائے موت یا عمر بھر کی جلا وطنی اور کچھ نہیں ہوتی۔ اگرچہ مادہ تمرد و عصیان اور سرکشی کا دونوں مجرموں میں ہے، مگر چوروں اور بد معاشوں کا تمرد رعیت کے کسی ایک یا چند افراد کے مقابلہ میں ہوتا ہے۔ وہ یہ چاہتا ہے کہ یہ حکومت ہی مٹ جائے اور تمام متمدن حکومتوں کی نظر میں بغاوت سے بڑھ کر کوئی جرم نہیں، چوری اور بدکاری کا جرم بغاوت سے بڑھ کر کوئی جرم نہیں۔ چوری اور بدکاری کا جرم بغاوت کے مقابلہ میں کوئی حقیقت نہیں رکھتا۔ حکومتوں کا مسلمہ قانون ہے، کہ جو شخص بغاوت کرے تو اسکی تمام فطری آزادی یکلخت سلب ہو جاتی ہے اور مال و جائیداد سب ضبط ہو جاتی ہے۔

اور حقیر و ذلیل چوپایہ، کا معاملہ اسکے ساتھ کیا جاتا ہے۔ اگرچہ یہ پولیٹیکل مجرم کتنا ہی لائق اور عاقل اور فاضل کیوں نہ ہو اور عجب نہیں کہ یہ مجرم عقل اور فہم اور تعلیم میں صدر جمہوریہ سے بھی بڑھ کر ہو، جبکہ خالی اور مجازی حکومتوں کو اپنے باغیوں کی آزادی سلب کرنے کا اختیار ہے، تو اس خداوند ذوالجلال کو اختیار کیوں نہیں کہ ان باغیوں کافروں سے اپنی دی ہوئی آزادی سلب کر سکے۔

الحاصل

چونکہ غلامی خداوند ذالجلال سے بغاوت یعنی کفر کی سزا ہے، اس لئے اس مسئلہ کا ذکر تورات اور انجیل میں بھی پایا جاتا ہے۔ بلکہ کوئی ملت اور مذہب ایسا نہیں کہ جسمیں غلامی کا مسئلہ نہ ہو، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ استرقاق اور غلامی کا مسئلہ تمام ادیان اور ملل کا اجماعی اور اتفاقی مسئلہ ہے۔

استرقاق اگر قبیح لذاتہ ہوتا تو کسی شریعت میں جائز نہ ہوتا۔ تورات اور انجیل سے ثابت ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام سے لیکر حضرت عیسی علیہ السلام تک انبیاء و مرسلین اسکو جائز رکھتے آئے، معاذاللہ اگر استرقاق قبیح لذاتہ تھا یا کوئی وحشیانہ رسم تھی یا کوئی شرمناک فعل تھا، اور قانون فطرت کے خلاف تھا۔ ماریہ قبطیہ بطور کنیز آپکے فراش میں تھیں، جن سے حضرت ابراہیم علیہ السلام پیدا ہوئے، کیا نبی اکرم ﷺ اس قبیح ذاتی کے مرتکب رہے۔ اور معاذاللہ، قانونِ فطرت کے خلاف کرتے رہے اور اگر بالفرض حضرات انبیاء علیہم السلام سے اس بارہ میں کوئی اجتہادی غلطی ہو گئی تھی، تو پھر سوال یہ ہے کہ اس علیم و قدیر نے بذریعہ وحی کے

اس غلطی پر کیوں نہ متنبہ کیا؟

اسلام سے پیشتر کوئی قوم ایسی نہ تھی، جس میں غلامی کا رواج نہ ہو۔ اسلام آیا اس نے فقط غلامی کو جائز رکھا، لیکن اُن تمام حیاء سوز اور خلاف انسانیت امور کو جو غلاموں کے ساتھ برتے جاتے تھے یکلخت بند کر دیا۔ ان کے آقاؤں کے حقوق متعین کیے۔ طرح طرح سے انکی آزاد کرنے کی راہیں بتلائیں جو کتبِ حدیث اور فقہ میں یہ تفصیلاً مذکور ہیں۔

ہاں اسلام نے غلامی کو بالکل ہی ختم نہیں کر دیا، کیونکہ وہ خداوند ذوالجلال سے بغاوت یعنی کفر کی سزا ہے، جب تک اس عالم میں کفر اور شرک باقی ہیں، اس وقت تک استرقاق اور غلامی بھی باقی ہے، اور رہنی چاہیے۔ جب جرم موجود ہے، تو سزا کیوں موجود نہ ہو، شریعت نے اصل غلامی کو باقی رکھا اور اسکے مفاسد کی اصلاح کر دی، اسمیں شک نہیں کہ غلامی بہت بڑی ذلت ہے، لیکن کفر اور شرک کی ذلت اس سے کہیں زائد ہے۔ ہر جرم کا قبح اور اسکی برائی محدود ہے، مگر خداوند ذوالجلال سے بغاوت اور سرتابی کے قبح اور برائی کی کوئی حد اور نہایت نہیں، یہی وجہ ہے کفر کی سزا دائمی عذاب اور ایمان کی جزاء دائمی ثواب مقرر ہوئی، کیوں کہ اسلام کا مقصد ہی کفر کو ذلیل کرنا ہے۔ چوری اور بدکاری کا منشاء حرص اور شہوت ہے اور خداوند ذوالجلال سے بغاوت کا منشاء اباء اور استکبار یعنی تکبر اور نخوت ہے کَمَا قَالَ تَعَالیٰ "اَبٰی وَاسْتَکْبَرَ وَکَانَ مِنَ الْکَافِرِیْنَ"

(سورۃ بقرۃ آیۃ نمبر ۳۴)

اس لئے اوّل الذکر جرائم کی سزا ان کے مناسب تجویز کی گئی اور جس کا منشا تکبر اور نخوت تھا اسکی سزا ذلت یعنی غلامی تجویز کی گئی "وَجَزَاءُ سَیِّئَۃٍ سَیِّئَۃٌ بِمِثْلِہَا "(سورۃ بقرۃ آیۃ نمبر ۴۰)

اور جن لوگوں نے اللہ اور اسکے رسول کی اطاعت کو تسلیم کیا اور اسکی راہ میں جانبازی اور سرفروشی دکھلائی، حق جل جلالہ نے انکی عزت افزائی فرمائی کہ ان کو متکبرین اور باغیوں کا مالک اور آقا بنا دیا۔

وَلِلّٰہِ الْعِزَّۃُ وَلِرَسُوْلِہٖ وَلِلْمُؤْمِنِیْنَ وَلٰکِنَّ الْمُنَافِقِیْنَ لَایَعْلَمُوْنَ۔(سورۃ المنافقون، آیت نمبر ۸)

اس لئے جو شخص اس عالم میں خیر وشر ایمان اور کفر نیک اور بد مومن اور کافر کی تقسیم کا قائل ہے، اسکے لئے اس مسئلہ میں کوئی اشکال نہیں، اور جو شخص سرے سے خیر اور شر نیک اور بد کی تقسیم ہی کا قائل نہیں اس سے ہمارا کوئی خطاب نہیں۔ وہ انسان نہیں بلکہ حیوان مطلق ہے۔ قرآن کریم میں "مَا مَلَکَتْ اَیْمَانُکُم" کا لفظ پندرہ جگہ آیا، اور گناہوں کے کفارہ میں غلام کے آزاد کرنے کا حکم بھی قرآن کریم میں صراحۃً مذکور ہے۔

اور اس طرح غلاموں کو مکاتب بنانے کا حکم بھی قرآن میں صراحۃً مذکور ہے۔ اس قسم کی آیات سے غلامی کا ثبوت اس درجہ واضح ہے کہ کسی بینا اور شنوا کے لئے وہاں انکار نہیں، اور حدیث میں ہے کہ: ''اَلْمُکَاتِبُ عَبْدٌ مَّابَقِیَ عَلَیْه دِرْهَمٌ'' مکاتب غلام ہے جب تک کہ اس پر ایک درہم بھی باقی ہے۔

سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ نے جب بنی قریظہ کے بارہ میں حکم فرمایا تھا کہ :تُقْتَلُ مُقَاتِلُهُمْ وَتُسْبٰی ذُرِّیَّتُهُمْ' کہ ان کے لڑنے والے یعنی جوان قتل کئے جائیں اور انکی ذریت غلام بنالی جائے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ ارشاد فرمایا:قَضَیْتَ بِحُکْمِ اللهِ اے سعد! تونے اللہ کے حکم کے مطابق فیصلہ کیا۔

اور غزوہ اوطاس کے استرقاق کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی۔

وَالْمُحْصَنٰتُ مِنَ النِّسَآءِ اِلَّا مَا مَلَکَتْ اَیْمَانُکُمْ(سورۃ النساء، آیت نمبر ۲۴)۔

غرض یہ کہ قرآن وحدیث سے غلامی کا ثبوت اظہر من الشمس ہے۔

آمد بسر مطلب

انسان کو صفتِ حریت اور وصفِ آزادی حاصل ہے، وہ اسکی ذات اور ماہیت کا اقتضاء نہیں کہ اس وصف کا انفکاک اس سے محال ہو، بلکہ صفات ملکی کیساتھ متصف ہونے کا ثمرہ ہے۔ جب تک صفات ملکی کے ساتھ متصف رہا، اس وقت اسکو آزادی حاصل رہی، اور جب صفات بہیمیہ کیساتھ متصف ہوا تو وہ حریت اور آزادی سب ختم ہو گئی۔

نصوصِ قرآنی سے یہ امر صراحۃً ثابت ہے، کہ انسان کفر اور شرک کرنے سے بہائم اور حیوانات کے حکم میں ہو جاتا ہے۔ کما قال تعالی، اِنْ ہُمْ اِلَّا کَالْاَنْعَامِ بَلْ ہُمْ اَضَلُّ سَبِیْلًا(سورۃ الفرقان، آیت نمبر ۴۴)

نہیں ہیں کافر مگر مثل چوپایوں کہ بلکہ ان سے کہیں زیادہ گم کردہ راہ ہیں۔

اِنَّ شَرَّ الدَّوَابِّ عِنْدَ اللهِ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا(سورۃ الانفال، آیت نمبر ۵۵)

تحقیق بدترین حیوانات اللہ کے نزدیک وہ ہیں جو اللہ کے منکر ہوئے۔

وَالَّذِیْنَ کَفَرُوْا یَتَمَتَّعُوْنَ وَیَاْکُلُوْنَ کَمَا تَاْکُلُ الْاَنْعَامُ (سورۃ محمد، آیت نمبر ۱۲)

اور کافر دنیا میں خوب عیش کرتے ہیں اور چوپاؤں کیطرح اندھادھن اور کھڑے کھڑے اور چلتے چلتے کھاتے ہیں۔اللّٰهُمَّ احْفَظْنَا مِنْ ذٰلِکَ۔

جیسا کہ آجکل اس حیوانی تہذیب اور بہیمی تمدن کا چرچا ہے، حق تعالیٰ نے جو خبر دی تھی، کہ آجکل کی متمدن مجالس میں اسکی تصدیق بلکہ مشاہدہ ہو رہا ہے، کیا دنیا کے عقلاء اخلاقی مجرموں کو حیوانات اور بہائم سے بدتر نہیں سمجھتے، تو پھر اگر اسلام خدا کے باغیوں کو حیوانات اور بہائم سے بدتر بتلاتا ہے۔ تو کیا غلط کہتا ہے۔

یعنی جس طرح حیوانات پکڑنے اور شکار کرنے سے مملوک ہو جاتے ہیں، اسی طرح خداوند ذوالجلال کے باغی اسیر اور گرفتار کرنے سے مملوک بن جاتے ہیں، اور جس طرح حیوانات میں قید اور صید ملک کا سبب ہے اس طرح کفار پر غلبہ اور استیلاء ان کے تملک اور استرقاق کا سبب تام ہے۔ انسان اور حیوان میں جو فرق ہے وہ محض عقل اور ادراک کے بناء پر ہے، اور اسی وجہ سے تمام عقلاء کے نزدیک غیر ذوی العقول ہونیکی وجہ سے، حیوانات کی بیع وشراء فقط جائز ہی نہیں، بلکہ اسکی بیع وشراء کو ضروری قرار دیتی ہے۔

اور بسا اوقات عدالت جبراً اسکے اموال واملاک کو فروخت کر کے لوگوں کے حق دلاتی ہے۔ کیا یہ حریت اور آزادی کا سبب نہیں۔

ایک شبہ اور اسکا ازالہ

جاننا چاہئے انسان کو جو فطرتاً آزاد رکھا جاتا ہے، اس کا مطلب ہرگز نہیں، کہ حریت اور آزادی انسان کی نفس ماہیت کے لوازم اور مقتضیات سے ہے، بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ ہر انسان فطرت اسلام پر پیدا ہوتا ہے، اس لئے یہ فطرتاً آزاد ہے اور جب اسلام زائل ہو گیا، تو آزادی بھی زائل ہو گئی، اور یہ غلامی اس جرم کی سزا ہے، جو خلافِ فطرت ہے اور تھوڑی دیر کے لئے یہ تسلیم کر لیا جائے، کہ آزادی انسان کا فطرتی حق ہے، تو ہمارا سوال ہے کہ یہ حق کس کا دیا ہوا ہے اور کیا یہ اس کا ایسا حق ہے، کہ کوئی جرم کرو، کفر وشرک کرو، خداوندِ ذوالجلال سے بغاوت کرو، اسکے اتارے قرآن یعنی قانون کے اجراء اور تنفید میں مزاحمت کرو، اسکے بھیجے ہوئے پیغمبروں کو جھٹلاو، انکا تمسخر کرو، انکا مقابلہ کرو۔ اسکے پرستاروں کو ستاؤ، غرض یہ کہ جو جرم چاہو کرو، مگر تمہارا یہ حق آزادی کسی طرح زائل نہیں ہو سکتا۔

سمجھ لو اور خوب سمجھ لو کہ تمام ادیان سماویہ اور ملل الہیہ اس پر متفق ہیں، کہ کفر وشرک کے بعد حیات اور وجود کا حق بھی باقی نہیں رہتا۔ صفتِ حریت اور صفت آزادی کا تو ذکر ہی کیا ہے اور ایسی آزادی تو کسی بڑی سے بڑی متمدن اور جمہوری حکومت میں بھی نہیں، کہ حکومت کو بھی نہ مانو، وزراء اور احکام سلطنت کو بھی نہ مانو۔ قانون حکومت کو بھی نہ مانو، اور اسکے خلاف تقریریں کرو، اور اسکے اجراء وتنفید میں مزاحمت کرو، اور پھر بھی

تم آزاد ہو اور نہ کوئی گرفتاری عمل میں آئے اور نہ کوئی مقدمہ چلایا جائے اور نہ تمہاری زمین اور جائیداد پر حکومت قبضہ کرے۔ تمہاری دولت کا سرمایہ جو بینک میں جمع ہے، وہ بھی ضبط نہ ہو، کیوں نہیں؟

جب تم حکومت سے بغاوت کروگے، تو حکومت بھی سب کچھ کرے گی، جسکے تم مستحق ہو۔

اعضاءِ جسمانی کا قطع اور حیاتِ انسانی کا ازالہ اور اعدام واجب ہو جاتا ہے، ارتکابِ جرم سے فطری حقوق ختم ہو جاتے ہیں، اور کفر سے بڑھ کر کوئی جرم نہیں۔

سیاسی غلامی

فرنگی قومیں اسلامی غلامی کا ذکر کرتی ہیں، مگر تورات اور بائبل میں جو غلامی کا مسئلہ مذکور ہے۔ اس کا نام نہیں لیتیں اور سیاسی غلامی کو اپنے لئے واجب اور ضروری سمجھتے ہیں۔ موجودہ سیاست نے پوری قوم اور پورے ملک کی غلامی بنانے کے طریقے ایجاد کر دیے ہیں، اس لئے انفرادی غلامی کی ضرورت نہیں رہی، اور آج بھی اس دور جمہوریت اور مساوات میں سفید فام کو سیاہ فام پر ترجیح دیتے ہیں، چنانچہ امریکہ کی ولایاتِ متحدہ میں، سرخ فام باشندوں کے لئے سیاہ فام باشندوں سے الگ قانون بنا رکھا ہے۔

☆☆☆

اعتراض(۴۹)

بعض بد بخت اعتراض کرتے ہیں، اور بعض نیک بخت سادگی سے تعجب کرتے ہوئے پوچھتے ہیں، کہ باندیوں اور لونڈیوں کے ساتھ بغیر نکاح کے ہمبستری کرنا کیسے درست ہے، ہمبستری تو تب جائز ہوتی ہے جب نکاح ہو۔

جواب نمبر ا:

الحمد اللہ تعالیٰ ہم مسلمان ہیں اس لئے ہمارے لئے قرآن کریم کی آیات اور حضرت پاک ﷺ کی آیات اور حضرت پاک ﷺ کی احادیث مبارکہ، عمل صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین ہی حجت ہے۔

قرآن کریم نے تو کئی ایک جگہ پر اس مسئلہ کو ذکر فرمایا ہے مثال کے طور پر دیکھئے:

وَالَّذِيْنَ ہُمْ لِفُرُوْجِهِمْ حَافِظُوْنَ اِلَّا عَلٰى اَزْوَاجِهِمْ اَوْمَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُمْ(سورۃالمومنون، آیت نمبر ۶۸)

کامیاب مومنین کی صفتیں بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ وہ لوگ اپنی بیویوں اور باندیوں کے علاوہ اپنی شرمگاہ کی حفاظت کرتے ہیں۔

اس آیت میں بیویوں اور باندیوں کو الگ الگ ذکر فرمایا، جو کہ دلیل ہے اس بات کی کہ باندی الگ شے ہے، بیوی سے، کیونکہ اگر باندی سے نکاح ہو جائے، تو پھر تو وہ بھی بیوی ہی شمار ہو۔

اسی طرح حضرت پاک ﷺ کا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کو جنگ میں باندیاں تقسیم کرنا اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کا بغیر نکاح کے انکو گھر رکھنا دلیل ہے کہ، ان سے بغیر نکاح کے ہمبستر ہونا ایسے ہی درست ہے، جیسے بیوی کے ساتھ نکاح کے ذریعہ ہمبستر ہونا درست ہے۔

جواب نمبر ۲:

اسمیں بھی اصل بات یہ ہے کہ، اللہ تعالیٰ خالق ہیں اور مخلوق کے حالات کو سب سے بہتر جانتے ہیں، تو اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق کے لئے جو فیصلہ فرمائیں، اسکو بلا چون وچرا قبول کرنا ہی عبدیت ہے اور احکام الٰہیہ میں کیڑے نکالنا ایمان اور اسلام کے مخالف ہے، اس لئے اسکو بھی اللہ تعالیٰ کی نعمت سمجھ کر قبول فرمالیں۔

راقم الحروف کی خواہش ہے کہ وہ دن دوبارہ آئیں کہ ہم باندیوں کو استعمال کریں اور خوب کریں۔
آمین یَارَبَّ الْعٰلَمِیْن۔

اعتراض(۵۰)

ایک بات بڑی دیدہ دلیری بلکہ ہٹ دھرمی اور بے شرمی کے ساتھ یہ کہی جاتی ہے کہ اب تو الحمد للہ دنیا میں جہاد کے بغیر ہی دین پھیل رہا ہے اور کافر اسلام قبول کر رہے ہیں تو پھر جہاد کی کیا ضرورت ہے۔ بلکہ جہاد تو اب اسلام کے پھیلنے میں رکاوٹ ہے کیونکہ کفار کہتے ہیں کہ اسلام تو بہت اچھا مذہب ہے اسمیں بہت اچھے احکام ہیں، مگر یہ لڑائی بھڑائی تو مناسب نہیں اس سے ہمیں وحشت ہوتی ہے۔

جواب نمبر ا:

چند لوگوں کے انفرادی طور پر اسلام قبول کرنے کا نام دین کا پھیلنا نہیں چہ جائیکہ اس کو اسلام کے غلبہ کا نام دے دیا جائے۔ اسلام کا پھیلنا تو وہ ہے جسکو قرآن نے یوں ذکر کیا۔

اِذَاجَآءَ نَصْرُ اللّٰهِ وَالْفَتْحُ وَرَاَيْتَ النَّاسَ يَدْخُلُوْنَ فِيْ دِيْنِ اللّٰهِ اَفْوَاجًا۔

کہ جب اللہ تعالی کی مدد آئی اور مکہ فتح ہو گیا تو لوگ اسلام میں فوج در فوج اور گروہ در گروہ داخل ہونے لگے۔ (سورۃ النصر) اور غلبہ اسلام کا مطلب صاف یہ ہے کہ کفر نہ رہے، اگر رہے تو۔

حَتّٰى يُعْطُوا الْجِزْيَةَ عَنْ يَّدٍ وَّهُمْ صٰغِرُوْنَ

جزیہ دے کر زندگی کی بھیک مانگ کر ذلت کے ساتھ جئے۔ (سورۃ توبہ)۔

یہ تو ایسے ہی ہے جیسے ذکری فرقہ نے کہا کہ نماز کا مقصد تو اللہ تعالیٰ کا ذکر ہے کیونکہ قرآن کریم کا حکم ہے: اَقِمِ الصَّلٰوةَ لِذِكْرِىْ کہ نماز قائم کرو میرے ذکر کے لئے۔ (سورۃ طہ)

جب نماز کے بغیر ہی اللہ تعالیٰ کا ذکر ہو سکتا ہے تو پھر وضو، رکوع، سجود، قیام، سجدے، امام کی کیا ضرورت ہے۔ یہ قوم کے پیسے اور وقت کا ضیاع ہے۔

مگر ہم ان لوگوں کو کافر کہتے ہیں کہ یہ جہاد کے منکر ہیں مگر جو لوگ جہاد کا انکار اور تاویلیں کریں وہ دین کے حب دار بلکہ دین کے ٹھیکیدار شمار ہوتے ہیں، پس جو جواب ان ذکریوں کا ہے وہی ان دینداروں کا ہو گا۔

جواب نمبر ۲:

اصل بات اور قابل غور بات یہ ہے کہ ہم دیکھیں کہ جہاد کی مشروعیت کیوں ہے، جب یہ بات کھل کر سامنے آگئی کہ جہاد کس وجہ سے کفار سے کیا جاتا ہے تو پھر سارے اعتراضات ہی ختم ہو جائیں گے اسکے لئے دیکھیں حضرت مولانا فضل محمد صاحب کی کتاب " فتنہ ارتداد اور جہاد فی سبیل اللہ "جس میں مولانا تحریر فرماتے ہیں۔

کافروں سے ہم کیوں جہاد کرتے ہیں؟

اللہ تعالیٰ نے انسانوں کو اپنی عبادت کے لئے پیدا فرمایا ہے انسان سب اللہ تعالیٰ جل شانہ کے بندے ہیں اور اللہ تعالیٰ سب انسانوں کا مالک ہے اب جو لوگ اللہ تعالیٰ کو نہ مانتے ہوں اور نہ عبادت کرتے ہوں بلکہ کھل کر بغاوت کرتے ہوں اور کفر و شرک اور انکار خدا کے عقیدے اپناتے ہوں تو ایسے لوگ درجہ انسانیت سے گر جاتے ہیں، اور جانوروں کی صف میں شامل ہو جاتے ہیں۔

اُولٰٓئِكَ كَالْاَنْعَامِ بَلْ هُمْ اَضَلُّ یعنی جانوروں سے بھی بدتر ہو جاتے ہیں۔(سورۃ اعراف)

اب اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان انسانوں کو حکم ہے جو اللہ کی عبادت کرتے ہیں وفادار بندے ہیں کہ ان باغیوں کو مارو، ان کی جان حیوان کی طرح ہے جس کا ذبح کرنا جائز ہے اور اس حیوان کی خرید و فروخت بھی جائز، گھر کی خدمت میں لگانا بھی جائز ہے بالکل اسی طرح اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کی جان و مال کی مسلمانوں کو اجازت دی ہے کیونکہ یہ لوگ اب اللہ تعالیٰ کے باغی ہو چکے ہیں یہی وجہ ہے کہ ان باغی انسانوں کے قتل کے علاوہ اللہ تعالیٰ نے انکی خرید و فروخت کو جائز قرار دیا ہے انکو غلام اور لونڈی بنانے کو جائز قرار دیا ہے اور ان کے مال و جائیداد پر قبضہ کرنے کو جائز قرار دیا ہے بشرطیکہ جہاد کا اعلان ہو جائے اور اس مسئلہ کو اصول فقہ والوں نے رِقّ اور غلام بنانے کی وجوہات کے بیان میں صاف طور پر لکھا ہے۔

مثال:

اس کی مثال ایسی ہے کہ ایک حکومت ہے اس میں بغاوت ہوئی اور فوج دو حصوں میں بٹ گئی ایک حصہ باغی فوجوں کا بن گیا اور ایک حصہ حکومت کی وفادار فوجوں کا ہو گیا۔ اب حکومت اپنی وفادار فوج کو حکم دیتی ہے کہ حکومت کے ان باغیوں کو قتل کرو، ہر طرح کی سزا دو۔ ان کے اموال کو ضبط کر لو اور ان کو ختم کر دو۔

وفادار فوج جان کی بازی لگاتی ہے اور باغی افواج کا قلع قمع کرتی ہے اور دنیا والے اسکو ایک پسندیدہ کام قرار دیتے ہیں بالکل اسی طرح مسلمان اللہ تعالیٰ کی وفادار فوج ہیں انکو حکم ہے کہ ان باغی افواج جو کفار ہیں انکو قتل کر دو انکی جان و مال اور بیوی بچے تمہارے لئے حلال ہیں انکو غلام بنا دو کیونکہ یہ لوگ میرے غلام ہیں اب تمہارے غلام بنیں گے اب اگر باغی فوج وفادار فوجوں کو قتل یا قید کرتی ہے تو ان کو صدائے احتجاج بلند کرنے کا حق ہے کہ ہم وفاداروں کو کیوں مارا جا رہا ہے لیکن اگر کافروں کو قتل کر دیں تو اصولاً ان کو چیخنے، چلانے کا حق نہیں ہے کیونکہ وہ باغی ہیں جو صدائے احتجاج بلند کرنے سے محروم ہیں۔

امام المعقولات والمنقولات حضرت شیخ التفسیر مولانا محمد ادریس کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ سیرۃ المصطفیٰ میں تحریر فرماتے ہیں۔

پند و نصیحت بے شک موثر ہے لیکن سلیم طبیعتوں کے لئے اور اگر آپ کتنے ہی اخلاص اور ہمدردی سے بہتر سے بہتر نصیحت فرمائیں لیکن ہٹ دھرم طبیعتیں کبھی اثر پذیر نہیں ہو سکتیں۔

بنی نوع انسان کی طبائع یکساں نہیں کسی کے لئے خدا نے کتاب اتاری اور کسی کے لئے لوہا اتارا۔

☆☆☆

اعتراض(۵۱)

اس پر ایک اعتراض مسلمانوں ہی کی طرف سے کیا جاتا ہے، کہ اگر ہم اپنے اسلامی ملک میں لوگوں کو عیسائیت کی تبلیغ کی اجازت نہیں دیں گے، اور عیسائی یہودی و ہندو ہونے والے کو قتل کر دیں گے، تو پھر کفار اپنے ملک میں ہمیں بھی اجازت نہیں دیں گے، کہ وہاں کے کفار کو دعوت اسلام قبول کرنے پر آمادہ کر سکیں۔

جواب نمبر ۱: اس اعتراض کی اصل وجہ موجودہ ماحول ہے۔ چونکہ ہماری بدقسمتی کہ جہاد اور خلافت نہ ہونے کی وجہ سے مسلمان تنزلی اور پستی کی آخری حد تک پہنچ چکے ہیں، اور وہ دور نہیں رہا، جب مسلمان ملکوں کے محفوظ ہو جانے کے بعد، مجاہدینِ اسلام کفار کے ملکوں کو خلافت کے زیر لانے کے لئے کوشاں تھے، اللہ تعالیٰ ایسا وقت دوبارہ لائے اور جلدی لائے۔ آمین۔ پھر ایسے پھس پھسے اعتراضات کی ضرورت ہی نہ رہے گی اور کسی کافر کو جرات نہ ہو گی وہ ہمیں دعوت اسلام دینے سے روکے۔

جواب نمبر ۲: دوسری اور اصل بات یہ ہے کہ جیسا کہ میں نے پہلے بھی عرض کیا ہے، کہ اسلامی ملک میں مذہب کو ریاستی دستور اور قانون کی حیثیت حاصل ہے، اسلئے کسی بھی مسلمان کو اسلام سے پھرنے کی اجازت کو ریاستی دستور کی بغاوت کے مترادف قرار دیا گیا ہے، جبکہ کفریہ حکومتوں میں مذہب کی حیثیت محض رسمی اور ذات کی حد تک ہے، اور وہاں مذہب کو دستور اور قانون کی چونکہ حیثیت حاصل نہیں ہے، اسلئے وہاں پر تبدیلی مذہب جرم بھی نہیں ہے۔ اس لئے وہ ہمیں اپنے قانون اور دستور کے مطابق، دعوتِ اسلام دینے سے روک بھی نہیں سکتے۔

ہاں اگر کفار کی حکومت بھی مذہب کو ریاستی دستور اور قانون کی حیثیت دے دے، اور تبدیلی مذہب کو ریاستی دستور و قانون کی بغاوت قرار دیا جائے، تو پھر صورتحال مختلف ہو گی اور ہمیں انکے قانون کی پاسداری کرتے ہوئے، وہاں دعوتِ اسلام کی بھی اجازت نہ ہو گی اور اگر ان کے ملک کا سفر کرنا پڑے، تو اس کی پابندی بھی کرنا پڑے گی جیسے دوسرے قوانین کی پابندی کرتے ہیں۔

☆☆☆

بحثِ ارتداد

مرتد کی تعریف

قَطْعُ الْاِسْلَامِ بِقَوْلٍ اَوْ فِعْلٍ اَوْنِیَّةٍ

یعنی قول، فعل یا نیت کے ساتھ اسلام کو چھوڑ دینا ارتداد ہے۔ (رحمۃ الامۃ فی اختلاف الائمہ ص۲۶۹)

ارتداد کی صورتیں

ارتداد کی تین صورتیں ہیں۔

(۱) مسلمان ہونے کے بعد مکمل اسلام سے پھر جانا اور کسی اور مذہب مثلاً یہودیت، عیسائیت وغیرہ کو اختیار کر لینا۔

(۲) اسلام کے کسی اہم حکم اور رکن مثلاً نماز، روزہ، زکوۃ، حج اور جہاد وغیرہ کا انکار کر دینا۔

(۳) اسلام کے کسی فرض، واجب یا سنت مثلاً نماز، داڑھی اور مسواک وغیرہ کی توہین کرنا اور استہزاء اڑانا۔

مرتد کی سزا

مرتد کو سمجھانے اور سمجھنے کے لئے تین دن کی مہلت دی جائے گی اگر وہ انکار کر دے تو باتفاقِ فقہاء اسکو قتل کر دیا جائے البتہ امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ مرتدہ عورت کو قتل کرنے کی بجائے قید کرنے کا حکم دیتے ہیں۔

دلائل:

دلیل نمبر ۱:

وَاِذْقَالَ مُوْسٰی لِقَوْمِهٖ یٰقَوْمِ اِنَّکُمْ ظَلَمْتُمْ اَنْفُسَکُمْ بِاتِّخَاذِکُمُ الْعِجْلَ فَتُوْبُوْااِلٰی بَارِئِکُمْ فَاقْتُلُوْااَنْفُسَکُم۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم کو فرمایا کہ تم نے بچھڑے کو معبود بنا کر اپنی جانوں پر ظلم کیا پس تم اپنے رب سے معافی مانگو اور اپنے آپ کو قتل کرو۔ (سورۃ بقرہ، آیت نمبر ۵۴)

تو ثابت ہوا کہ موسیٰ علیہ السلام کی شریعت میں یہ حکم تھا کہ مرتد کو قتل کر دیا جائے۔

دلیل نمبر ۲: حضرت پاک ﷺ نے ارشاد فرمایا: مَنْ بَدَّلَ دِیْنَهٗ فَاقْتُلُوْهُ (صحیح بخاری)

کہ جو شخص اپنے دین (اسلام) سے پھر جائے اسکو قتل کر دو۔

دلیل نمبر ۳: حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا حکم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کا عمل مبارک ہے کہ مانعینِ زکوۃ اور مسیلمہ کذاب، اسود عنسی، طلیحہ اور ان کے پیروکاروں کو قتل کر دیا گیا۔

دلیل نمبر ۴:

یہ حکم صرف اس شریعت کا ہی نہیں بلکہ پہلی شریعتوں کے اندر بھی یہ حکم موجود تھا بلکہ ابھی تک تحریف شدہ بائبل کے عہد نامہ قدیم کی کتاب "استثناء باب ۱۳، آیت ۶ تا ۱۶" کے مطابق حضرت موسی علیہ السلام نے بنی اسرائیل کو یہ ہدایت فرمائی تھی کہ اگر تیرا بھائی یا تیری ماں کا بیٹا یا تیری بیٹی یا تیرا بیٹا یا قیدی یا ہم آغوش بیوی یا تیرا دوست جسکو تو اپنی جان کے برابر عزیز رکھتا ہے تجھکو چپکے چپکے پھسلا کر کہے کہ چلو ہم اور دیوتاوں کی پوجا کریں جن سے تو اور تیرا باپ دادا واقف بھی نہیں یعنی ان لوگوں کے دیوتا جو تمھارے گرداگرد نزدیک رہتے ہیں یا تجھ سے دور زمین کے اس سرے سے اس سرے تک بسے ہوئے ہیں تو تو اس پر اس کے ساتھ رضامند نہ ہونا اور نہ اسکی بات سننا، تو اس پر ترس بھی نہ کھانا اور نہ اسکی رعایت کرنا اور نہ اسے چھپانا بلکہ تو اسے ضرور قتل کرنا اور اس کو قتل کرتے وقت تیرا ہاتھ اس پر پڑے اس کے بعد سب قوم کا ہاتھ اور تو اسے سنگسار کرنا تا کہ وہ مر جائے کیونکہ اس نے تجھ کو خداوند تیرے خدا سے جو تجھ کو ملکِ مصر یعنی غلامی کے گھر سے نکال لایا، برگشتہ کرنا چاہا تب سب اسرائیل ڈریں گے اور تیرے درمیان پھر ایسی شرارت نہ کریں گے۔

ارتداد کی وجوہات

اسلام سے مرتد ہونے کی عام طور پر ان وجہوں میں سے کوئی ایک ہو سکتی ہے۔

(۱) یہ کہ مرتد شخص یا تو دل سے مسلمان ہی نہیں ہوتا بلکہ کسی ظاہری منفعت اور لالچ میں آکر ظاہری طور پر اسلام قبول کرتا ہے اور جب وہ مفاد یا مقصد پورا ہو جاتا ہے تو دوبارہ کفر کی طرف لوٹ جاتا ہے۔

(۲) بعض لوگ مال و زر اور دولت کے حصول کی خاطر اپنے مذہب اسلام کو چھوڑ دیتے ہیں۔

(۳) بعض نوجوان کسی خوبصورت کافرہ عورت کے عشق میں مبتلا ہو کر یا کسی عورت کے حصول کے لالچ میں آکر اسلام سے کنارہ کشی اختیار کر لیتے ہیں۔

(۴) بعض دفعہ کمزور مسلمان کفار کے غلبہ اور ظلم و ستم سے تنگ آکر بھی دین سے پھر جاتے ہیں۔

(۵) اور بعض بدبخت صرف سستی شہرت اور دنیا کی ظاہری عزت اور منصب کے حصول کی خاطر بھی اپنے مذہب سے کنارہ کش ہو جاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہماری حفاظت فرمائے۔ آمین یَارَبَّ الْعٰلَمِیْن

اعتراض(۵۲)

مرتد کی اس شرعی سزا پر ایک اعتراض یہ کیا جارہا ہے کہ یہ تو آزادی رائے کے منافی ہے اور یہ جبر ہے ،جب کہ قرآن کریم نے " لَاۤ اِکۡرَاہَ فِی الدِّیۡنِ "کا اعلان کرکے آزادی رائے اور ضمیر کی آواز کی اجازت دی ہے اور دین میں کسی قسم کے جبر اور اکراہ کی نفی کردی ہے۔

جواب نمبر ا:

کسی بھی شخص کو اسلام میں داخل کرنے کے لئے واقعۃً کوئی جبر نہیں ہے بلکہ تاریخ اسلام اس بات کی شاہد ہے کہ جس نے بھی اسلام قبول کیا دل کی رضا اور رغبت اور خوشی سے کیا ہے۔

جبر و اکراہ کرتا نہیں دینِ حق کبھی
ہوئے ہیں لوگ خود ہی مسلماں خوشی کے ساتھ
قانونِ دنیوی میں بھی اس کی سزا ہے موت
کرتا ہے جان کر جو بغاوت کسی کے ساتھ

اسکے لئے دیکھئے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کی مثال سب سے زیادہ واضح ہے کہ انہوں نے اسوقت اسلام قبول کیا جب اسلام قبول کرنا اور ایک اللہ کا نام لینا ہاتھوں پر انگارے رکھنے کے مترادف سمجھا جاتا تھا، بلکہ سچ مچ اور حقیقت میں انگاروں پر لیٹنا پڑتا تھا۔ کس قدر مصائب برداشت کئے، مشکلات جھیلیں، مگر اسلام کا دامن نہیں چھوڑا جبکہ کفر اختیار کرنے کے لئے جبر کیا جارہا تھا۔

جواب نمبر ۲:

جبر کے ساتھ قبول کیا ہوا اسلام تو معتبر ہی نہیں ہے کیونکہ اسلام اور ایمان وہ معتبر ہے جو کہ دل کی رضا ،خوشی کے ساتھ قبول کیا جائے۔ اگر دل سے اسلام قبول نہ کیا جائے تو وہ اسلام ہی نہیں بلکہ نفاق ہے۔

جواب نمبر ۳:

جبر و اکراہ کے ساتھ کسی کی زبان سے تو اسلام کا اعتراف کرایا جاسکتا ہے مگر دل میں حقانیت اسلام کو داخل نہیں کیا جاسکتا۔ اس لئے اسلام نے کسی بھی شخص کو اسلام کے قبول کرنے پر جبر کیا ہے نہ اکراہ بلکہ کھل کر اجازت دی ہے کہ جو چاہے اسلام کو قبول کرے اور جو چاہے نہ کرے۔

حقیقتِ حال

اس لئے عرض ہے کہ اگر کوئی غیر مسلم اسلامی ملک میں معاہدہ کے تحت اپنے مذہب پر رہنا چاہے تو اسکو اپنے مذہب پر قائم رہنے، عبادت کرنے، اپنی رسومات کے لئے عبادت خانہ قائم کرنے اور ایک حد تک اپنی مذہبی تعلیم اور سرگرمیاں جاری رکھنے کی بھی اجازت ہے اور اس حد تک اجازت ہے کہ ایک دفعہ امیر المومنین حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک گورنر کو محض اس وجہ سے معزول کر دیا تھا کہ وہ ایک عیسائی خاندان کو اسلام قبول کرنے پر مجبور کر رہا تھا۔

لیکن مذہب اسلام قبول کر لینے کے بعد کسی بھی شخص کو مذھب اسلام سے پھر جانے کی اجازت بھی نہیں دی گئی اور اسکی مثال ایسے ہی ہے جیسے کہ کوئی شخص کسی ملک کا شہری نہیں ہے۔ تو وہ زندگی بھر اس کا شہری نہ بنے کوئی اسکو مجبور نہیں کر سکتا لیکن اگر اس نے کسی ملک کی شہریت اور نیشنیلٹی کی درخواست دے کر شہریت اختیار کر لی تو اب اسکے لئے اس ملک کے قوانین کا احترام کرنا اور اس پر عمل کرنا لازم ہے۔ کسی بھی قانون کی خلاف ورزی پر اسکو سزا دی جاسکتی ہے اور اسکو اعتراض کا کوئی حق نہ ہو گا۔

اور اگر وہ اس ملک کے دستور سے بغاوت کرے اور اس قانون اور دستور کے متبادل اپنا دستور بنا کر اسکو چلانا چاہے تو پھر سوائے پھانسی کے پھندے کے ایسے شخص کے لئے دوسری کوئی جگہ نہیں ہے۔

اور دنیا کا کوئی فلسفہ، ضابطہ اور قانون آزادی رائے کا نام پر اسے اپنے ملک کے دستور سے بغاوت کی اجازت نہ دے گا۔

صرف یہ ہے کہ دنیا میں اس نظام کو صرف دستور اور قانونِ ریاستی کے ساتھ مخصوص کر دیا گیا ہے۔ اور مذہب کو دستور اور اتھارٹی کی حیثیت نہیں دی گئی جبکہ ایک اسلامی ملک میں مذہب کو صرف رسمی مذہب کی حیثیت حاصل نہیں ہوتی بلکہ وہ ریاستی دستور اور اتھارٹی کی حیثیت رکھتا ہے اور ریاست کے پورے نظام کا مدار اسی پر ہوتا ہے۔

لہٰذا جس طرح کسی بھی دوسرے ملک میں ریاستی قانون دستور اور اتھارٹی کی بغاوت کی سزا، سزائے موت ہے اسی طرح اسلامی ملک میں بھی ریاستی قانون، دستور اور اتھارٹی کی بغاوت کی سزا سزائے موت ہے اور اسلامی ملک میں مذہب اتھارٹی کی حیثیت رکھتا ہے۔

لمحہ فکریہ

محترم قارئین اس وقت مسلمانوں کی ایک جماعت اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے کفار کے مقابلہ میں ہر وقت مصروف جہاد ہے، مگر اکثر مسلمان جہاد سے دور رہ کر دنیا کمانے میں مصروف عمل ہیں، مگر اس دنیا کے کمانے کے دھندے کے ساتھ وہ مجاہدین سے محبت کرتے ہیں، دعائیں دیتے ہیں اور حسبِ توفیق تعاون بھی کرتے ہیں۔

مگر مسلمانوں ہی میں سے ایک بڑی تعداد ایسی بھی موجود ہے، جو نہ صرف یہ کہ جہاد فی سبیل اللہ سے غافل ہے، بلکہ تارکِ جہاد ہونے کے ساتھ ساتھ جہاد کے عمل کو بھی اچھا نہیں جانتے اور مجاہدین کے راستہ میں رکاوٹیں کھڑی کرتے ہیں، جہاد کے معنی میں تحریفیں اور بلاوجہ تاویلیں کرتے ہیں اور جہاد فی سبیل اللہ پر اعتراضات کرتے ہوئے، عام مسلمانوں اور خود مجاہدین کے دلوں میں شبہات پیدا کرنے کی ناپاک کوشش کرتے ہیں۔ یہ بظاہر مسلمان ہیں، مگر دل کی حالت اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے۔

اس لئے میں توجہ دلانا چاہتا ہوں کہ، یہ احباب غور فرمائیں کہ، یہ دین اسلام کی کونسی خدمت سرانجام دے رہیں ہیں اور یہ کس صف میں شامل ہیں اور روزِ محشر کن کے ساتھ کھڑے ہوں گے۔

مسلمان مجاہدین کے ساتھ یا مسلمان معاونین جہاد کے ساتھ

فساق تارکین جہاد کے ساتھ یا محرّفین جہاد منافقین کے ساتھ

کیونکہ حضرت پاک ﷺ کا ارشاد ہے،

مَنْ تَشَبَّهَ بِقَوْمٍ فَهُوَ مِنْهُمْ (ابو داوٗد)۔

جس نے کسی قوم کے ساتھ مشابہت اختیار کی وہ انہی میں شمار ہو گا۔

مَنْ كَثَّرَ سَوَادَ قَوْمٍ فَهُوَ مِنْهُمْ (مسند ابی یعلٰی)

جس نے کسی قوم کی جمعیت کو بڑھایا وہ انہیں میں شمار ہو گا۔

اے اللہ کریم ہمارا حشر مجاہدین کے ساتھ فرمانا۔

آمین یارَبَّ الْعٰلَمِیْن۔

☆☆☆

حدیث کی تشریح ذوقِ جہاد سے

الغناء يُنْبِتُ النِّفَاقَ فِي الْقَلْبِ كَمَا يُنْبِتُ الْمَاءُ الزَّرْعَ (البیھقی)

گانا دل میں ایسے نفاق پیدا کرتا ہے، جیسے پانی زمین میں کھیتی کو اگاتا ہے۔

جب گانے کی وجہ سے دل میں نفاق پیدا ہو جاتا ہے، تو جہاد سے دوری فطری اور طبعی بات ہے کیونکہ جہاد اور نفاق تو کبھی جمع نہیں ہو سکتے۔ منافق تو حضرت پاک ﷺ کے ساتھ ملکر کفر کے خلاف جہاد نہیں کرتا تھا، تو امتی کے ساتھ مل کر کیسے جہاد کرے گا؟

مگر کسی کے ذہن میں یہ اشکال پیدا نہ ہو کہ، عہدِ رسالت کے دور کا منافق تو کافر اور عقیدہ کا منافق تھا۔

جبکہ گانا سننے سے جو نفاق پیدا ہوتا ہے، اسکا اثر تو عمل تک ہوتا ہے اور دونوں میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔

تو اس کا جواب یہ ہے عہد نبوت کے زمانہ کا منافق چونکہ کافر تھا تو وہ دل سے جہاد کا منکر اور عمل سے باغی تھا، مگر آج کا منافق جو گانا سننے کی وجہ سے نفاق میں جاتا ہے، وہ چونکہ مسلمان ہے اس لئے دل سے جہاد کا قائل ہے، مگر عملی منافق تو عملاً جہاد سے بھی دور ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ عہدِ رسالت کا منافق دل و عمل سے جہاد کا باغی تھا، کیونکہ وہ عقیدہ کا منافق تھا اور آج کا منافق صرف عمل سے جہاد کا باغی ہے، اور دل سے قائل ہے، کیونکہ یہ صرف عملی منافق ہے۔

اور دوسری وجہ یہ ہے کہ گانا اور ساز دل میں زنا کی خواہش پیدا کرتا ہے اور جو شخص خود ٹی وی، وی سی آر اور ڈش اور کیبل و سینما کے ذریعہ روزانہ عزت فروشی اور عصمت کی نیلامی دیکھتا ہو، بلکہ خود عزتوں کا ڈاکو ہو تو ایسا شخص عزتوں کا محافظ کیسے ہو سکتا ہے؟

یہی وجہ ہے کہ حجاج اگرچہ ظالم تھا، مگر ایک مسلمان بہن کی فریاد نے اسکو تڑپا دیا تھا، مگر آج کا سماں عبرت سے خالی ہے، گھر گھر غیرت کا جنازہ نکالا جا رہا ہے، تو پھر کافر جب مسلمان بچیوں کی عزتیں لوٹتا ہے، تو اس مسلم نوجوان پر کیسے اثر ہو گا۔ جو کام کشمیر میں ہندو کر رہے ہیں وہی کام یہ پاکستان میں کر رہا ہے۔

اللہ تعالیٰ ہماری حفاظت فرمائے اور ہمیں غیرت دے۔

آمین یارَبَّ العٰلَمِین۔

☆☆☆

جہاد، علماء اور ختم نبوت

اَنَاخَاتَمُ النَّبِیِّیْنَ لَا نَبِیَّ بَعْدِیْ

میں سب سے آخری نبی ہوں اور میرے بعد کوئی نبی نہیں ہو گا۔

اَلْجِہَادُ مَاضٍ مُذْ بَعَثَنِیَ اللہُ اِلٰی اَنْ یُّقَاتِلَ اٰخِرُ ھٰذِہِ الْاُمَّۃِ الدَّجَّالَ ۔(مشکوٰۃ شریف)

جہاد اس وقت سے جاری ہے جب سے اللہ نے مجھے نبی بنا کر بھیجا (اور جہاد کا حکم دیا) اور اس امت کے آخری فرد کے دجال کو قتل کرنے تک جہاد باقی رہے گا۔

اَقْرَبُ النَّاسِ مِنْ دَرَجَۃِ النُّبُوَّۃِ اَھْلُ الْجِہَادِ وَاَھْلُ الْعِلْمِ لِاَنَّ اَھْلَ الْجِہَادِ یُجَاھِدُوْنَ عَلٰی مَا جَآءَ تْ بِہِ الرُّسُلُ وَاَمَّااَھْلُ اَلْعِلْمِ فَدَلُّواالنَّاسَ عَلٰی مَا جَآءَ تْ بِہِ الْاَنْبِیَآءُ ۔

لوگوں میں سے نبوت کے قریب مجاھدین اور علماہیں، اسلئے کہ مجاھدین رسولوں کے لائے ہوئے دین پر جان ومال دے کر جہاد کرتے ہیں اور علماء اپنے علم سے انبیا کے بتائے ہوئے طریقے پر راہنمائی کرتے ہیں۔

ان تین احادیث سے یہ معلوم ہو ا کہ، سلسلہ نبوت کے منقطع ہو جانے کے بعد حضرت پاک ﷺ نے اپنی امت کو لاوارث نہیں چھوڑا، بلکہ قیامت تک کے لئے دینِ اسلام کی اشاعت، اسلام اور مسلمانوں کے تحفظ اور دین کے غلبہ کو علماء اور مجاہدین کے حوالہ کر دیا اور قیامت تک کے لئے جو کام نبی نے کرنے تھے وہ علم اور جہاد کے ذریعے سے ہوں گے۔

آہ، کس قدر خوش قسمت ہیں، وہ حضرات جن کو حق تعالیٰ نے علم اور جہاد کی دونوں نعمتوں سے نوازا ہے۔

ملحوظہ:

اَلْجِھَادُ مَاضٍ اِلٰی یَوْمِ الْقِیَامَۃِ

یہ الفاظ اگر چہ کسی صحیح حدیث سے ثابت نہیں، مگر اس کا مضمون بالکل درست ہے، لہٰذا بااعتبار مفہوم کے اس روایت کو انہی الفاظ کے ساتھ بیان کرنے میں کوئی حرج نہیں، مگر پھر بھی بہتر یہ ہے کہ اوپر "جہاد، علماء اور ختم نبوت" کے عنوان کے تحت بیان کی جانے والی پہلی روایت ہی کے الفاظ کو نقل کیا جائے۔

تنبیہ

جس طرح ختم نبوت کے مسئلہ میں ظلی اور بروزی کی تقسیم باطل ہے، اسی طرح جہاد میں بھی تاویل اور تحریف باطل ہے۔ عام طور پر بہت سے مجاہدین کو میں نے خود دیکھا اور سنا ہے کہ وہ اس حدیث کا مطلب یہ سمجھتے اور بیان کرتے ہیں کہ قیامت تک جہاد جاری رہے گا یعنی درمیان میں ایسا کوئی وقت نہیں آئے گا کہ، دنیا کے کسی کونے میں بھی کوئی جماعت جہاد نہ کر رہی ہو۔

مگر یہ مطلب درست نہیں ہے۔ صحیح مطلب یہ ہے کہ، جہاد کا حکم قیامت تک لئے۔
اور اب درمیان میں کوئی وقت ایسا بھی آیا ہو کہ، امت نے اس پر عمل چھوڑ دیا ہو تو وہ اس حدیث کے منافی نہیں ہے۔

اہم نکتہ

اس امت کا فرعون اور دورِ نبوت کا سب سے بڑ فتنہ، ابو جہل کا فتنہ جہاد کے ذریعے ختم ہوا اور عہدِ نبوت کے بعد اس امت کا سب سے پہلا فتنہ انکارِ زکوۃ اور بڑا فتنہ ارتداد اور مسیلمہ کذاب کا جہاد کے ذریعے ختم ہوا اور اِن شاءاللہ اس امت کا سب سے بڑا اور آخری فتنہ دجال کا فتنہ بھی جہاد کے ذریعے ہی ختم ہو گا۔

سب سے بڑی نیکی

فقہ کا مسئلہ ہے کہ، اگر کوئی شخص اپنا مال نیکی کے کاموں میں سب سے اعلیٰ درجہ کے کام کے لئے وقف کر دے یا مرتے وقت وصیت کرے کہ، اس کا مال سب سے بڑی فضیلت والی نیکی کے کام پر خرچ کیا جائے تو، اسکے مال کو جہاد پر خرچ کیا جائے گا۔

نصبِ خلیفہ کی شرعی حیثیت

خلیفہ کا تقرر فرض ہے۔خلیفۃ المسلمین اور شرعی حکومت کا قیام تمام مسلمانوں پر فرض ہے جس سے کوئی مسلمان بھی لاتعلق نہیں رہ سکتا۔اس لئے بہت سے احکام ایسے ہیں جن کا تعلق حکومتِ اسلامیہ اور خلیفہ المسلمین کے ساتھ ہے۔مثلاً، حدود قائم کرنا، سرحدات اسلامیہ کی حفاظت کرنا، لشکرِ اسلام کو جہاد کے لئے روانہ کرنا، زکوۃ وصدقات کا اکٹھا کرنا، باغیوں، چوروں، ڈاکوؤں کا خاتمہ کرنا، عیدین اور جمعات کے اجتماع کو قائم رکھنا ۔لوگوں کے جھگڑوں کو رفع دفع کرانا اور اسمیں فیصلے کرنا۔حقوق العباد پر قائم شہادتوں کا قبول کر کے اس پر عمل کرانا، لاوارث بچوں، بچیوں کے نکاح کا بندوبست کرنا اور جہاد سے حاصل شدہ اموال غنیمت کو تقسیم کرنا۔ (شرح العقائد، ص۱۰۶)

حضرت عامر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔ قَالَ مَنْ مَاتَ وَلاَ طَاعَةَ عَلَيهِ مَاتَ مِيْتَةً جَاهِلِيَّةً وَمَنْ خَلَعَهَا بَعْدَ عَقْدِهِ اِيَّاهَا لَقِىَ اللهَ وَلَا حُجَّةَ لَهٗ۔(اخرجہ احمد، ج۳، ص۴۴۶)

ترجمہ: جو شخص اس حال میں مرا کہ اس کے ذمہ کسی امیر کی اطاعت نہیں، تو وہ جاہلیت کی موت مرا اور جس نے بیعت کے بعد اطاعت کو اتار پھینکا تو وہ (قیامت کے دن) اللہ تعالیٰ سے بغیر کسی سہارا کے ملے گا۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین نے خلیفہ کے تقرر کو اسکی اہمیت کے پیش نظر حضرت پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی تدفین پر مقدم کیا۔

اس بات پر تمام ائمہ کا اجماع اور اتفاق ہے کہ خلیفہ المسلمین کا تقرر واجب ہے۔(شرح العقائد)

فائدہ جلیلہ:

اصل ضابطہ تو یہی ہے کہ، پوری دنیا میں مسلمانوں کا صرف ایک خلیفہ ہو اور سب مسلمان ان کے ماتحت ہوں، اگر یہ سلسلہ منقطع ہو یا متعذّر (مشکل) ہو جائے، تو پھر درجہ مجبوری میں اس ملک کی اسلامی شوری یعنی اربابِ حل وعقد حضرات ایک امیر کا انتخاب کریں اور اگر یہ بھی معتذر ہو تو پھر جس قدر مسلمانوں سے ہو سکے وہ اپنا امیر منتخب کرلیں۔اسکی اطاعت میں زندگی گزارنے کی ترتیب بنائیں۔

خلیفۃ المسلمین کی اہلیت کے لئے شرائط:

(۱) مسلمان ہونا۔

(۲) عاقل، بالغ ہونا اور مرد ہونا۔

(۳) آزاد ہونا۔

(۴) علوم دینیہ کا ماہر ہونا۔

(۵) متقی و دین دار ہونا۔

(۶) سیاست نبویہ پر نظر ہونا۔

(۷) بہادر ہونا۔

(۸) صاحبِ رائے، مدّبر ہونا۔

(۹) اسمیں ایسے جسمانی نقص کا نہ ہونا جو امور خلافت میں رکاوٹ پیدا کریں۔

(۱۰) (بعض فقہاء کے ہاں) قریشی ہونا

خلافت اسلامیہ نعمت الہیہ

خلافت اسلامیہ اللہ تعالی کی بہت بڑی نعمت ہے اختصار کے ساتھ دیکھیے۔

(۱) حضرت شموئیل علیہ السلام سے جب قوم نے بادشاہ کا مطالبہ کیا تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔

اِنَّ اللہَ قَدْ بَعَثَ لَکُمْ طَالُوْتَ مَلِکًا (بقرۃ، آیت نمبر ۲۴۷)

بے شک اللہ تعالیٰ نے تمھارے لئے مقرر فرمادیا طالوت کو بادشاہ۔

(۲) حضرت داود علیہ السلام پر احسان کا ذکر فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا:

وَقَتَلَ دَاوٗدُ جَالُوْتَ وَاٰتَاہُ اللہُ الْمُلْكَ وَالْحِكْمَةَ (سورۃ بقرۃ، آیت نمبر ۲۵۱)

اور مار ڈالا داؤد نے جالوت کو اور دی داؤد کو اللہ نے سلطنت اور حکمت۔

(۳) آلِ ابراہیم پر اپنے انعام کا ذکر یوں فرمایا۔

وَاٰتَيْنَاهمْ مُلْكًا عَظِيْمًا (سورۃ النساء، آیت)

اور ہم نے انکو دی ہے بڑی سلطنت۔

(۴) حضرت موسی علیہ السلام نے اپنی قوم کے سامنے نعمت کا تذکرہ یوں فرمایا۔

وَاِذْقَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِہٖ يٰقَوْمِ اذْكُرُوْا نِعْمَۃَاللہِ عَلَيْكُمْ اِذْ جَعَلَ فِيْكُمْ اَنْبِيَآءَ وَجَعَلَكُمْ مُّلُوْكًا۔

(سورۃ مائدۃ، آیت نمبر ۲۱)

اور جب کہا موسیٰ (علیہ السلام) نے اپنی قوم کو، اے میری قوم یاد کرو احسان اللہ کا اپنے اوپر جب پیدا کئے تم میں نبی اور بنادیا تم کو بادشاہ۔

(۵) حضرت یوسف علیہ السلام نے اس نعمت کا ذکر یوں کیا۔

رَبِّ قَدْ اٰتَيْتَنِیْ مِنَ الْمُلْكِ (سورۃ یوسف، آیت نمبر ۱۰۱)

اے رب تو نے دی مجھ کو کچھ حکومت۔

(۶) آیتِ استخلاف میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو خلافت اور حکومت عطا کرنے کو احسان قرار دیتے ہوئے فرمایا۔

وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوْا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِی الْاَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ (سورۃ نور، آیت نمبر ۵۵)

اور اللہ تعالیٰ نے وعدہ کرلیا ان لوگوں سے جو تم میں ایمان لائے ہیں اور کئے ہیں انہوں نے نیک کام کہ ان کو حاکم بنائے گا زمین میں جیسے حاکم بنایا پہلے لوگوں کو۔

(۷) حضرت سلیمان علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے اس نعمت کے حصول کی دعا یوں مانگی۔

رَبِّ اغْفِرْلِیْ وَهَبْ لِیْ مُلْكًا لَّا يَنْۢبَغِیْ لِاَحَدٍ مِّنْۢ بَعْدِیْ (سورۃ صٓ، آیۃ نمبر ۳۵)

اے رب معاف کر مجھ کو اور بخش مجھ کو وہ بادشاہی کہ مناسب نہ ہو کسی کو میرے پیچھے۔

نظام خلافت

وہ نظام ہے۔ جسمیں وقت کے حکمران کو بھی عدالت کے کٹہرے میں کھڑا کیا جاسکتا ہے۔
وہ نظام ہے۔ جسمیں ہر مظلوم کی ہر وقت اشک شوئی ہوتی ہے۔
وہ نظام ہے۔ جسمیں راعی (حکمران) اور رعایا کے لئے ایک قانون ہوتا ہے۔
وہ نظام ہے۔ جسمیں گورنر کے صاحبزادے کو بر سر عام کوڑے لگتے ہیں۔
وہ نظام ہے۔ جسمیں صرف خدائے واحد کا حکم چلتا ہے۔
وہ نظام ہے۔ جو معاشرے کو جنت بنادیتا ہے۔
وہ نظام ہے۔ جسمیں بہنوں و بیٹیوں کی ردائے عصمت کا تحفظ کیا جاتا ہے۔ (ندائے ممبر و محراب ج ۲)۔

پانچ باتیں

امام عبدالرحمن اوزاعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ پانچ باتیں تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین میں مشترک تھیں۔

(۱) اجتماعیت
(۲) اتباعِ سنت
(۳) تعمیرِ مسجد
(۴) تلاوتِ قرآن کریم
(۵) جہاد فی سبیل اللہ

(البدایہ ج، ۱۰، ص ۱۱۷، از عشاق قرآن کے واقعات ص ۹۴)

☆☆☆